طلوع سحر ہے شام قلندر

نایاب جیلانی

مکمل ناول

عشق مجھ کو نہیں، وحشت ہی سہی
میری وحشت، تیری شہرت ہی سہی
قطع کیجیے نہ، تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے، تو عداوت ہی سہی

پارک سے گھر کی طرف جاتے ہی دائیں طرف مڑتے یہ منحوس آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔ وہ اپنی سیاہ ہنڈا سوک کے پاس کھڑا بڑے جاندار انداز میں مسکرا رہا تھا۔ اس نے پل دو پل کے لیے نگاہ اٹھائی اور پھر جھکالی۔ اب وہ اس کے بالکل برابر قدم سے قدم ملا کر چلنے لگا تھا۔

"آج اس چمکیلے، روشن اور نورانی چہرے پر افسردگی کے بادل کیوں چھائے ہیں۔" وہ بڑے ہمدردانہ انداز میں دریافت کر رہا تھا۔ عنوہ نے اپنے قدموں کی رفتار مزید تیز کرلی مگر اس سے آگے چلنا بے حد دشوار تھا۔ اس کا ایک ایک قدم بھاری تھا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے جناب کی؟ کہیں تو گاڑی میں ڈراپ کر آؤں۔" عنوہ اس کی طرف دیکھ نہیں رہی تھی مگر اس کے لہجے سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ مسلسل مسکرا رہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں بے حد ناگواری در آئی تھی مگر لبوں کا قفل نہیں ٹوٹا تھا۔

"خیر سے اس وقت کہاں سے آرہی ہیں؟" وہ برابر چلتے ہوئے ترچھی نگاہ سے اسے دیکھ بھی رہا تھا۔

"چلیں نہ بتائیں ہم خود ہی اپنے ذرائع سے معلوم کرلیں گے ویسے بھی نیک اور متقی لوگ ہم جیسوں سے بولنا کہاں گوارا کرتے ہیں۔" اس نے خود کو ایک نفیس گالی سے نوازا تھا۔ اس کے ہونٹ اب بھی مسکرا رہے تھے۔

"ہم تو بہت خلوص کے ساتھ دوست اور آئندہ زندگی کے ساتھی کی حفاظت و نگہبانی کر رہے ہیں۔ آپ جب گھر سے باہر نکلتی ہیں تو یقین مانیے دل ہزار خدشوں کا شکار رہتا ہے۔ آپ کی تمام تر زیبائش، آرائش، زینت اسی سادگی میں ہے جو ہم بے چاروں کو گھائل کر کے دیوانگی کی سرحدوں پر لا چکی ہے۔ یہ جو حسین سونے جیسا سنہرا جھیل سی گہری آنکھوں کا رنگ ہے اور ان جگر جگر کرتی نگاہوں سے پھوٹتی ڈائمنڈ کی چنگاریاں۔۔۔ ہم ان چمکدار، پرنور، روشن روشن آنکھوں کے سمندر میں گوڈے گوڈے ڈوب چکے ہیں۔"

"بکواس بند کرو۔" عنوہ کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔ ان آنکھوں کے حزن میں غصے کی شدت سے مزید اضافہ ہو گیا۔

"چھنکس گاڈ! ان شگرفی لبوں کا قفل تو ٹوٹا ہے۔" اس نے بے ساختہ آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائیں۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب تو ہو چکا تھا۔

"تم خود کو سمجھتے کیا ہو؟" وہ بھینچی آواز میں چلائی۔

"بہت ہی عقل مند' دانا' سمجھدار' دانش مند' مصمم ارادہ رکھنے والا۔" اس نے مسکرا کر عنوہ کے چہرے کی طرف دیکھا جس کی رنگت متغیر ہو رہی تھی۔

"انتہائی کمینے' ذلیل' لفنگے اور بدمعاش ہو۔ تمہیں کیا پتا انسانیت کے معیار کیا ہیں۔ اخلاق کس کہانی کا نام ہے' کردار کسے کہتے ہیں۔ سرکشی اور باغی انسان تم جیسے نفس کے مطیع لوگوں سے بات کرنا بھی میں اپنی توہین سمجھتی ہوں۔" وہ پختہ اور مضبوط لہجے میں بولی تھی مگر مقابل بھی تو ذعیث ابن ذعیث تھا۔ قدرے مسکرایا اور پھر بولنے لگا۔

"آپ بہت دل پسند ہیں' دل کو بھانے والی انمول ہستی ہیں۔ آپ کے لبوں سے نکلنے والے تیزاب میں ڈوبے الفاظ بھی جام شیریں کی طرح لگتے ہیں' فرحت بخش' طبیعت کو سرشار کرنے والے ٹھنڈے میٹھے الفاظ۔ ہم تو آپ کی جھیل سی آنکھوں کی توصیف بیان کر رہے تھے مگر آپ تو غصہ کر گئی ہیں' چلیں اپنے الفاظ واپس لے لیتے ہیں' اب تو غصہ تھوک دیں۔ حالانکہ غصے میں آپ اور بھی حسین لگتی ہیں بالکل آب در کی طرح کیا ہیرے کی چمک ہے کیا آب و تاب ہے یا پھر آبگینے جیسی گویا نازک شیشہ' کانچ' آئینہ' الماس یا پھر اوں... ہوں یاد آیا' بالکل انگوری شراب جیسی کیا ذائقہ بے مدہوش کر دینے والا۔" اس کی سیاہ آنکھوں سے پھوٹتی روشنیاں عنوہ کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھیں۔

"انسان کے روپ میں پورے شیطان ہو' فرعون کا انجام تو کہیں پڑھا ہو گا۔" عنوہ نے زہر خند لہجے میں کہا۔

"جی' نا صرف فرعون بلکہ شداد اور قارون کے انجام سے بھی باخبر ہیں۔" وہ سعادت مندی سے بولا تھا۔

"مگر اپنے انجام سے بے خبر ہو گھٹیا' بدکردار اور جواری انسان۔" عنوہ نے حد درجہ نفرت سے کہا۔

"میرا دل بہت وسیع ہے۔ آپ کچھ بھی کہہ لیں ہم برا ہرگز نہیں منائیں گے بلکہ کسی ایوارڈ کی طرح آپ کی گالیاں اور کوسنے وصول کریں گے۔" وہ دلکشی سے مسکرایا۔

"تمہارا نام زیان عبث کی جگہ خبیث ہونا چاہیے تھا۔" عنوہ نے تنفر سے کہا۔ وہ اپنے گھر کے گیٹ تک پہنچ چکی تھی۔

"میری نرمی کا ناجائز فائدہ نہ اٹھاؤ' بہت کرلی من مانی۔ اب فیصلہ ہو جانا چاہیے۔ آج تمہاری ممی سے ہی ڈسکس کرنے آیا تھا۔ اپنا مائنڈ میک اپ کر لو زوجہ محترمہ!" اس کا انداز حد درجہ دل جلانے والا تھا۔ عنوہ کے تن بدن میں چنگاریاں پھوٹ پڑی تھیں۔

"اتنی خوش فہمی بھی اچھی نہیں' منہ کے بل گرو گے کسی دن۔"

"تمیز سے بات کیا کرو' مجھے اس طرح کے لہجوں کی عادت نہیں۔ نہ جانے کیوں برداشت کرتا ہوں۔" اس نے اپنے گھنے سیاہ سلجھے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر کہا اور مزید بولا۔

"تمہیں لاکھوں کی بھیڑ میں چنا ہے' پسند کیا ہے' محبت و پیار' چاہت سے سرفراز کیا ہے۔ رفاقتوں کا یقین دلایا ہے۔ توجہ کی حد کر دی ہے۔ تمام ضروری کام بھاڑ میں جھونک کر بڑی فرصت سے عشق فرمایا ہے۔ تم پر دل و جان سے فریفتہ ہوں۔ عاشق اور شیدائی ہوں۔ تمہارے تفاخر کے لیے تو اتنا ہی کافی ہونا چاہیے۔"

"لعنت بھیجتی ہوں میں ایسے عشق پر اور تمہارے جیسے عاشق پر۔" وہ غصے سے پھنکارتی زوردار آواز میں گیٹ بند کر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئی جبکہ زیان مسکراتا گنگناتا پلٹ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

جوں ہی اس نے آراستہ پیراستہ سجے سجائے

ڈرائنگ روم میں قدم رکھا نگاہیں سامنے مخملیں صوفے میں دھنسی ممی پر اٹھ گئیں۔ وہ خود سے بے گانہ سیاہ ساڑھی میں ملبوس آنکھیں موندے نہ جانے کیا کیا بول رہی تھیں۔ عنوہ کو اک پل کے لیے یوں محسوس ہوا تھا گویا صدیوں کی مسافتوں کی تھکن آنکھوں میں اتر آئی ہے۔ وہ نم پلکوں کو پونچھتی ممی کے پاؤں سینڈلوں سے آزاد کرنے لگی تھی۔ پھر نگاہ کرسٹل کی چمکیلی سطح والے ٹیبل پر رکھے مشروب کے خالی گلاسوں پر پڑی۔

ممی کے قریب رکھا گلاس خالی تھا جبکہ دوسرے گلاس میں تھوڑا سا بچا ہوا "جوس یقیناً" وہ اس کی تسلی کے لیے بچا گیا تھا۔

ممی کو دیکھتے ہوئے اسے خود سے بھی شرم آنے لگی تھی۔ کیا تھا اگر ممی اس کے سامنے حواس برقرار رکھتیں۔ کیا ضرورت تھی زبان کے سامنے ام الخبائث کو منہ لگانے کی مگر ممی کا بریک فاسٹ' لنچ' پاؤنڈ' ڈنر تک' کے بغیر تو ادھورا ہوتا تھا۔ انہوں نے آج تک مہمانوں کا بھی لحاظ نہیں کیا تھا۔

کارپٹ پر بکھرے ساڑھی کے پلو کو سمیٹتے ہوئے اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے تھے۔

"کیا سوچتا ہو گا وہ ممی کے بارے میں۔" عنوہ نے ناک دبا کر گلاس اٹھائے اور ٹیبل کو کپڑے سے صاف کرتے ہوئے سوچا۔

"اونہہ' جو مرضی سوچتا پھرے' خود بھی تو یہی کچھ کرتا ہے۔" وہ رنجیدگی سے زیر لب بڑبڑائی پھر الماری سے نفیس کمبل نکال کر ممی کے اوپر ڈالا اور تھکے تھکے قدم اٹھاتی اپنے روم کی طرف بڑھ گئی۔

صبح ڈائننگ روم میں ممی بڑے فریش موڈ میں بیٹھی اورنج جوس پی رہی تھیں۔ انہیں اپنی ڈائٹ کا بہت خیال رہتا تھا۔ اپنے حسن اور صحت پر بھرپور توجہ دیتی تھیں۔ اسی لیے تو ان کا حسین سراپا سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا تھا۔ دلکش خدوخال' گورا رنگ' لانبے بال... بلاشبہ وہ بہت حسین خاتون تھیں۔ انہیں حسن کو سنوارنے کے طریقے بھی آتے تھے۔ عنوہ نے ایک حسن کی دولت ہی ممی سے چرائی تھی۔

"گڈ مارننگ ممی۔" دل تو نہیں چاہ رہا تھا انہیں مخاطب کرنے کو مگر وہ اپنی عادت سے مجبور تھی کیا کرتی۔ ساری رات جاگنے اور مسلسل سوچنے کی وجہ سے آنکھیں الگ دکھ رہی تھیں۔

"آں... ہاں۔" وہ چونکیں اور حیرانی سے اسے دیکھنے لگیں۔ ان کی آنکھیں بہت سرخ تھیں اور سرد بھی۔ اس نے آج تک ممی کو مطمئن نہیں دیکھا تھا۔

"طبیعت ٹھیک ہو؟"

"ہوں' رات کو نیند نہیں آئی۔" وہ آہستگی سے بولی تھی۔

"تو نیند کا ٹانک لے لیتا تھا۔ سارے غم' فکریں بھول جاتی ہیں۔" وہ کس چیز کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔ عنوہ نے اک دکھ کی لہر من میں اترتی محسوس کی۔

"ممی! میں آپ کی فرینڈ یا کولیگ تو نہیں۔ بیٹی ہوں۔" اس نے آزردگی سے کہا تھا۔ کیسی قابل نفرت چیز کی آفر کر رہی تھیں وہ اسے۔

"ہاں تو پھر۔" امبرین نے بھنویں اچکائیں۔

"میری زندگی کی سب سے بڑی بھول' ایسی غلطی جس کی تلافی ممکن نہیں۔" انہوں نے تنفر سے کہا۔ پنک اسٹائلش ساڑھی میں بغیر میک اپ اور کھلے بالوں کے ساتھ وہ بے حد شاندار لگ رہی تھیں۔ اگر اس حسین چہرے پر محبت کا کوئی رنگ ہوتا تو یقیناً "یہ دنیا کا حسین ترین چہرہ ہوتا۔"

"کل زیان آیا تھا۔" عنوہ جس موضوع سے بچنا چاہتی تھی۔ ممی اس پر ہی بحث و مباحثے کے لیے تیار

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول یا سلسلے کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار قسط کے طور پر کسی بھی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

www.pkdigest.com

تھیں۔ اس نے وجہ نہیں پوچھی تھی نہ ہی پوچھنا چاہتی تھی کہ اب تک کوئی بھی کام اس کی مرضی کے مطابق کہاں ہوا تھا جو کہ نکاح بھی۔

"شادی کی ڈیٹ طے کرنے کے بارے میں بات کر رہا تھا۔"

"پھر آپ نے کیا کہا ہے؟" اس نے ڈوبتے دل اور کپکپاتی آواز میں پوچھا۔

"جنوری کے اینڈ تک ارادہ ہے میرا۔ ویسے بھی نکاح کو ایک سال ہو گیا ہے۔ تم ایجوکیشن کمپلیٹ کر چکی ہو کارن سے شارٹ کورسز کی ڈگری بھی ہے۔ اتنی تعلیم ہی کافی ہے۔ تمہیں ویسے بھی میں نے پرنس سے الگ رکھا ہے۔ دراز میں چیک بک رکھی ہے۔ جتنے مرضی پیسے لو اور دل کھول کر شاپنگ کرو یہ میری طرف سے تمہارے لیے آخری گفٹ ہے۔۔۔۔ ویسے بھی تم ایک نہایت امیر خوشحال اور دولت مند شخص کی مسز ہو گی۔ اس کے بینک ڈالر' پونڈز سے بھرے پڑے ہیں۔ یورپ اور ایشین ممالک میں موجود بینکوں میں اس کے اتنے اکاؤنٹس ہیں کہ تم انگلیوں پر نہیں گن سکتیں۔ میں نے تمہارے لیے بہت اچھا انتخاب کیا ہے۔" وہ بڑے تفاخر کے عالم میں اسے نہ جانے کیا کیا جتا رہی تھیں۔

"ایک شرابی' جواری شخص کو میرا عمر بھر کا ساتھی بنا کر آپ نے میرے ساتھ بہت ظلم کیا ہے ممی!"

"پارسائی' اچھائی اور نیکی کی باتیں ہماری سوسائٹی کی لڑکیوں کو سوٹ نہیں کرتیں۔" انہوں نے استہزائیہ کہا اور بالوں میں انگلیاں چلانے لگیں۔

"میرا باپ دنیا کا بدقسمت انسان تھا جس کی آپ بیوی تھیں۔" اس نے آج تک کبھی ممی کے سامنے اپنے باپ کا ذکر نہیں کیا تھا نہ جانے کیسے زبان سے یہ چند الفاظ پھسل گئے تھے۔ امبرین نے خونخوار نظروں سے اسے گھورا اور غصے سے پھنکاریں۔

"اپنے باپ کی حقیقت سے واقف نہیں ہو بہت عیاش اور فلرٹی انسان تھا۔ میری شادی کے بعد اس نے تین شادیاں کی تھیں اگر زندہ رہتا تو اور نہ جانے

کتنوں کے نصیب پھوٹتے۔۔۔ بہرحال یہ بحث طویل ہے' تم اپنی تیاری پکڑو۔۔۔ میں انہی دنوں میں تم سے چھٹکارا پانا چاہتی ہوں۔" وہ نہایت سرد انداز میں بولی تھیں۔ عنوہ کی آنکھیں یکدم ہی نمکین پانیوں سے لبریز ہو گئیں۔

"کیا ساری دنیا کی مائیں ایسی ہوتی ہیں۔" اس نے تلخی سے سوچا۔

"ممی!" امبرین کو اٹھتا دیکھ کر وہ سرعت سے بولی تھی۔

"کیا بات ہے؟" انہوں نے سوالیہ نگاہیں اس کے چہرے پر جما دیں۔

"میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

"وجہ۔۔۔؟" امبرین نے ناگواری سے پوچھا۔

"مجھے زیان اچھا نہیں لگتا۔" اس نے نگاہیں جھکا کر اپنے دل کی بات کہہ ڈالی تھی۔

"کیوں اچھا نہیں لگتا؟"

"اس لیے کہ اس میں کوئی خوبی نہیں ہے۔ ممی! وہ بہت آوارہ مزاج ہے۔۔۔ سب کے سامنے بیٹھ کر شراب پیتا ہے' جوا کھیلتا ہے' آوارہ عورتوں سے ریلیشن ہیں اس کے مجھے یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔" عنوہ نے جھجکتے سے نگاہ اٹھا کر امبرین کے پرسوچ چہرے کی طرف دیکھا۔

"او کے تو پھر ایسا کرو کسی کلرک سے شادی کر لو' یا پھر جمعدار ٹھیک رہے گا۔ نہ تو وہ اعلا برانڈ کی شراب پیے گا' نہ جوا کھیلے گا' نہ عورتوں سے دوستیاں رکھے گا۔ پیٹ کے چکر میں الجھا انسان کہاں ایسی عیاشیاں افورڈ کر سکتا ہے۔ تم آرام سے اس کے ٹوٹے پھوٹے مکان میں رہنا' بچے پیدا کرنا اور مہنگائی کے رونے رونا۔۔۔۔ جب کھانے کو ملا نہ پہننے کو ملا تو پھر یہ کھوں کی کیا کرتی ہو تم یہ پرہیزگاری بھلائی' نیکی کے قصے سب بھول جاؤ گے۔ بیٹھ کر اس کی شرافت کو چاٹتی رہنا۔"

امبرین نے تنگ کر کہا تو عنوہ الجھ سی گئی۔

"ممی! مجھے نہیں پتا نیکی اور بھلائی کیا ہے۔ پرہیزگاری اور پارسائی کسے کہتے ہیں۔ مجھے بس اتنی سمجھ

پوچھ ہے کہ جو باتیں' جو حرکتیں زیان کرتا ہے وہ سب اخلاقی حدود کے دائرے میں شمار نہیں ہوتیں۔"

"تم نے کہیں کسی تبلیغی کلاس کو تو نہیں جوائن کر لیا۔" امبرین نے مشکوک انداز میں اسے گھورا۔

"یہ کون سی کلاس ہے اور کس قسم کی ہے۔" وہ حیرانی سے پوچھ رہی تھی۔ امبرین نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ اک تلخ مسکان اس کی طرف اچھال کر وہ باہر نکل گئی تھیں۔ عنوہ ابھی تک گوموگو کی کیفیت میں کھڑی تھی جب "زہو بابا کی آواز سن کر پلٹی۔ وہ اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کر رہے تھے۔ عنوہ بے دھیانی میں بیٹھ گئی۔ زہو بابا کہہ رہے تھے۔

"بڑے بزرگ لوگوں کی جماعت ہوتی ہے۔ بڑے عقلمند' دانا لوگ ہوتے ہیں۔ بانصیب' خوش نصیب لوگ جنہیں اللہ منتخب کر لیتا ہے۔ چن لیتا ہے۔"

"وہ کون لوگ ہوتے ہیں اور کہاں ہوتے ہیں۔ کیا آپ نے دیکھے ہیں ایسے لوگ؟" عنوہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"یہ اصفیاء ہوتے ہیں یعنی کہ بہت ہی برگزیدہ پاک باطن۔ ان میں اصل ہی ہوتا ہے۔ بہت خالص ہوتے ہیں' ان میں ملاوٹ نہیں ہوتی۔" زہو بابا بہت سوچ سوچ کر کھوئے کھوئے لہجے میں بول رہے تھے۔

"اتنے خالص لوگ آج کے دور میں کہاں؟" اس کی نگاہوں کے سامنے زیان کا چہرہ تھا۔ کھڑے نقوش والا پھرتیلا چہرہ وہ بہت وجیہہ و شکیل تھا مگر عنوہ کو اس میں بالکل خوب صورتی نظر نہیں آتی تھی۔

"انہی لوگوں سے تو یہ دنیا قائم دائم ہے۔ لوگوں کے ہجوم میں رہتے ہیں مگر اپنی ذات میں تنہا۔"

"زہو بابا! آپ ملے ہیں بھی کسی ایسی ہستی سے۔" اس نے ایک مرتبہ پھر اپنا سوال دہرایا تھا۔

"ہاں جی۔" وہ اسی کھوئے کھوئے لہجے میں بولے تھے۔

"کیا نورانی چہرہ ہے؟ اتنا شفیق اس قدر نہایت فقر کو دوست رکھنے والے ہیں' بہت ہی عالم فاضل۔ بڑی اچھی اچھی باتیں کرتے ہیں۔ جنت کی باتیں' دوزخ کی

طنز و مزاح سے بھرپور کالم

باتیں اِنشاء جی کی

ابنِ انشاء

قیمت: 300/- روپے

ڈاک خرچ: 30/- روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

باتیں' قبر کی باتیں۔۔۔ جزا اور سزا کی باتیں۔ نیکی اور بدی کی' گناہ اور ثواب کی' ذلت اور عزت کی' نفرت اور محبت کی۔

"کون سے شہر میں رہتے ہیں؟" عنوہ کو دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے بھلا کہاں ایسی باتیں سنی تھیں۔

"شہر کہاں۔۔۔ وہ تو بہت دور ایک چھوٹی سی بستی ہے' جہاں ان کا بسیرا ہے۔ کچا مکان اور تنہائی ان کی ساتھی ہے۔" زنو بابا بڑے احترام سے ان کا نام لے رہے تھے۔

"میں بھی ملوں گی ان سے۔" عنوہ نے سنجیدگی سے کہا تھا اور زنو بابا پرجوش سے ہو کر سر ہلانے لگے تھے۔

"لے چلوں گا آپ کو عنوہ بی بی! اسی بہانے میری بھی ملاقات ہو جائے گی۔ ان کا گھر اگرچہ خالی ہے عنوہ بی بی! مگر سکون کی دولت سے بھرا ہوا۔ جی چاہتا ہے ان کی چوکھٹ میں ہی پڑا رہوں مگر بیمار ہوتے کی خاطر کام کرنے پر مجبور ہوں۔" زنو بابا بھرائی آواز میں کہہ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

مسٹر ربانی کے ہاں پارٹی تھی۔ امبرین کے اصرار پر عنوہ بھی تیار ہو گئی تھی۔۔۔ ممی نے بھی انکار سنا تھا نہ اس نے بھی نہ کی تھی۔ پارٹی کی ارینج منٹ کافی وسیع پیمانے پر تھی۔ اسی حساب سے مہمانوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ ممی ہمیشہ کی طرح اسے ساتھ لا کر بھول چکی تھیں۔ یہ تو بچپن کا دکھ تھا۔ ممی اسے کہیں بھی ساتھ لے کر جاتیں اور پھر اس کے وجود سے یکسر بے نیاز ہو جاتی تھیں یوں گویا وہ کہیں بھی نہ ہو۔ کبھی کبھی اسے محسوس ہوتا تھا کہ ممی اپنے فرینڈز سے اس کا تعارف کرواتے ہوئے ناگواری محسوس کرتی ہیں۔

اسی طرح کی ایک پارٹی میں ممی نے اس کا تعارف زیان سے کروایا تھا۔ شاید وہ زیان سے عنوہ کو ملوانا نہیں چاہتی تھیں مگر زیان خود ہی اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ مجبوراً" ممی کو تعارف کروانا پڑا۔ عنوہ کو جب ممی نے بتایا کہ یہ ان کا کیا فرینڈ اور بزنس پارٹنر بھی ہے تو وہ بے حد حیران ہوئی تھی۔ ان دنوں بزنس میں مسلسل خسارے کا سامنا تھا۔ فیکٹری کی تمام مشینری بدلنے والی تھی جس کے لیے کروڑوں روپیہ درکار تھا۔ ملازمین کی تنخواہیں نہیں دی تھیں جس کی وجہ سے تمام ورکر' ہڑتال کے بارے میں آپس میں مشورے کر رہے تھے ایسی صورت حال میں کوئی احمق ہی تھا جو پارٹنر شپ کے ایگری منٹ پر سائن کر چکا تھا۔

ممی کی تمام دوستیاں اخلاقی حدود سے تجاوز کر چکی تھیں نہ جانے یہ کس قسم کا دوست تھا۔ ممی چاہے کتنی ہی اسمارٹ اور ینگ لگیں مگر تھیں تو کافی ایجڈ' جبکہ وہ ابھی تینتیس چونتیس کے لگ بھگ ہو گا۔ یہ ممی کی زندگی کا انتہائی شرمناک پہلو تھا۔ کبھی کبھی اسے اپنے ماحول سے سخت کراہیت محسوس ہوتی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کہیں جنگلوں میں بسیرا کر لے۔

ممی کہتی تھیں کہ وہ محفل میں "منفرد" نظر آنے کے چکر میں ان کے ماحول سے الگ تھلگ رہتی ہے اسے نیک پروین بننے کا شوق ہے تاکہ لوگ اسے تعریفوں کے ایوارڈ دیں جبکہ عنوہ حیران ہو کر سوچتی تھی کہ ممی ایسا کیوں کہتی ہیں۔ اسے تو انفرادیت کے مفہوم کا بھی پتا نہیں تھا۔ نیکی کیا ہوتی ہے؟ کم از کم اس نے اپنے اردگرد نیکی کو کسی شکل میں نہیں دیکھا تھا۔ ہاں اسے اچھائی اور برائی میں فرق کرنا ضرور آتا تھا۔ اتنی تو وہ باشعور تھی کہ اچھے اور برے میں تمیز کر سکتی۔

اسے ڈرنک کرنے والے اسموکنگ کرنے والے مرد زہر لگتے تھے کجا کہ عورتیں' وہ جانتی تھی کہ سگریٹ پینے والی عورت کو معاشرہ اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ ڈال ڈال پر بیٹھنے والی عورت کو مرد کی نگاہ میں عزت نہیں ملتی۔ ابھی تو یہ سوٹڈ بوٹڈ حضرات ان چہکتی دمکتی عورتوں پر ریجھ رہے تھے' پیٹھ پیچھے کیسے گندے الفاظ میں ان کا ذکر کرتے تھے۔ گالیاں بکتے تھے۔ ان حسین خوشبوؤں میں بسی عورتوں سے نفرت کرتے تھے۔ ایسی عورتیں صرف شوپیس جیسی حیثیت

www.pkdigest.com

رکھتی تھیں۔

ان کی ایک ایک مسکراہٹ پر فدا ہونے والے محفلوں سے دور انہیں "ٹنڈی گالی" سمجھتے تھے۔ کیا زندگی ہے اسی طرح ہی خوشی کشید کی جاتی ہے؟ بھلا لگا محفل' ہنگامہ۔۔۔ یہ فضول سی پارٹیاں' یہ رنگ برنگی مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی دل لبھاتی عورتیں۔ چند لمحوں کی عارضی خوشی' وقتی طور پر لمحاتی لذت ان آسائشات کے عادی لوگوں پر بھی برا وقت آ گیا تو کیا حال ہو گا ان لوگوں کا؟

"یہ مراقبے کی کون سی شکل ہے۔ محفل میں بیٹھ کر اس قدر سوچ و بچار' غور و فکر۔" اسے اپنے قریب ہی زیان کی آواز سنائی دی تھی۔

"اتنا کیا سوچتی ہو اور کسے سوچتی ہو؟" وہ حیرانی سے پوچھ رہا تھا۔

"کم از کم تمہیں نہیں سوچتی۔" عنوہ نے تنک کر کہا تو زیان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"ہم اتنے خوش نصیب کہاں کہ آپ کی سوچوں پر قابض ہو جائیں۔" وہ مصنوعی رنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"میرا بھیجا کھانے کی ضرورت نہیں' ایک ہزار ایک لڑکیاں موجود ہیں کسی سے بھی شوق کے ساتھ کلام کر سکتے ہیں۔ میں قطعاً" مائنڈ نہیں کروں گی۔" عنوہ ناگواری سے بولی۔

"میرا ٹیسٹ اتنا بھی برا نہیں کہ لوگوں کے پیچھے کھاتا پھروں اور کسی سے گفتگو کرنے کے لیے مجھے آپ کی اجازت درکار نہیں ہے۔ میں اپنی مرضی کا مالک ہوں' کبھی کسی کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ میں اپنے فیصلے خود کرتا ہوں۔" زیان نے لاپروائی سے کہا۔

"آپ کا یہ غرور توڑ نہ دیا تو نام بدل دینا۔ بڑی بڑی دیکھی ہیں چنگیز خان کی موت خواتین۔ یہ اکڑ' یہ نخوت اور خودپسندی۔ بھلا غرور ہے کس بات پر' غرور کرنے کے لیے کسی چیز' کسی خوبی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اور نہ تیزی سے گرتا ہوا کاروبار' ایک تباہ شدہ ساکھ یا پھر یہ عیاش ماں۔۔۔ مائی فٹ' لعنت بھیجتا ہوں میں ایسی بڑھاپے کی طرف مائل عورتوں پر جنہیں بڑھاپا کسی گالی کی طرح محسوس ہوتا ہے۔" وہ تنفر سے سوچ رہا تھا۔

ڈنر کے بعد اس نے ممی کو چلنے کے لیے کہا مگر امبرین کا ابھی موڈ نہیں تھا۔ وہ اسے ڈرائیور کے ساتھ جانے کے لیے کہہ رہی تھیں۔

"ممی! میں ڈرائیور کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ ویسے بھی موسم کے تیور اچھے نہیں۔" اس نے سیاہ گلاس ونڈو پر چپکتے بارش کے قطروں کو دیکھ کر کہا۔ باہر تیز ہوا بھی چل رہی تھی۔

"تم کوئی ننھی بچی تو نہیں ایڈیٹ۔" امبرین نے ڈانٹ دیا۔

"آپ مجھے لے کر کیوں آئی تھیں؟" عنوہ نے ناراضی سے کہا تھا۔

"تو نہ آتیں۔۔۔ اتنے اچھے موڈ کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔" امبرین غصے سے بھنائیں۔

"جانا ہے تو اللہ بخش کے ساتھ چلی جاؤ ورنہ اچھے اچھے لوگوں کے ساتھ انجوائے کرو۔" امبرین نے مردوں اور عورتوں کے جھرمٹ میں کھڑے زیان کی طرف دیکھ کر کہا۔ جس محفل میں زیان ہو پھر نگاہ کسی اور طرف اٹھتی ہی کہاں تھی۔ بہت سے لوگ بہت سی باتیں' کچھ خوشامدی لہجے' کچھ چاپلوسانہ انداز میں اپنی طرف متوجہ کرتی خواتین۔ بعض حسد و رشک کے جذبات لیے بس دور کھڑے دیکھ رہے تھے۔

اس کے بخت کا ستارہ بہت بلند تھا۔ بزنس کی دنیا کا بے تاج بادشاہ۔ اس وقت تمام سرمایہ دار' حضرات اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ یہاں دولت کی عزت تھی۔ پیسے کی قدر تھی' ڈالرز کے پجاری۔۔۔ پونڈز گننے والے' روپے کے لحاظ سے بہت بلندیوں پر کھڑے لوگ' اخلاق کے معاملے میں پستیوں میں اترے لوگ۔

"میں جا رہا ہوں' تمہیں بھی ڈراپ کر دوں گا۔" نہ جانے کب وہ اس کے پہلو میں آ کھڑا ہوا تھا۔ عنوہ

چونک کر غائب دماغی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"او بھی..." زیان جھنجلایا۔

"کہاں؟" وہ حیرانی سے بولی۔

"جہنم میں۔" اس نے گم سم کھڑی عنوہ کا بازو پکڑا اور تیز تیز قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔ عنوہ اس کے ساتھ تقریباً" گھسٹتی جارہی تھی۔ پارکنگ میں آکر زیان نے اس کا بازو چھوڑ دیا تھا۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے۔" عنوہ نے ناگواری سے کہا۔

"بیٹھو۔" زیان نے فرنٹ ڈور کھول کر اس کی طرف دیکھا۔

"میں خود چلی جاؤں گی' ہمارا ڈرائیور ادھر ہی ہو گا۔" عنوہ نے قطار میں کھڑی گاڑیوں میں سے اپنی کرولا کو تلاش کرنا چاہا۔

"آپ کا ڈرائیور نہیں ہے۔" زیان اب اطمینان سے گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا۔

"کیوں نہیں' ادھر ہی ہو گا۔ ممی کی پرمیشن کے بغیر وہ کہاں جا سکتا ہے۔" عنوہ مسلسل ادھر ادھر نگاہیں دوڑا رہی تھی۔

"وہ جا چکا ہے۔" زیان نے گاڑی کو احتیاط سے بیک کیا پھر اس کے قریب آکر بولا۔

"میں نے اسے اجازت دی ہے تاکہ وہ جاکر آرام کرے اور مجھے دعائیں دے۔"

"کیا مطلب ہے؟" عنوہ پہلے حیران ہوئی پھر اسے ایک دم ہی غصہ آگیا۔

"تمہیں کس نے اتھارٹی دی کہ ہمارے ملازموں پر حکم چلاؤ۔ ممی جان نکال دیں گی اللہ بخش کی۔"

"اتھارٹی کی کیا بات کر رہی ہیں محترمہ! میں تو کھڑے کھڑے آپ کے تمام نوکروں کو گھر سے نکال سکتا ہوں مگر میں ایسا کروں گا نہیں۔ کیا ضرورت ہے مظلوم لوگوں کی بددعائیں لینے کی۔" اس کا انداز شاہانہ تھا۔

"میں اللہ بخش کو بھیجنے کی وجہ پوچھ سکتی ہوں؟" عنوہ نے جھجکتے لہجے میں کہا تھا۔ زیان مسکرایا اور بولا۔

"کھڑے کھڑے تھک جاؤ گی عنوہ ڈیئر! بیٹھ جاؤ تفصیلاً" بات کرتے ہیں۔ اللہ بخش کی پریشانی پر اس کی بیوی بچوں پر اس کے گھریلو مسائل پر لو گے۔"

"مجھے تمہارے ساتھ کہیں نہیں جانا۔" عنوہ نے تنک کر کہا۔

"عنوہ ڈیئر! آرام سے بیٹھ جائیں' ضد نہ کریں۔ ابھی پلاسٹر آف پیرس کی چھت کے نیچے کھڑی ہیں' باہر دیکھیں کیسی طوفانی بارش برس رہی ہے۔ تیز ہوا ہڈیوں میں گھس رہی ہے۔ یہ نخرے بس یہیں تک ہیں۔ ذرا باہر تشریف لے کر تو آئیں۔ اگر نہیں جانا چاہتیں تو واپس چلی جائیں' آپ کی ممی تو آج گھر نہیں جائیں گی۔ ان کے ارادے تو یہیں رات بتانے کے ہیں۔ سیٹھ جہانگیر انہیں جانے بھی نہیں دیں گے... تو پھر جلدی سے فیصلہ کرلیں' مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ بے حد استہزائیہ انداز میں اسے کیا کچھ نہیں جتا گیا تھا۔

عنوہ کی آنکھیں شرم سے جھک گئیں۔ ندامت کے قطرے سے پیشانی پر چمک اٹھے تھے۔ اس کی ماں اس کے لیے قابل فخر نہیں بلکہ باعث شرمندگی تھی۔ اسے اپنی بدقسمتی پر رونا آگیا۔ وہ بغیر حجت کے گاڑی میں بیٹھ گئی تھی کہ واپس اس محفل میں جانا انتہائی تکلیف دہ امر تھا۔

"مجھے فرمانبردار عورتیں بہت اچھی لگتی ہیں۔" زیان مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ پھر اچانک کچھ یاد آیا تو بغور اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ زیان کے اس طرح دیکھنے پر قدرے نروس سی ہو گئی تھی۔

"تم نے شاپنگ کرلی ہو گی شادی کی؟"

"ہاں' کرلی ہے۔" عنوہ نے جھوٹ کا سہارا لیا مبادا وہ اسے کہیں شاپنگ وغیرہ کرانے نہ لے جائے۔

"آں... ہاں' میرا ارادہ تمہیں ساتھ لے کر مارکیٹوں اور بوتیکس میں اور لور پھرنے کا نہیں۔" وہ گویا اس کے چہرے کے تمام تاثرات پڑھ چکا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکان تھی۔ اسے تو یہ مسکان طنزیہ ہی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے تھوڑا سا اس کی طرف

جھک کر کوٹ کی جیب میں سے چیک بک نکالی۔

"یہ لو' اپنی مرضی اور پسند کی شاپنگ کرلینا۔ میرا اس معاملے میں تجربہ صفر ہے اور ویسے بھی مجھے عورتوں کو بازاروں میں لے کر گھومنا پسند نہیں۔"

"مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" عنوہ نے چیک پکڑنے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔

"تمہیں نہ سہی' تمہاری ممی کو تو ہے۔ وہ تو ایک سو بیس مرتبہ مجھے جتا چکی ہیں کہ میں تمہیں شاپنگ کے لیے بھاری بھرکم چیک نہیں دے رہا۔" وہ اطمینان سے کہہ رہا تھا۔ جبکہ عنوہ مارے شرمندگی کے سر نہیں اٹھا پارہی تھی۔

"ممی! آپ مجھے ذلتوں کے گڑھے میں اتار کر رہیں گی۔" اپنی کوٹھی کے گیٹ کو دیکھ کر اس نے سکون سے بھرا سانس لیا۔ وہ جلد از جلد زیان کی آنکھوں سے اوجھل ہونا چاہتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"نجو بابا! آج لنچ میں کیا بنے گا۔" وہ فریج سے ایپل جوس نکالتے ہوئے بولی تھی۔

"جو آپ پسند کریں بٹیا! ویسے چکن نکال رکھا ہے کڑاہی بنانے کا ارادہ تھا۔ بڑی بیگم تو کھانا نہیں کھائیں گی۔ بس آپ ہیں اور نوکر وغیرہ۔" نجو بابا نے تفصیلاً" جواب دیا تھا۔ اسی پل اس کی عزیز از جان فرینڈ حنا چیختی چلاتی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔ عنوہ تو مارے خوشی کے ساکت رہ گئی تھی۔ حنا خود ہی بے ساختہ اس سے لپٹ گئی تھی۔

"کیسا رہا لندن کا ٹور۔" عنوہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ کچھ پل کے لیے تمام یاسیت اڑن چھو ہو گئی تھی۔

"فرسٹ کلاس' اس سفر میں کچھ اچھے اچھے لوگ ملے ہیں' کیا کھڑے کھڑے سب پوچھ لوگی۔" حنا اپنے مخصوص چنچل انداز میں کہہ رہی تھی۔

"ہاں' چلو میرے بیڈ روم میں۔" عنوہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔ حنا اس کے کمرے میں آکر ارد گرد کا جائزہ لینے لگی پھر دیوار پر بڑی سی تصویر دیکھ کر چلا اٹھی۔

"ارے کیا شاندار بندہ ڈھونڈا ہے۔ کیا غضب کی پرسنالٹی ہے' بالکل شہزادہ لگتا ہے۔"

"ممی کی چوائس ہے۔" عنوہ سر جھکا کر بولی تھی۔

"ممی کی چوائس بہت اعلا ہے۔ کاش ہماری بھی تمہاری طرح کی ایک عدد ممی ہوتیں۔" حنا کھلکھلائی تو عنوہ نے بے ساختہ اللہ نہ کرے کہا تھا۔

"انکل کی طبیعت ٹھیک ہے؟" عنوہ نے موضوع بدلا۔

"ہاں اللہ کا شکر ہے۔ اب تو بالکل ٹھیک ہیں ماشاء اللہ سے۔" وہ اپنے ابو کے ساتھ لندن گئی تھی چیک اپ کے سلسلے میں۔

"تم بتاؤ شادی کا کیا ارادہ ہے۔ کب تک ہو گی میں اپنی تیاری شیاری کر رکھوں۔" حنا اپنے ملبوسات کے بارے میں سوچتے ہوئے بولی۔

"اونہہ... شادی۔" عنوہ نے تلخی سے سر جھٹکا۔

"کیا مسئلہ ہے عنوہ! کیا تم خوش نہیں ہو؟" حنا بغور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ہماری خوشی سے کسی کو کیا مطلب۔" اس کا انداز ہنوز وہی تھا بے زار بے زار سا۔

"آنٹی نے تمہاری رائے جانے بغیر نکاح کر دیا تھا۔" حنا الجھ سی گئی تھی۔

"اگر تم زیان بھائی کو ناپسند کرتی ہو تو پھر تمہیں اسٹینڈ لینا چاہیے تھا۔"

"میری پسند ناپسند کی کوئی اہمیت نہیں۔"

"کیوں اہمیت نہیں' تم انکار کر دیتیں۔" حنا نے ناراضی سے کہا۔

"یہ پوری زندگی کا فیصلہ ہوتا ہے' اگر دل رضامند نہ ہو تو پھر ایسی شادی کا فائدہ۔"

"یہ بات تم ممی کو نہیں سمجھا سکتیں۔ وہ اپنے فیصلوں میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتیں۔" عنوہ نے زہرخند لہجے میں کہا۔

"تم کیسی نہیں ان کی بیٹی ہو۔"

www.pkdigest.com

"اونہہ بیٹی" انہوں نے کبھی ایسے رشتوں کو اہمیت نہیں دی۔ تم ممی کی نیچر کو جانتی ہو۔" اس نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگالی تھی۔

"مگر زیان بھائی کو ناپسند کرنے کی کوئی وجہ بھی تو ہو۔ بظاہر تو شاندار لگتے ہیں۔" حنا کی الجھن دور نہیں ہوئی تھی۔

"اس میں کوئی خوبی نہیں 'صرف خامیاں ہی خامیاں ہیں۔ جیسی میری ممی ہیں۔ ویسے ہی ان کے جاننے والے ہیں۔ جو برائیاں میری ماں میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ویسی ہی اخلاقی برائیاں زیان میں پائی جاتی ہیں۔ وہ مرد ہے اس لیے کوئی کچھ نہیں کہتا۔ ممی عورت ہیں اسی لیے معتوب ٹھہرائی جاتی ہیں۔ پتا ہے حنا! ایک بات تو زندگی کے تلخ ترین تجربے سے معلوم ہوگئی کہ عورت اپنا عورت پن کھو کر دو کوڑی کی رہ جاتی ہے۔" اسے زیان کا حقیرانہ لہجہ یاد آیا تو نہ جانے کیوں آنکھیں نم سی ہوگئی تھیں۔ وہ ممی کے بارے میں کس قدر تنفر سے گفتگو کر رہا تھا۔ اسے زیان کے الفاظ سوچ کر ہی شرم آنے لگی تھی۔

"تمہاری نیچر بہت مختلف ہے عنوہ! ابھی بھی تو مجھے تم اس ماحول کا حصہ نہیں لگتیں۔ اس منظر میں قطعاً" ان فٹ۔" حنا گویا تمام بات سمجھ چکی تھی۔ ان کی دوستی یونیورسٹی کے دنوں سے تھی۔ حنا کو یہ خاموش خاموش بے حد سنجیدہ سی لڑکی بہت اچھی لگی تھی۔ جس کی آنکھوں میں نہ جانے کیوں اس قدر اداسی کے رنگ تھے۔ بہت ہی منفرد اور سلجھی سوچوں نے اس کی شخصیت کو مزید نکھار دیا تھا۔

"تمہیں نہیں لگتا حنا! کہ میں کبھی بھی کامیاب زندگی نہیں گزار سکتی۔"

"تم ایسا کیوں سوچتی ہو؟" حنا نے نرمی سے کہا۔ "تم ایک شاداں و فرحاں 'خوش و خرم اور پر مسرت زندگی گزارو گی۔"

"تمہیں پتا ہے کہ ایک مضبوط بیک گراؤنڈ عورت کے لیے کتنا بڑا تحفظ ہے۔" وہ پرسوچ انداز میں کہہ رہی تھی۔

"تمہارا خاندانی پس منظر کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔"

"یہی تو اصل دکھ ہے۔" عنوہ آزردگی سے مسکرائی۔

"جن لوگوں سے ساری زندگی کا تعلق قائم ہوتا ہو' وہ آپ کی زندگی کے کمزور ترین پہلوؤں کو جانتے ہوں تو زندگی ناسور بن جاتی ہے۔ وہ میرے بارے میں سب کچھ جانتا ہے کہ میری پوری زندگی کھلی کتاب کی مانند ہے۔ میرا کردار سب کے سامنے ہے۔ میں نے کبھی کسی کے ساتھ دھوکا نہیں کیا۔ کسی سے افیئر نہیں چلایا 'کسی کا دل نہیں دکھایا۔ میں مطمئن ہوں' میرا ضمیر مطمئن ہے۔ میرے لیے یہ فخر کا باعث ہے کہ میں ہر معاملے میں فیئر ہوں۔ مگر وہ میری ماں کے بارے میں بھی سب کچھ جانتا ہے۔ بعض ایسی شرمناک حقیقتیں جو میں خود سے بھی شیئر نہیں کرنا چاہتی 'اس کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ وہ میری ماں کے حوالے سے بھی زندگی میں بات کرے گا' مجھے جتائے گا تو میں کبھی بھی اس کے سامنے سر نہیں اٹھا پاؤں گی۔"

"اس نے تمہارے بارے میں سب کچھ جان کر ہی رشتہ استوار کیا ہے نا۔ تو پھر اگر وہ کبھی تمہیں جتائے گا' طعنے دے گا تو تم بھی حساب برابر کر دینا۔ تم کون سا اسے دھوکہ دے رہی ہو۔" حنا نے اس کے ذہن سے گرہیں کھولنا چاہی تھیں۔ وہ کافی دیر اسے سمجھاتی رہی جبکہ عنوہ بے دلی سے سن رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ ممی کے بے حد اصرار پر شاپنگ کرنے آئی تھی مگر دل اتنا گھبرایا کہ شاپنگ ادھوری چھوڑ کر حنا کی طرف آگئی۔ حنا گھر میں ہی تھی۔ عنوہ کو دیکھ کر کھل اٹھی۔

"بڑے بڑے لوگ کیسے راستہ بھول آئے ہیں؟" اس کا انداز مصنوعی حیرت لیے تھا۔

"فضول مت بولا کرو' میں تو انکل سے ملنے آئی

ہوں۔"

"افسوس انکل تو گھر میں نہیں۔ البتہ ان کی خوب صورت بیٹی موجود ہے اور آپ کو کمپنی دینے کے لیے تیار بھی۔" حنا مسکرائی۔

"مجبوری ہے۔" عنوہ کا انداز چڑانے والا تھا۔

"اب میں واپس تو جانے سے رہی۔" عنوہ مسکراتے ہوئے حنا کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ کچھ ہی دیر بعد حنا ٹرے میں فل سائز مگ رکھے اور کرسٹل کے باؤل میں گاجر کا گرم گرم حلوہ لے کر اندر آئی۔ اسے نہ جانے کن سوچوں میں گم پا کر اس کا حسن گیا تھا۔

"اتنی سوچ وبچار تو قائداعظم نے ملک بنانے کے لیے بھی نہیں کی ہوگی۔"

"وہ تو عظیم لوگ تھے بے حد جینئس 'انہیں سوچ وبچار کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی ہوگی۔" اس نے غائب دماغی سے جواب دیا تھا۔

"جینئس تو آپ کے وہ بھی بہت ہیں۔ سنا ہے بہت زیادہ مال اکٹھا کر رکھا ہے۔" حنا نے بیڈ پر اس کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میرے نزدیک مال و دولت کی کوئی حیثیت نہیں۔ میرے تجربے کے مطابق اصل روٹ آف کنٹینشن (فساد کی جڑ) یہی مال و دولت ہے۔ انسان دولت اور اقتدار کے نشے میں اپنا اصل بھول جاتا ہے۔ بعض ایسی اخلاقی برائیوں میں ملوث ہو جاتا ہے۔ جس کا مداوا کوئی اچھائی کر ہی نہیں سکتی۔" عنوہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"تمہارے تجربات بہت تلخ ہیں۔ اور تمہاری باتیں بہت خوب صورت' پتا ہے عنوہ! ہم لندن سے واپسی پر سعودیہ چلے گئے تھے۔ ابو کی خواہش تھی کہ عمرہ کر لیا جائے۔ جدہ میں میری ملاقات ایک خاتون سے ہوئی۔ تیس اٹھتیس سال عمر ہوگی ان کی 'اتنی شاندار گریس فل خاتون تھیں وہ مکمل پردہ کر رکھا تھا۔ ان کی باتیں روح میں اترنے والی تھیں۔ جی چاہ رہا تھا وہ بولتی رہیں اور میں سنتی رہوں وہ بھی اپنے والد کے ساتھ عمرہ کرنے آئی تھیں۔ انہوں نے مجھے اپنا ایڈریس بھی دیا تھا۔ مجھے یوں لگتا ہے تمہاری کچھ بے چینیوں کا ان کے پاس ضرور حل ہوگا۔ ہم ان سے ملنے جائیں گے 'دیکھنا تم اپنے اندر ایک نئی توانائی پاؤ گی۔" حنا نے اس کے ہاتھ تھپتھپائے۔

"میرے اندر بہت خالی پن ہے حنا! میرے محسوسات گویا برف کی طرح منجمد ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں ایک جما ہوا دریا کا گھاٹ ہوں۔ جس کے بدبودار پانی پر سالوں کی کائی جمی ہوئی ہے۔ ان فیکٹ! مجھے کسی شعلے کی ضرورت ہے۔ کوئی ایسی چنگاری جو آہستہ آہستہ میرے اندر کے آئسی واٹر (منجمد پانی) کو پگھلا دے۔" وہ بہت کرب سے کہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سنہرے پن میں سرخیاں سی تیرنے لگی تھیں۔

"شاپنگ کہاں تک ہوگئی ہے۔" حنا نے جان بوجھ کر موضوع بدل دیا تھا۔

"کون سی شاپنگ؟" عنوہ نے چونک کر حنا کی طرف دیکھا۔

"آپ کی شادی کی شاپنگ۔"

"ممی جانیں 'یہ ان کا ہیڈک ہے۔ ذرا سر درد۔" بے زاری سے بولی تھی۔

"زیان بھائی نے تمہیں شاپنگ کروادی ہے۔"

"کیا یہ ضروری ہوتا ہے؟" عنوہ نے حیرانی سے سوچا اور بولی۔

"وہ مجھے چیک دے رہا تھا۔ میں نے خود ہی نہیں لیا۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" حنا چلائی۔

"تم نے چیک واپس کر دیا۔"

"ہاں۔۔۔" اس نے فخریہ کہا۔

"مگر کیوں؟" اب کے حنا کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"مجھے اچھا نہیں لگا۔۔۔ میں نے چیک لینے سے انکار کر دیا۔ وہ مجھے بھی ممی کی طرح سمجھ رہا ہوگا لالچی اور خود غرض روپے پر جان دینے والی 'ممی کی ایک چیپ

www.pkdigest.com

حرکتیں مجھے اپنی ہی نظروں میں گرا دیتی ہیں۔" اس نے رنجیدگی سے کہا اور مزید بولی۔
"چیک دیتے ہوئے اس نے مجھے جتا دیا تھا کہ ممی اسے شاپنگ کے لیے مسلسل کہہ رہی ہیں۔"
"اب تو تمہارے زیان صاحب سے ملنا ہی پڑے گا۔" حنا نے فیصلہ کن انداز میں کہا تو عنوہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آگئی۔
"ملتے ہوئے خیال کرنا کہ محترم تمہیں دیکھ کر ریجھ نہ جائیں۔"
"ارے۔۔۔ یہ خوبی بھی پائی جاتی ہے۔" حنا چلائی۔
"ہر قسم کی خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ بقول شہزادہ عالم کے ہر اچھی شے کی تعریف کرنا اسے سراہنا ضروری سمجھتے ہیں۔" عنوہ کی نگاہوں کے سامنے زیان کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ اسٹائلش، ماڈرن اور لبرل خواتین کے جمگھٹے میں تفاخر سے کھڑا۔ انہی بے عقل عاقبت نااندیش عورتوں نے ہی تو اس کا دماغ خراب کر رکھا تھا۔
"کب تک آئیں گے جناب تمہارے گھر؟"
"ہفتے میں ایک دو چکر تو لگا ہی لیتے ہیں۔ ممی سے کچھ ڈسکشن کرنا ہوتی ہے۔ یار! مجھے تو یہ سب بھی ڈھکوسلہ معلوم ہوتا ہے۔ بھلا کوئی دیوالیہ ہوتی کمپنی کو سہارا دینے بڑھا ہے بغیر کسی خاص مقصد کے۔ اس نے کروڑوں روپے لگا دیے ہیں۔ فیکٹری کی تمام تر مشینری فارن سے منگوائی ہے۔ ملازمین کی تنخواہیں اپنے اکاؤنٹ سے دی ہیں۔ ایسے ہی تو ممی اس کا دم نہیں بھرتیں۔ بغیر فائدے کے تو انہوں نے کسی کو مخاطب نہیں کیا۔ مجھے تو اس کی کوئی چال معلوم ہوتی ہے۔" عنوہ پرسوچ انداز میں بولی تھی۔
"ارے کوئی چال وال نہیں ہے۔ لگتا ہے محترم تمہاری ان سنہری زلفوں میں دل الجھا بیٹھے ہیں۔ یہ تمام تر مہربانیاں اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔" حنا بہت دور کی کوڑی لائی تھی۔
"پتا نہیں۔" اس نے انجان پن کی انتہا کر دی۔ زیان کی شوخ نگاہیں، دلکش بھاری آواز اور بولنے کا اسٹائل وہ ایک دم ہی ڈسٹرب سی ہو گئی تھی۔
"ہم تو آپ کے عاشق ہیں، شیدائی ہیں فریفتہ ہیں۔" وہ اس کے کان کے قریب ہی تو بولا تھا۔ عنوہ نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔
"زیان بھائی یہاں موجود نہیں ہیں۔ آپ آرام سے انہیں سوچ سکتی ہیں۔" حنا گویا اس کے تاثرات سے محظوظ ہو رہی تھی۔
"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" عنوہ نے جھینپ کر کہا۔
"مہوت سب جانتے ہیں ہم۔" وہ مسکرائی۔
"دل میں تو لڈو پھوٹ رہے ہیں۔ بس اوپری دل سے ناراضی دکھائی ہو۔ بہرحال وہ مشہور زمانہ جملہ کہ حسن ہو تو نزاکت آہی جاتی ہے۔"
"کومت ایسی کوئی بات نہیں۔" عنوہ نے خفگی سے کہا۔
"کیسی بات؟" حنا نے آنکھیں نچائیں اور مزے سے بولی۔
"اچھا۔ اچھا محبت وحبت کی۔ مگر مجھے تو معاملہ گڑبڑ ہی لگتا ہے۔"
"اگر تنگ کرو گی تو میں چلی جاؤں گی۔" عنوہ نے دھمکایا۔
"کہاں۔۔۔؟" حنا کی شوخیاں عروج پر تھیں۔
"گھر۔"
"یہ تو اچھی بات ہے۔ سب بیٹیوں کو جلد یا بدیر اپنے گھروں میں جانا ہی ہوتا ہے۔ تم کون سا انوکھا کام کرو گی۔ یہ تو زیان بھائی پر تمہارا بہت بڑا احسان ہو گا۔" وہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔ عنوہ نے پاس پڑا کشن اسے دے مارا۔
"میں انکل سے بات کرتی ہوں کہ تمہارا ابھی کوئی بندوبست کریں۔ بیٹی اتاولی ہو رہی ہے اپنے گھر کو جانے کے لیے۔"
"بڑی مہربانی ہو گی۔ جلدی کرو بات۔" حنا نے منت بھرے انداز میں کہا۔
"تمہیں تو سچ مچ لندن کی ہوا لگ گئی ہے۔" عنوہ مصنوعی حیرت سے کہہ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"زیان ڈنر کے بعد آئے گا۔ تم ریڈی ہو جاؤ۔ ہر وقت الول جلول حلیے میں گھومتی رہتی ہو۔ نہ جانے اتنے ہینڈسم، جینٹل مین اور ویل ڈریسڈ بندے کو تم میں کیا نظر آگیا ہے۔" ممی اپنے مخصوص نخوت بھرے انداز میں کہہ رہی تھیں۔
"کاش کچھ نہ ہی نظر آتا۔" عنوہ نے جل کر سوچا۔ ممی کو دوبدو جواب دینے کی ہمت نہیں تھی۔ بہت چھوٹی عمر میں ہی ممی نے اس پر اپنے رعب و دبدبے کی ایسی دھاک بٹھائی تھی کہ آج تک وہ ان سے بااعتماد انداز میں گفتگو نہیں کر سکتی تھی۔
جب وہ چھوٹی تھی تب ممی اسے بہت مارا کرتی تھیں۔ خصوصاً جب وہ نشے میں ہوتیں تو اسے روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیتیں۔ اسے ممی سے بہت خوف آتا تھا۔ جب بھی وہ گھر میں موجود ہوتیں۔ عنوہ ادھر ادھر کونوں کھدروں میں چھپ جاتی۔
آخری مرتبہ ممی نے اسے اس وقت مارا تھا جب وہ اولیول کر رہی تھی۔ اتنی بڑی بچی کو نوکروں کے سامنے یوں بے دردی سے مارتے ہوئے انہیں قطعاً شرمندگی نہیں ہوئی تھی۔
ممی کے تحقیر بھرے رویوں نے اس کا اندر کا اعتماد چھین لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آج تک کسی سے بھی بے خوف ہو کر بات نہیں کر سکتی تھی۔
اس وقت بھی محض ممی کے ڈر اور خوف کی وجہ سے وہ کپڑے چینج کرنے اپنے روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔ مبادا انہیں پھر سے غصہ نہ آجائے اور وہ نوکروں کے سامنے اسے بے عزت نہ کر دیں۔
کپڑے چینج کرنے سے پہلے اس نے شاور لے لیا تھا۔ اسی لیے موڈ قدرے فریش ہو گیا تھا۔ بال ڈرائی کر کے اور انہیں ہیئر بینڈ میں جکڑ کر جب وہ نیچے آئی تو زیان آ چکا تھا۔ ممی اسے کافی پینے پر اصرار کر رہی تھیں مگر وہ مسلسل انکار کر رہا تھا۔
"مجھے چائے کافی پسند نہیں۔" اس کا دو ٹوک انداز ممی کو خاموش کروا گیا۔ پھر کچھ سوچ کر وہ شریر انداز میں بولی تھیں۔
"تمہارا فیورٹ ڈرنک منگواؤں۔"
"استغفراللہ۔۔۔" عنوہ حلق تک زہر زہر ہو گئی۔
"آج تک کسی ساس نے اپنے داماد کو اس قسم کی آفر نہیں کی ہو گی۔ نہ جانے یہ کیسی ماں تھیں۔" عنوہ کا رواں رواں سلگ اٹھا تھا۔ وہ بغیر کچھ بولے خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئی۔
"مجھے لگتا ہے آپ کی بیٹی کو کچھ ناگوار گزرا ہے۔ آپ ایسا کریں ڈرنک کی جگہ کولڈ ڈرنک پلا دیں۔ ہم کولڈ ہی رہیں تو اچھا ہے۔ ورنہ ڈرنک کے بعد دل کے بے ایمان ہونے کا خدشہ ہے۔" وہ بڑے جاندار انداز میں مسکرایا تھا۔ عنوہ کا جی چاہ رہا تھا اس کا منہ ہی نوچ ڈالے ممی یوں قہقہہ لگا کر ہنس رہی تھیں گویا اس نے لطیفہ سنایا ہو۔ وہ مخاطب ممی سے تھا۔ دیکھ اس کی طرف رہا تھا۔ عنوہ جزبز سی ہو گئی۔
"کیسے مزاج ہیں۔۔۔؟" اس کی آنکھوں میں شرارت تھی جبکہ چہرے پر سنجیدگی۔
"نہ بولنے کی قسم تو نہیں کھائی۔"
"آپ کے مزاج سے اچھے مزاج ہیں اور بول بھی آپ سے زیادہ اچھا لیتی ہوں۔"
"تو پھر بھی اپنی خوب صورت آواز میں گیت سنائیے نا۔" بڑے دلبرانہ اسٹائل میں فرمائش کی گئی تھی۔
"گالیاں نہ دوں تمہیں۔" اس نے دانت پیس کر دل ہی دل میں کہا۔
"پلیز بلند آواز میں کوسنے، بددعائیں، گالیاں جو کچھ دینا ہے ضرور دیجیے۔ آپ کی ممی جا چکی ہیں۔ اب قطعاً گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ وہ میرے سامنے کم از کم آپ کو کچھ نہیں کہیں گی خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ مسکرایا تھا مگر طنزیہ۔
"بہت ہی کمینہ ہے یہ۔" عنوہ دل ہی دل میں بولی۔ اسے یاد تھا ایک مرتبہ ممی نے اس کے سامنے بھی عنوہ کی بے عزتی کر ڈالی تھی۔ وہ کون سا لحاظ کرتی تھیں

www.pkdigest.com

کسی مہمان کی۔ جب دل چاہتا اپنی شائستگی کا چولا اتار پھینکتیں۔

"کیوں آئے ہو؟" کافی دیر سے نوک زبان پر مچلتا سوال اسے بے چین کر رہا تھا۔ وہ ممی کے اٹھنے کا ہی تو انتظار کر رہی تھی۔

"فرصت سے آیا ہوں' جواب بھی دوں گا مگر پہلے تمہیں جی بھر کر دیکھ تو لوں۔" اس نے اسی لب ولہجے میں کہا تھا۔ گویا وہ کوئی قیمتی ڈیکوریشن پیس تھی۔ جسے ہر لحاظ سے جانچا' پرکھا جا رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں ممی سے شاکی ہونے لگی۔

"کیا اس پوری دنیا میں یہی ملا تھا آپ کو میرے لیے۔"

"ہر ایک کو اپنے مقدر کا ملتا ہے۔" وہ گویا اس کے تمام تاثرات پڑھ رہا تھا۔

"کھانا تو آپ کھا کر آئے ہیں۔ چائے کافی پسند نہیں تو پھر کیا خدمت کی جائے آپ کی۔" وہ یہاں سے اٹھنے کا بہانہ چاہتی تھی۔

"کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔ آپ ناحق زحمت کریں گی۔ بس ہماری نگاہوں کے سامنے رہیں۔"

"بہت چالاک انسان ہے۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"جان گیا ہے کہ میں یہاں سے اٹھنے کا بہانہ ڈھونڈ رہی ہوں۔"

"تم اتنا بلند آواز میں نہ سوچا کرو۔" زبان نے سنجیدگی سے کہا۔ عنوہ گڑبڑا سی گئی تھی۔ اسی پل امبرین ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔ وہ کہیں جانے کے لیے بالکل ریڈی تھیں۔

"زبان ڈارلنگ! تم لوگ باتیں کرو۔ میں ذرا بیوٹی پارلر کی طرف جا رہی ہوں اوکے عنوہ ٹیک کیئر بائے بائے۔" وہ دروازے کی طرف پلٹیں۔

"اوف ۔۔۔ مجھے کم از کم ڈارلنگ مت کہا کریں۔" زبان نے پیچھے سے برجستہ کہا۔ امبرین نے مڑ کر دیکھا اور مسکرائیں۔

"کیوں بھلا ۔۔۔؟"

"جان نکال کر رکھ دیتی ہیں۔ مائی گاڈ' ڈارلنگ ۔۔۔ جانو' سویٹی ۔۔۔ ویری چیپ ورڈز۔" اس کے چہرے سے ناگواری اور آنکھوں میں شرارت تھی۔ وہ سمجھ کر مسکرائیں اور دروازے کی طرف پلٹتے ہوئے بولیں۔

"اسے تنگ مت کرنا۔" ان کا اشارہ عنوہ کی طرف تھا۔

"کسے؟" وہ جان کر انجان بنا۔

"اوہ ۔۔۔ اچھا یہ جو چینا ہے۔ یعنی چینی کی بنی ہوئی۔" وہ سمجھ کر سر ہلانے لگا تھا۔

"ویسے تم ان خاتون کی بیٹی تو نہیں لگتیں۔ کہیں انہوں نے تمہیں ایڈاپٹ تو نہیں کیا؟" امبرین کے جانے کے بعد زبان حیرانی سے پوچھ رہا تھا۔

"جی نہیں یہ میری اصلی والی ممی ہیں۔" عنوہ نے ناگواری سے کہا۔

"کاش کرنہ ہی ہوتیں۔ ایسی ماں سے تو میں بن ماں کے ہی بھلی تھی حنا کی طرح۔ اس کے ابو کتنے اچھے ہیں۔ جان دیتے ہیں اس پر۔ میرے پاپا بھی ہوتے تو مجھے کس قدر پیار کرتے۔" وہ آزردگی سے سوچ رہی تھی۔ زبان نے پینٹ کی جیب میں سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکالا۔ وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو ممی اتنی ناپسند تھیں تو ان کی بیٹی سے رشتہ کیوں جوڑا۔" عنوہ بہت مرتبہ اس پہلو پر غور کر چکی تھی۔ آج سوچا پوچھ ہی لے۔

"ممی ناپسند ہیں ان کی بیٹی نہیں۔ تم تو دل و جان سے عزیز ہو۔ خوب صورت' حسین' مشفق' رحمدل ۔۔۔ تم تو پھلدار شاخ ہو' ہری بھری' لچکیلی۔" عنوہ تو پوچھ کر پچھتائی تھی۔

"ایسے تو تم پر دل نہیں ہار بیٹھے۔" اس نے سگریٹ کو شعلہ دکھایا اور بڑی فرصت سے اس کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھنے لگا۔

"پچھلے دو سالوں سے قسمت مہربان رہی ہے۔ اچھے اور سچے' قیمتی اور نادر و نایاب ڈائمنڈ ملے ہیں۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"ایک وقت تھا جب دنیا سے نفرت ہو گئی تھی۔ عورت سے نفرت ہو گئی تھی۔"

"یہ نفرت پسندیدگی میں کیسے بدلی۔" زبان ایک دم چونکا' ٹھٹکا اور پھر سر جھٹک کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔

"یہ بھی ایک الگ قصہ ہے۔ جان جاؤ گی' اتنی جلدی بھی کیا ہے۔"

"آپ جائیں گے کب؟" عنوہ اسے ریلیکس انداز میں سوچوں میں گم دیکھ کر بولی تھی۔

"کہاں۔"

"گھر ۔۔۔ اور کہاں۔" عنوہ نے جتا کر کہا۔

"یہ بھی تو گھر ہی ہے۔" وہ لاپروائی سے بولا تھا۔

"میں آپ کے ہوم سویٹ ہوم کی بات کر رہی ہوں۔"

"جانم! یہ بھی سویٹ ہوم ہے۔" وہ سرخ آنکھوں کو انگلیوں کی پوروں سے دبا کر کہہ رہا تھا۔

"مگر یہ ہمارا گھر ہے۔" عنوہ جھنجلا سی گئی تھی۔ وہ اسے جلد از جلد فارغ کرنا چاہتی تھی مگر محترم جان بوجھ کر انجان بن رہے تھے۔

"اب نہیں ہے۔" اس نے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھے اور بڑی فرصت سے اس کے تاثرات کا جائزہ لینے لگا۔

"کیا مطلب؟" کسی انجانے خدشے کے تحت اس کا دل دھڑک اٹھا تھا۔

"مطلب ۔۔۔ مطلبی لوگوں سے پوچھا کریں یعنی اپنی ممی سے۔ ہم تو بڑے دیالو ہیں۔ شاہ خرچ' بادشاہ۔" وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا تھا۔

"میری سری چیا! کیوں اپنے ننھے منے چھوٹے سے دماغ پر اتنا زور ڈال رہی ہو۔ بتا دیتا ہوں۔ سب کچھ بتا دیتا ہوں۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں زبان صاحب!" عنوہ نے غصے سے کہا۔

"زبان صاحب۔" اس نے اچنبھے سے عنوہ کی طرف دیکھا اور گویا خوب محظوظ ہوا۔

"نہ ۔۔۔ نہ اتنے پیار سے مت بلاؤ کہیں ہارٹ فیل نہ ہو جائے۔ میرا ابھی اس دنیا سے جانے کا ارادہ نہیں۔ ابھی تو میں نے جینا ہے تمہارے سنگ' اپنے بچوں کے سنگ اور ان محترمہ کے ہمراہ۔" وہ موبائل کی بجتی فون کو سن کر اسکرین پر جگمگاتا نام دیکھ کر مسکرایا اور پھر سنجیدگی سے فون سننے لگا۔

"کہا تو ہے میرے آنے جانے کا حساب نہ رکھا کرو' آئندہ فون مت کرنا۔" اس نے دو لفظوں میں بات سمیٹی اور قدرے گم صم سی عنوہ کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

"زندہ ہیں یا گزر چکی ہیں۔" وہ گڑبڑا کر سیدھی ہو گئی تھی اور پھر الجھ کر پوچھنے لگی۔

"میں نے آپ سے کچھ پوچھا ہے؟"

"تمہاری ممی یہ گھر فروخت کر چکی ہیں۔"

"کب؟ کیوں؟" عنوہ کی آنکھوں کے سامنے چند پل کے لیے اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ وہ لرزتی آواز میں بولی۔

"ایک سال سے کچھ زیادہ کا عرصہ ہو گیا ہے اور کیوں بکا ہے تو یہ وجہ تم اپنی ممی کے منہ سے سننا۔ شاید میں بتاؤں تو تمہیں تکلیف ہو گی۔" وہ کہتے ہوئے چابیاں' موبائل اٹھا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ عنوہ بھی غائب دماغی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ زبان نے اس کی متغیر رنگت دیکھی تو دو قدم کا فاصلہ سمیٹ کر قریب آ گیا۔

"تم پریشان کیوں ہو رہی ہو؟ تمہارے پاس آل ریڈی دو دو گھر موجود ہیں۔ اسے بھی اپنا ہی سمجھنا۔ حق مہر میں لکھ دیا تھا میں نے۔"

"میں کچھ سمجھی نہیں؟"

"یہی تو اصل خوشی کا مقام ہے کہ تم بہت انوسینٹ ہو لگتا ہی نہیں کہ یورپ سے اسٹڈیز کمپلیٹ کی ہے۔ شکر ہے اپنی ممی کی طرح چالاکی اور ہوشیاری سے بہت دور ہو ورنہ میرے لیے پرابلم ہو جاتی۔ میں خود کو بہت ہی عقلمند' دانشمند' فہم و فراست والا سمجھتا ہوں۔ تم بہت منور اور تابناک ہو اسی لیے تو تمہیں میری نگاہ نے پرکھ لیا تھا۔" وہ آہستگی سے اس کے گال کو تھپتھپا کر بولا۔ عنوہ شاک کے عالم میں کھڑی تھی

www.pkdigest.com

ورنہ ضرور اس کی حرکت کا نوٹس لیتی۔

"ممی نے یہ گھر کسے فروخت کیا ہے؟"

"تمہارے ہزبینڈ کو۔۔۔" وہ مسکرایا اور پھر اس کے بالوں کی لٹ کو زور سے کھینچا اور پھر چھوڑ کر پلٹتے ہوئے بولا۔ عنوہ پہلے تو کچھ بھی نہیں سمجھی تھی مگر جب بات سمجھ میں آئی تو وہ جا چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ممی! آپ یہ گھر بیچ چکی ہیں؟"

"تمہیں کس نے بتایا۔" امبرین نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

"زیان نے۔" اس نے بھی جھوٹ بولنا مناسب نہیں سمجھا تھا امبرین کچھ پل کے لیے سوچتی رہ گئیں۔

"ممی! زیان جھوٹ بول رہا تھا۔" وہ کتنے یقین بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"نہیں۔" ان کا جواب کم از کم عنوہ کی توقع کے خلاف تھا۔ چند پل کے لیے وہ بالکل خاموش رہ گئی تھی۔

"ہم کہاں جائیں گے امی!" وہ لرزتی آواز میں بولی۔

"تمہاری شادی اسی لیے تو کر رہی ہوں ڈفر! تم زیان کے ساتھ چلی جاؤ گی تو میری تمام پرابلم سولو ہو جائیں گی۔" امبرین نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

"تو پھر آپ کہاں جائیں گی۔" وہ الجھی۔

"یہ تمہارا مسئلہ نہیں۔" امبرین نے لاپروائی سے کہا۔

"تمہیں زیان کے ساتھ رخصت کر کے میں نے فرانس سیٹل ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"اور فیکٹری۔۔۔" وہ ہکلا کر خاموش ہو گئی تھی۔ ممی کا انداز ہی اتنا دو ٹوک تھا۔

"وہ بھی زیان خرید چکا ہے۔ تم بہت لکی ہو عنوہ! اتنا شاندار لائف پارٹنر' ایک پر گلوری لائف' مالدار' رئیس اور چاہنے والا۔" امبرین نے بھرپور انداز میں کہا تھا۔

"آپ نے مجھے بتانا گوارا نہیں کیا۔"

"تمہیں بتانا ضروری نہیں سمجھا میں نے۔" امبرین نے لاپروائی سے کہا اور مزید بولیں۔

"اس فضول بحث کو سمیٹو اور ہاں تمہاری شاپنگ ہو گئی ہے یا پھر کچھ رہتا ہے خریدنے والا۔ دن کتنے رہ گئے ہیں' تمہیں کچھ تو خیال کرنا چاہیے۔ کم از کم اپنا برائیڈل ڈریس ہی دیکھ آتیں۔ اتنا زبردست ڈیزائن دیا ہے میں نے اور ہاں پارلر سے بھی ٹائم لے چکی ہوں میں' کل سے جانا شروع کر دو' نہیں بلکہ ابھی سے جاؤ۔۔۔ ویسے تمہیں ان مصنوعی سہاروں کی ضرورت نہیں۔ وہ تمہاری فرینڈ کیا نام ہے اس کا۔۔۔ ہاں یاد آیا حنا' اسے بھی ساتھ لے جاناؤ کے مزید مجھے کچھ سمجھانا نہ پڑے' اب جاؤ بھی منہ کیا دیکھ رہی ہو میرا۔"

وہ بے دلی سے چیئر گھسیٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ پہلے سوچا حنا کو ساتھ لیتی جائے مگر دل اس قدر برا ہو رہا تھا۔ وہ اکیلی ہی چلی گئی۔ پارلر میں چار پانچ گھنٹے برباد کرنے کے بعد وہ ممی کی ہدایت کے مطابق بوتیک میں آ گئی تھی۔ سرسری سا برائیڈل ڈریس دیکھ کر جوں ہی وہ روڈ کراس کر کے گاڑی تک آئی کہ ایک دم ہی ٹھٹک کر رک گئی۔ زیان کی گاڑی اس کے قریب سے گزر گئی تھی۔ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی شخصیت کو دیکھ کر چونکی تھی۔ زیان کے ساتھ ایک خوب صورت لڑکی۔

"نہ جانے کون ہے؟" وہ سوچتے ہوئے گاڑی کو اسٹارٹ کرنے لگی تھی۔

"ہو گی کوئی کولیگ یا فرینڈ۔" اس نے لاپروائی سے سوچا اور پھر گھر آنے کی بجائے حنا کی طرف آ گئی۔

"ارے چندا! کیا خوب لشکارے مار رہی ہو۔" حنا اسے دیکھتے ہی چلائی تھی۔

"بیوٹیشن کا کمال ہے؟"

"جی نہیں' تم ہو ہی خوب صورت بلکہ حسین تر۔" حنا نے اس کی سنہری آنکھوں میں جھانکا۔

"اتنی تعریفوں کی ضرورت نہیں۔"

"ہاں بھئی ہماری تعریف کا بھلا کیا مزا' اصل لطف تو تب آئے گا جب سرتاج جی حسن و آتش کے

قصیدے پڑھیں گے۔" حنا مسکرائی۔

"بکواس نہیں کرو۔" عنوہ نے جھینپ کر کہا۔ گالوں پر گلاب کھل اٹھے تھے۔

"ویسے زیان بھائی تو تمہارے حسن کے جلوے سے ہی دم بخود ہو جائیں گے۔"

"بکومت' یہ بتاؤ انکل کی طبیعت کیسی ہے۔" عنوہ نے ادھر ادھر نگاہ دوڑا کر موضوع بدلا۔

"ہاں' ابو اب ٹھیک ہیں۔ ویسے تمہارے لیے بھی ایک نئی خبر موجود ہے۔" حنا نے جان کر تجسس پھیلانا چاہا۔

"کون سی خبر؟"

"یہ دیکھو۔" وہ اپنے دائیں ہاتھ کو اس کے سامنے لہرا کر بولی تھی۔

"رنگ ہے' کہاں سے لی۔۔۔ یا کسی نے دی' ویسے ہے خوب صورت۔"

"بالکل ہی احمق ہو بلکہ بدھو۔۔۔ کہاں سے لی' یا کسی نے دی؟" حنا نے اس کی نقل اتاری۔

"ویسے دی تو کسی نے ہے مگر ہے خاص رنگ کی۔"

"کیا خصوصیت پائی جاتی ہے اس میں۔" عنوہ حیرانی سے بولی۔

"یہ انگیجمنٹ رنگ ہے۔" حنا کھلکھلائی۔

"تم نے چوری چوری منگنی کروالی ہے۔" اس نے چیخ کر کہا۔

"ہاں' جس طرح تم نے چپکے چپکے نکاح کروا لیا تھا۔"

"کون ہے؟"

"پھپھو کا بیٹا ہے' عمر نام ہے اور جناب وکیل ہوتے ہیں۔" حنا نے ایک ہی سانس میں تمام جواب دے دیے تھے بار بار کی زحمت سے بچنے کے لیے۔

"تمہیں پسند ہیں؟"

"ہوں۔" اس نے قدرے شرما کر کہا تو وہ اس کی ایکٹنگ دیکھ کر مسکرا دی۔

"اللہ تمہیں خوش رکھے۔"

"اور تمہیں بھی۔" حنا نے صدق دل سے کہا۔

"ہاں' حنا! مجھے دعاؤں کی بہت ضرورت ہے۔ کیونکہ میرے لیے دعا کرنے والے ہاتھ نہیں ہیں۔" اس کی پلکیں نم ہو گئی تھیں۔ حنا نے اس کے گال کو چھوا اور بولی۔

"میں شادی سے دو دن پہلے آ جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے ڈرائیور تمہیں لینے کے لیے آ جائے گا۔ اب میں چلتی ہوں۔"

"ارے' چائے تو پی لو۔" حنا چلائی عنوہ نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا البتہ قدرے بلند آواز میں بولی تھی۔

"چائے نہیں اب پر تکلف ڈنر کریں گے۔"

"وائے ناٹ' جیجا جی کے ہمراہ ضرور آنا۔" جواباً حنا نے بھی چیخ کر کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس کی ماں روایتی عورت نہیں تھی مگر شادی بالکل روایتی انداز میں کر رہی تھی۔ مایوں مہندی کے بھرپور فنکشن۔۔۔ بارات کی ارینجمنٹ ہوٹل میں تھی۔ وہ اپنا فرض بہت اچھے طریقے سے نباہ رہی تھیں۔ اس کی شادی کے بعد ممی نے ہمیشہ کے لیے فرانس چلے جانا تھا۔ انہوں نے بہت دور تک کی پلاننگ کر رکھی تھی۔

حنا اسے پارلر سے گھر لے آئی تھی۔ پھر انہوں نے یہیں سے ہوٹل روانہ ہونا تھا۔ وہ ریڈ کلر کے لہنگے میں نفاست سے کیے گئے میک اپ اور خوب صورت جیولری میں نظر لگ جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔

"یار! قیامت لگ رہی ہو۔" حنا نے کوئی بیسویں مرتبہ جھک کر اس کے کان میں کہا تھا۔

"حنا! ایک گلاس پانی تو لا دو۔" عنوہ نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"ارے' تم تو کانپ رہی ہو۔" حنا فکرمند سی ہوئی۔

"کیا گھبراہٹ ہو رہی ہے۔"

"ہاں۔۔۔ دل گھبرا رہا ہے۔" اس نے اثبات میں سر

www.pkdigest.com

بلا دیا۔

"میں تمہارے لیے جوس لاتی ہوں۔" حنا کچھ دیر بعد دوبارہ آئی تھی جوس کے گلاس سمیت۔

"جلدی جلدی پیو آنٹی کا فون آگیا ہے۔" حنا نے گلاس اس کے لبوں سے لگایا۔ جانے کا سن کر عنوہ کی پیاس ہی ختم ہو گئی تھی۔ لہٰذا اس نے بمشکل دو تین سپ لے کر گلاس رکھ دیا۔

آتے لوگوں کے درمیان مرکز نگاہ بن کر بیٹھنے کا سوچ کر ہی اسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔

"ممی ٹھیک ہی کہتی ہیں۔ مجھ میں کانفیڈنس کی کمی ہے۔" اس نے گویا اس پل اپنی خامی کو تسلیم کر لیا تھا۔

ممی پورے فنکشن کے دوران مہمان داری ہی نبھاتی رہی تھیں۔ عنوہ کا اس پل دل چاہ رہا تھا کم از کم دس منٹ کے لیے ہی سہی ممی اس کے پاس آکر بیٹھتیں۔ مگر اس کی ماں کے پاس اس کے لیے دس منٹ بھی نہیں تھے۔

حنا کی شوخیاں عروج پر تھیں۔

"جہاں لوٹ لیا ہے تو نے عنوہ! اتنا حسین دولہا۔"

ڈنر کے کچھ ہی دیر بعد رخصتی کا شور اٹھ گیا۔ ممی کی فرینڈز ان کی بیٹیاں اس کے اردگرد تھیں۔

وہ بھی تو عام سی لڑکی تھی۔ کچھ خواب اس کی آنکھوں میں بھی آن بسے تھے۔ آنکھیں تو شروع سے ہی خواب دیکھنے کی عادی ہوتی ہیں۔ اپنے والدین کے لیے بہن بھائیوں کے لیے سوچنا کس قدر اچھا لگتا ہے...... پھر فیوچر کے متعلق پلاننگ' زندگی کے ساتھی کے بارے میں سوچنا۔

یہ ایک نازک مرحلہ تھا۔ ایک بیٹی کا اپنے والدین سے بچھڑنا' دوستوں سے' سہیلیوں سے۔ اس کی ترجیحات بدل جاتی ہیں۔ خواہشات بدل جاتی ہیں۔ اس کا نرم دل اس وقت بہت سے غموں کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔ اس کی حسرتیں سسک رہی تھیں۔

اس کے پاس کوئی بھی رشتہ مکمل شکل میں نہیں تھا۔ نہ باپ' نہ بھائی' نہ کوئی کزن...... فقط ایک ماں تھی وہ بھی ادھوری۔

اس کے کانوں میں ممی کی شوخ آواز کھنکتی ہنسی کی بارود کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔ جو کیفیات اس وقت وہ محسوس کر رہی تھی ممی ان سے کوسوں دور تھیں۔

انہیں اس کی جدائی کا کوئی دکھ نہیں تھا۔ کیونکہ انہوں نے دکھ کو کسی بھی روپ میں دیکھا نہیں تھا۔

وہ بہت بے حس عورت تھیں۔ عنوہ نے آخری مرتبہ ممی کے متعلق سوچا اور پھر سر جھٹک کر آنسو پونچھنے کی کوشش کرنے لگی۔

گاڑی ایک وسیع و عریض محل نما کوٹھی کے آگے رک چکی تھی۔ نہ جانے کون لڑکیاں تھیں جنہوں نے اسے تھام کر گاڑی سے باہر نکالا تھا۔ شاید کزن تھیں یا پھر فرینڈز وہ اسے تھام کر کمرے تک پہنچا گئی تھیں۔

کچھ ہی دیر بعد ایک ملازمہ ٹائپ عورت آگئی۔ شکل سے وہ ملازمہ نہیں لگتی تھی اور لہجے سے تو بالکل بھی نہیں۔

"میڈم! جوس لیں گی یا پھر دودھ لاؤں...... چائے بھی بن سکتی ہے...... جو آپ چاہیں۔"

"فی الحال مجھے کچھ بھی نہیں۔" چائے کی طلب ضرور ہو رہی تھی مگر عنوہ نے انکار کر دیا۔

بیڈ روم بہت نفاست سے سجا تھا۔ یعنی فرنیچر بہت شاندار تھا۔ البتہ ایک چیز اس نے نوٹ کی تھی کہ کسی بھی قسم کی آرائش نہیں کی گئی تھی۔ نہ پھول' نہ کلیاں' وہی ملازمہ ایک مرتبہ پھر آگئی تھی۔

"میڈم! سر ناراض ہو رہے ہیں...... آپ پلیز بتائیں کہ کیا لاؤں آپ کے لیے' چائے ود اسنیکس۔" وہ گھبرائی گھبرائی سی بول رہی تھی۔

"کھانا موڈ نہیں ہے۔" عنوہ نے جھنجلا کر کہا۔

"مگر میڈم! سر غصہ کریں گے۔"

"آپ کہہ دیجیے میں نے منع کیا ہے۔" عنوہ نے نرمی سے کہا تھا۔

"یس میڈم! آپ کی بات ٹھیک ہے مگر صاحب کا حکم اپنی جگہ...... میں آپ کے لیے چائے لے آتی ہوں۔" اس نے خود ہی فیصلہ کر لیا تھا۔ اب اجازت

طلب نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آپ یہاں کام کرتی ہیں؟" عنوہ نے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"جیسے کمپنی کا ایم ڈی ہوتا ہے یا پھر ایڈمنسٹریٹر۔ اسی طرح مجھے بھی تمام ملازمین کی ایم ڈی سمجھ لیں یا پھر باس سمجھیں۔" وہ شائستگی سے کہہ رہی تھی۔

"آپ کا نام......؟"

"مس نمی کہتے ہیں سب۔" وہ فرماں برداری سے بولی۔

"اجازت ہے؟" عنوہ کو کچھ سوچتے پا کر اس نے آہستگی سے پوچھا تھا۔

"یس۔ آپ جا سکتی ہیں۔"

"تھینک یو میڈم۔" مس نمی کے جانے کے بعد عنوہ نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگالی تھی۔ اور ایک مرتبہ پھر اپنی پچھلی زندگی کو سوچنے لگی۔

"کیا فائدہ زبان کے ساتھ اتنی تلخ کلامیوں کا۔ ہوا تو وہی ہے جو ممی نے چاہا یا پھر زبان نے۔"

نہ جانے کب تک وہ سوچوں میں گم رہتی۔ چونکی تو تب جب وہ بالکل اس کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔ اس نے آرام دہ نائٹ سوٹ پہن رکھا تھا۔

"تم نے ابھی چینج نہیں کیا؟" وہ حیرانی سے پوچھ رہا تھا۔

"نن نہیں تو۔" عنوہ ہکلا سی گئی تھی۔ وہ تو اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ایسے ہی تو ہوتا ہے۔ اسی طرح تو ہوتا ہے۔

"اوکے' پھر چینج کر لو...... میں ابھی آتا ہوں' پھر آرام سے بات کریں گے۔" وہ نرمی سے کہتا ہوا کھڑا ہو گیا تھا۔ پھر اس نے صوفے پر رکھا موبائل اٹھایا اور باہر نکل گیا۔ عنوہ ابھی تک حیران پریشان سی بیٹھی تھی۔

"اسے کیا ہوا ہے؟ اس نے ایسا بی ہیو کیوں کیا؟" وہ مسلسل خود سے الجھ رہی تھی۔

"کمال ہے' مجھے بھی اتنا وزن لاد کر بیٹھنے کا کوئی شوق نہیں۔" عنوہ زیر لب بڑبڑائی اور پھر کھڑی ہو گئی۔

ڈریسنگ روم سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد جب وہ فارغ ہو کر نکلی تو مس نمی چائے رکھ کر جا چکی تھیں۔

اس نے آرام سے بیڈ پر بیٹھ کر چائے پی پھر اپنے لمبے گھنے سنہری بالوں کو سلجھانے لگی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ خوب اچھی طرح کمبل پھیلا کر لیٹ گئی تھی۔ نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ نیند میں ہی اسے محسوس ہوا تھا کہ کوئی اس کے گال کو تھپتھپا کر جگانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے مندی مندی آنکھیں کھولیں اور پھر دوسرے ہی پل ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ زبان اس کے اوپر جھکا تھا۔ اسے اٹھتا دیکھ کر سیدھا ہو گیا۔

"تھینکس گاڈ!" وہ مسکرایا۔

"میں نے تمہیں چینج کرنے کے لیے کہا تھا سونے کے لیے نہیں۔" اس کی آنکھیں نہ جانے کس جذبے کے تحت جگمگا رہی تھیں۔ عنوہ کو کچی نیند میں جگانے پر بے حد غصہ آیا۔

"کیوں جگایا ہے مجھے؟"

"کیا تم نہیں جانتیں؟" وہ سوالیہ انداز میں بڑی معنی خیزی سے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔" عنوہ پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

"تم سے ایک بات کرنی تھی۔" زبان بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے بولا تھا۔

"صبح نہیں کر سکتے تھے۔" عنوہ کو بے حد غصہ آیا۔

"نہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"کیا بات ہے؟" عنوہ ٹھٹک سی گئی تھی۔

"وہ ایکچوئلی تمہیں بتانا تھا کہ آج تم بہت حسین لگ رہی تھیں۔" اس کی آنکھوں میں ناچتی شرارت اور بدلے بدلے انداز ملاحظہ کر کے وہ قدرے گڑبڑا سی گئی تھی۔

"مجھے پتا ہے کہ میں بہت اچھی لگ رہی تھی' آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں۔" عنوہ کا انداز ہنوز وہی تھا روکھا روکھا سا۔

"کیوں نہیں جانم! آپ کے حسن کو خراج تحسین پیش کرنا ہمارا فرض بنتا ہے۔" اس نے دونوں بازو اس

www.pkdigest.com

کی کمر کے گرد حائل کر کے زور کا جھٹکا دیا تھا۔ عنوہ نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔ وہ مزاحمت کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

☆ ☆ ☆

ولیمہ بھی بہت شاندار ہوا تھا۔ ممی آج بے حد خوش تھیں۔ بار بار اس کے رخسار چومتیں۔ رسم کے مطابق اسے ممی کے ساتھ جانا تھا مگر ممی کے نزدیک ایسی فضول رسموں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ حنا بھی خوب چہک رہی تھی۔ ہوٹل سے فارغ ہو کر اس کے ساتھ گھر آئی۔ میک اپ صاف کروانے میں ہیلپ کرتی رہی۔ پھر اس نے چینج کیا' اسی اثنا میں مسی نئی چائے لے آئی تھیں۔ حنا نے چائے پی' مسی نئی کو تھینکس بولا اور پھر دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔

عنوہ بھی دن بھر کی تھکی ہوئی تھی لہٰذا جلد ہی سو گئی۔ صبح اس کی آنکھ کھلی تو خود کو کمرے میں تنہا پایا۔

فریش ہونے کے بعد ابھی وہ بال سلجھا رہی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے بے حد خوب صورت کانچ سی لڑکی کھڑی تھی۔ عنوہ سامنے سے ہٹ گئی۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ بڑی شائستگی سے پوچھ رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں آپ کی تعریف؟" اس نے کچھ الجھ کر پوچھا تھا۔ کیونکہ لڑکی کے انداز مالکانہ تھے۔ وہ آرام سے بیڈ پر بیٹھ رہی تھی۔

"بتا رہی ہوں' اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" اس کا لہجہ نرم تھا۔ اور الفاظ بھی سادہ۔

"بہت خوب صورت ہیں آپ' بلکہ خوب صورت تو لفظ بہت چھوٹا ہے۔" اس کی آنکھوں میں ستائش تھی۔

"آپ کون ہیں؟" عنوہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"اس بیڈ کو آپ کے ساتھ شیئر کرنے والی۔"

"میں سمجھی نہیں۔" عنوہ نے حیرت سے کہا اس کا دل کسی انہونی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بیک وقت خوف' پریشانی' حیرانی اور الجھن کے رنگ جھلک رہے تھے۔

"میں زیان کی بیوی ہوں۔"

"کیا....؟" عنوہ کے اردگرد گویا بم بلاسٹ ہوا تھا۔ ہر شے گویا تہس نہس ہو گئی۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے بیڈ پر بیٹھی اس لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

تنگ گلی کا موڑ مڑتے ہی اس کا دل گویا اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ اشرف دوکاندار کی دوکان کے سامنے رکھی بڑی سی لکڑی کی بدرنگ میز پر بیٹھا رؤف چاچا سرعت سے اس کی طرف آیا تھا۔ زروہ کا دل زور زور سے پسلیوں میں دھڑکنے لگا۔

"دیا تھا میرا پیغام اپنی ماں کو۔" چاچا اپنی مونچھوں کو بل دیتے انتہائی غلیظ نگاہوں سے دیکھتا اس پل زروہ کو زہر سے بھی برا لگا تھا۔

"چاچا دو تین دن تک تنخواہ مل جائے گی تو دے دوں گی کرایہ۔" زروہ نے زہر کا گھونٹ بھر کر دھیمی آواز میں کہا تھا۔

لفظ چاچا سن کر رؤف چاچا یوں اچھلا گویا کرنٹ لگا ہو۔ سیاہ رنگت مزید سیاہ ہو گئی اور چوڑے ماتھے پر سلوٹیں بھی نمودار ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

"پچھلے چار روز سے یہی تکرار سن رہا ہوں۔ مزید ایک دن بھی اور نہ ہو۔ آج شام تک کرایہ مل جانا چاہیے.... سنا تم نے۔"

"ٹھیک ہے چاچا! کوشش کروں گی کہ ایڈوانس تنخواہ مل جائے۔" اس نے لرزیدہ آواز میں کہا تھا۔

"میں کل تک انتظار نہیں کر سکتا۔ شام تک کرایہ مل جانا چاہیے ورنہ۔" رؤف چاچا نے آنکھیں ماتھے پر رکھ لی تھیں۔

"جہنم میں جاؤ بے غیرت۔" وہ جان گئی تھی کہ چاچا آنکھیں سینکنے کی غرض سے بات کو طول دے رہا ہے۔

دکھ کی انتہائی کیفیات پر انسان کے اعصاب مفلوج ہو جاتے ہیں۔ وہ بھی ایسے ہی عظیم نقصان سے دوچار حیرت سے بت بنی اسے دیکھ رہی تھی۔ حیرت' دکھ اور صدمے نے اسے بالکل نڈھال کر دیا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا گویا زمانوں کی تھکن نے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اس نے زیان کی ہر زیادتی کو معاف کر دیا تھا۔ اس کی ذات میں بچھی دراڑیں تھیں سب قبول کر لیں۔ وہ اس عزم کے ساتھ اس کی زندگی میں شامل ہوئی تھی کہ وہ اس کی شخصیت کی کمزوریاں ختم کر دے گی۔ اس کی دیوانگی اور عشق نے عنوہ کے تمام اندرونی زہریلے احساسات کو مٹا دیا تھا۔ وہ زیان کی محبت اور جنوں کو جان کر خود کو مکمل طور پر سرنگوں کر چکی تھی۔

صرف محبت کے دھوکے میں اس نے اتنا بڑا پہاڑ جتنا غم اٹھا لیا تھا۔ ایک ایسا شخص جس میں تمام اخلاقی برائیاں موجود تھیں اسے صرف عشق کے دھوکے میں وہ قبول کر چکی تھی۔ اس عظیم دھوکہ دہی نے اسے سر سے پاؤں تک جھلسا دیا تھا۔ ماسٹر بیڈ روم کے در و دیوار اس پر ہنس رہے تھے۔ مذاق اڑا رہے تھے۔ قہقہے لگا رہے تھے کہ اسے بے وقوف بنایا گیا۔ اس کی آنکھوں میں دھول جھونک دی گئی تھی۔

"سیکنڈ چوائس۔"

"سیکنڈ وائف۔"

ان آوازوں نے اسے توڑ ڈالا تھا۔ وہ بھربھری مٹی کا ڈھیر بن گئی تھی۔ عزت نفس کس مقام پر آ کے مجروح ہوئی تھی۔ جی چاہ رہا تھا اس کمرے کی ہر شے کو تہس نہس کر دے۔ اس لڑکی کے خوب صورت چہرے کو بگاڑ دے یا پھر خود کو ہی شوٹ کر لے۔

"مجھے اندازہ ہے کہ آپ کو بہت دکھ پہنچا ہے۔" اس کی شرمندہ سی دبی دبی آواز عنوہ کو اپنے حواسوں میں لے آئی تھی۔

"دکھ۔" عنوہ نے ٹوٹے لہجے میں کہا۔

"مجھے صرف دکھ نہیں پہنچا' میری پوری ہستی کو فنا کر دیا گیا ہے۔ میری ذات کا مان' خودی اور انا کو بڑی بھاری ضرب لگی ہے۔"

"آپ کو زیان نے نہیں بتایا تھا؟" وہ بڑی رنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

"اونہہ.... اگر بتاتا تو میں یہاں ہوتی۔" وہ زہر خند ہوئی۔ لڑکی ایکدم گھبرا گئی تھی۔ اس کی رنگت بھی متغیر ہوئی۔ آنکھوں میں پریشانی کے سائے نمی بن کر جھلکنے لگے تھے۔ وہ سر سے پاؤں تک کانپ گئی تھی۔

عنوہ اسے دیکھ کر کچھ حیران سی ہو گئی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"مم.... میری بات سنیں۔" وہ اس کے قدرے قریب آ کر سرگوشیانہ بولی۔ عنوہ کچھ نہ سمجھ میں آنے والے انداز میں آہستہ سے چلتی ہوئی بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی نگاہیں سوالیہ انداز میں اس کے گھبرائے چہرے پر اٹھی تھیں۔

"آپ انہیں کچھ نہ بتایئے گا۔"

"کیا مطلب....؟" عنوہ الجھی۔

"یہی کہ میں نے آپ کو اپنے بارے میں بتا دیا ہے۔" اس نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"زیان نے منع کیا تھا؟" عنوہ نے حیرت سے پوچھا۔ "بھلا ایسی باتیں چھپی رہ سکتی ہیں۔"

"نن.... نہیں تو۔" رانیہ نے آہستگی سے کہا۔

"پھر تم کیوں خوفزدہ ہو؟" وہ الجھ کر بولی تھی۔ عجیب ڈرپوک لڑکی ہے۔ کیسے کانپ رہی ہے احمق زیان کیا اسے مار ڈالے گا۔

"وہ اپنے معاملے میں کسی کو بھی بولنے کی اجازت نہیں دیتے۔"

"یہ صرف اس کا معاملہ نہیں ہے۔" عنوہ کو نئے سرے سے اپنا نقصان یاد آ گیا۔ دل میں غصے کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔

"میں اب چلتی ہوں۔ وہ آنے والے ہوں گے۔ مجھے دیکھ کر انہیں غصہ آئے گا۔" رانیہ اٹھنے لگی تو اس نے غیر ارادی طور پر اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ بٹھا لیا۔

"بیٹھو یہاں' مجھے تم سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔"

www.pkdigest.com

"نہیں' پلیز مجھے جانے دیں۔ بس وہ آنے والے ہیں۔ میری جان نکال دیں گے۔" رانیہ التجائیہ انداز میں بولی تھی مگر عنوہ نے زبردستی اسے بٹھالیا۔

"تم اتنی خوفزدہ کیوں ہو؟ زیان اتنا خطرناک تو نہیں ہے۔"

"آپ نے ابھی ان کا غصہ نہیں دیکھا نا۔" رانیہ نے سر جھکا کر رنجیدگی سے کہا۔ اس کی آنکھیں نم نم سی تھیں۔

"اچھا' یہ بتاؤ جب میں اس گھر میں آئی۔۔۔ تو تم کہاں تھیں۔ میں نے تمہیں کہیں نہیں دیکھا۔"

"میں اوپر والے پورشن میں ہوتی ہوں۔ مجھے نیچے آنے کی پرمیشن نہیں؟" رانیہ نے آہستگی سے کہا۔ عنوہ حیرت زدہ سی رہ گئی۔ یہ بھلا کیا بات ہوئی۔ اپنے ہی گھر میں پرمیشن سے آنا جانا۔

"میرے لیے انہوں نے ایک حد مقرر کر رکھی ہے۔ میں اس حد کو کراس کرنے کی جرات نہیں کر سکتی۔ اگر میں ایسا کروں تو میرا ٹھکانہ پھر اس گھر میں قیامت تک نہ ہوگا۔"

"مائی گاڈ!" عنوہ تو ششدر رہ گئی تھی۔

"کیا زیان تمہیں کڈنیپ کرکے لایا ہے یا گن پوائنٹ پر نکاح میں آئی ہو؟"

"نہیں' ایسی تو کوئی بات نہیں۔" رانیہ گھبرائی۔

"وہ ایسے نہیں ہیں۔"

"تو پھر کیسے ہیں؟" عنوہ بلند آواز میں بولی۔

"شی۔۔۔ آہستہ بولیں' یہ مس نیکی شکایت لگا دے گی۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ آہستہ آہستہ سب سمجھ جائیں گی مگر بے فکر ہو جائیں' اُدھر دل کا معاملہ ہے۔ آپ ان کی محبت ہیں' پسند ہیں۔ انہوں نے آپ سے عشق کیا ہے۔ آپ کے لیے ان کے دل میں بہت گنجائش ہے۔ یہ ساری سختیاں میرے لیے ہیں۔ آپ ہر کام میں خود مختار اور آزاد ہوں گی۔ اس گھر کے ملازم آپ کی حیثیت کو پہچانتے ہیں۔ یہ سب جانتے تھے کہ ان کی اصل مالکن آپ ہیں۔ سو آپ کو کم از کم کوئی بھی خوف نہیں ہونا چاہیے' مطلب زیان کے چھوڑ دینے کا' سو آپ کو کبھی بھی خود سے الگ نہیں کریں گے چاہے آپ کچھ بھی کرلیں۔ کیونکہ آپ ان کے دل پر حکومت کرتی ہیں۔ آپ اس لحاظ سے بہت لکی ہیں کہ اس اسٹون مین کے دل کی جاگیر پر صرف آپ کا قبضہ ہے۔ اب میں چلتی ہوں' کل سے پہلے ملاقات نہ ہوگی۔" رانیہ سرعت سے اٹھی اور دروازہ کھول کر باہر چلی گئی جبکہ عنوہ الجھن بھری نگاہوں سے بند دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ باہر سے کھٹ پٹ کی آواز آئی۔ شاید زیان آگیا تھا۔ عنوہ کو نئے سرے سے اپنے نقصان یاد آنے لگے۔

☆ ☆ ☆

"رانیہ زیان کی بیوی ہے۔" اس انکشاف نے اس کی روح تک کو ہلا ڈالا تھا۔ اس کے اندر آگ بھڑک رہی تھی۔ اسے سب بھول چکا تھا۔ زیان کی دیوانگی' محبت' وارفتگی' محض یاد تھا تو صرف اتنا کہ زیان نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ اچانک اسے خیال آیا۔ رات کو ولیمہ تھا۔ ہوٹل میں زیان اس کے ساتھ تھا۔ مگر جب وہ گھر آئی تو اکیلی تھی۔ زیان نہ جانے کہاں تھا۔ یہی بات حنا نے بھی نوٹ کی تھی۔ چونکہ اتنے گھنٹے پہلے پارلر اور پھر اسٹیج پر بیٹھنے کی وجہ سے حد درجہ تھکاوٹ ہو گئی تھی لہٰذا اس نے زیان کی غیر موجودگی کو اتنا محسوس نہیں کیا تھا۔ اگرچہ اسے زیان کا انتظار تھا مگر تھکن کی وجہ سے وہ جلد ہی سو گئی تھی۔ صبح بھی وہ زیان کی غیر موجودگی کے متعلق سوچ رہی تھی کہ جب رانیہ چلی آئی۔ وہ رانیہ کی باتیں سوچتے ہوئے مسلسل سلگ رہی تھی۔ دل گویا جلتی بھٹی میں جا گرا تھا۔

"تو کیا رات کو زیان اوپر تھا' رانیہ کے پاس۔" اس کو یوں محسوس ہو رہا تھا گویا دل کو کسی نے مٹھی میں بھینچ کر مسل ڈالا ہے۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی زیان! تم نے میرا بہت نقصان کیا ہے۔ میرے ساتھ فراڈ کیا ہے۔"

وہ زیر لب تنفر سے بڑبڑائی تھی۔ اسی پل دھاڑ سے دروازہ کھلا تھا۔ زیان کوٹ کندھے پر رکھے ٹائی گلے میں لٹکائے اندر داخل ہوا تھا۔ اس کی نگاہوں نے سب سے پہلے اسی کے گرد حصار کھینچا تھا۔ مگر اس کے سنجیدہ سنجیدہ انداز دیکھ کر قدرے ٹھٹکا' چونکا اور پھر دھپ سے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"خیریت' ایسی خونی نگاہوں سے کیوں گھور رہی ہو۔ مانا کہ بہت ہینڈسم ہیں ہم۔ مگر یوں بھی مت دیکھیے' ہارٹ اٹیک ہونے کا خدشہ ہے۔" اس کی آنکھوں میں شرارت مچل رہی تھی۔

"ناشتا کیا تھا؟" وہ جوتے اتارتا پوچھ رہا تھا۔ عنوہ نے کوئی جواب نہیں دیا بس سلگتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

"سنگدل فراڈیا کیسے ہشاش بشاش ہے۔ ہاں جی ہرا ہو رہا ہے مجھے' خوش کیوں نہ ہو۔ جیت کا تو مزا ہی الگ ہے۔" اسے زیان کے ساتھ گزاری رات یاد آئی تو دل گویا انگارے چبنے لگے۔ وہ جانتا تھا جب اس کا موڈ عنوہ کے لیے آف تو اس نے بے حد احتجاج کیا تھا' کھانا' ناشتا چھوڑ دیا۔ خوب رونا دھونا مچایا مگر ممی جیسی سخت دل ماں سے کسی نرمی کی امید کہاں رکھی جا سکتی تھی۔ تھک ہار کر وہ خاموش ہو گئی۔ ممی کی پسند کے سامنے سر جھکا دیا۔

بس ایک ہی تو زندگی کی خواہش تھی کہ اچھا سا' بے حد مخلص' چاہنے والا ساتھی ملے۔ جس کی زندگی میں پہلے کوئی عورت نہ ہو۔ وہ صرف اسی کا ہو' کوئی پرچھائیں تک نہ چھو کر گزری ہو مگر یہ خواب چکنا چور ہو گیا تھا۔ وہ حقیقتاً بھی ماتم کرتی کم تھا۔

"یہ خاموشی کسی بڑے طوفان کی آمد کا پتا دے رہی ہے۔" وہ اس کی نگاہوں کے سامنے ہاتھ لہرا کر بولا تو عنوہ چونک اٹھی۔

"طوفان تو میری زندگی میں آہی چکا ہے۔" اس کا لہجہ زہر زہر تھا۔

"کون سا طوفان۔" زیان اس کے لہجے کی گہرائی تک نہیں پہنچا تھا اسی لیے لاپروائی سے بول اٹھا۔

شرٹ کے بٹن کھولے' پھر پینٹ کی بیلٹ کھینچ کر نکالی اور واش روم میں گھس گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ باہر آیا تو ٹراوزر شرٹ پہن رکھا تھا۔ بالوں میں انگلیاں پھیر کر اس نے باڈی اسپرے سے خود کو مہکایا اور پھر دوسری طرف گھوم کر اس کے برابر نیم دراز ہو گیا۔

"مزاج تو ٹھیک ہیں' مطلع ابر آلود لگتا ہے۔"

"کہاں تھے آپ رات کو۔" وہ زہر خند ہوئی۔

"تو اسی لیے غصے سے ہری لال ہو رہی ہیں۔" زیان مسکرایا۔

"ویسے غصے میں بہت اچھی لگتی ہو۔ آنکھوں میں چنگاریاں سی پھوٹ رہی ہیں۔ کیا دلکش منظر ہے۔"

"میرا تو پورا وجود بھڑبھڑ جل رہا ہے۔" نا چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز بھرا گئی۔

"تو فائر بریگیڈ کو بلواؤں۔" آنکھوں میں شرارت لیے وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"ویسے تمہیں ٹھنڈا کرنے کے لیے میں ہی کافی ہوں۔"

"میں نے آپ سے کچھ پوچھا ہے زیان صاحب! بات کو گھمانے پھرانے کی ضرورت نہیں۔" عنوہ نے آگ بگولا ہو کر کہا۔ زیان نے اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ اچھل کر دور ہٹ گئی۔

"مجھے ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں۔ اگر مجھے چھونے کی کوشش کی تو زور زور سے چلانا شروع کر دوں گی۔"

"زیان صاحب!" پہلے تو وہ اس طرز تخاطب پر حیران ہوا پھر اس کے سرخ چہرے اور آنکھوں میں چھائی ناگواری کا بغور جائزہ لینے لگا۔

"کچھ غلط تھا۔" اس کی چھٹی حس نے فوراً ہی انفارم کر دیا تھا۔ عنوہ کا رویہ کم از کم اس کی سمجھ سے بالا تر تھا۔ وہ پھری شیرنی بن کر بیٹھی تھی۔

"کیا پوچھا تھا؟" اس کے ذہن سے قطعاً عنوہ کا سوال غائب ہو گیا تھا۔ وہ اس کے رویے کے متعلق سوچ رہا تھا۔

"اسے کیا ہوا ہے؟"

www.pkdigest.com

"تم رات کو کہاں تھے؟" عنوہ نے سلگتے لہجے میں پوچھا۔ زبان کو اس کا رویہ سمجھ میں آنے لگا تھا۔ اس نے گہری سانس کھینچ کر ایک مرتبہ پھر اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تھا۔

"مجھے بہانے بہانے سے ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ کاٹ کھانے کو دوڑی تھی۔

"تمہیں ہاتھ لگانے کے لیے مجھے کسی بہانے کی ضرورت نہیں۔" زبان نے سنجیدگی سے کہا اور مزید بولا۔

"تمہیں کس بات پر غصہ ہے۔ میرے رات کو نہ آنے پر؟ یا تمہیں ہاتھ لگانے پر؟" وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ بس غصے سے ہونٹ کاٹتی رہی۔

"کمال ہے یہ مزاحمت تو تمہیں دو دن پہلے کرنا چاہیے تھی 'اب یوں بھاگنے اور کاٹ کھانے کا کیا مقصد ہے؟ بیڑیاں تو پہن چکی ہو ہماری محبت کی اور یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ میری محبت میں کوئی کھوٹ نہیں۔ آخر عملی مظاہرہ کر کے دکھایا تھا۔ باقی کی فلم ہنی مون پہ سہی 'ابھی تو تمہارا موڈ بگڑا ہوا ہے۔ نہیں سرور نہ ٹرخ والوں تمہیں چھوڑ کر۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ عنوہ کا سوال پھر درمیان میں کہیں رہ گیا۔ وہ غصے سے اسے گھورتی رہی۔

"جان بوجھ کر بات کو ٹال رہا ہے۔ بتانا نہیں چاہتا' مگر میں بھی اس سے اگلوا کر رہوں گی۔ کیا سمجھ کر اس نے مجھے دھوکہ دیا۔ میں کوئی گری پڑی لڑکی نہیں ہوں۔ ممی فرانس چلی جائیں گی۔ اپنے خیال میں انہوں نے میری شادی کر کے مجھے پابند کر دیا ہے اور خود آزادی سے اپنی زندگی گزاریں گی مجھے اس منافق جلاد کے حوالے کر کے۔ ممی! میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ آپ بہت بری ہیں 'سب سے بری۔ ہم جیسے بچوں کی مائیں نہ ہوں تو بہتر ہے۔ بے حس فیملی کے خود پسند 'اذیت پسند بگڑے بچے۔ جس کی ایک مثال اس کے سامنے تھی اور خود عنوہ کیا تھی احساس کمتری کی ماری دو سی لڑکی۔ جسے ماں کا حال ہر وقت شرمندہ کیے رکھتا اور ماں کے مستقبل میں کسی انتہائی قدم کے اندیشے کبھی پورے دل سے خوش نہیں ہونے دیتے تھے۔" وہ سوچوں کے تانوں بانوں میں الجھی تھی اس بات سے بے نیاز کہ زبان کہنیوں کے بل اٹھا لیٹا ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ لیے اپنی مقناطیسی دلکش نگاہوں سے اس کے رنجیدہ چہرے کے تاثرات بغور پڑھ رہا تھا۔

"اونہہ۔ ایسے گھور رہا ہے گویا کچا ہی کھا جائے گا۔" عنوہ نے دل ہی دل میں سوچا۔

"میں کوئی جانور ہوں جو تمہیں کھانے کی کوشش کروں گا۔ ہم تو انسان ہیں بڑے ہی ہمدرد 'نرم دل اور چاہنے والے۔" اس نے گویا عنوہ کی سوچوں تک رسائی حاصل کر لی تھی اور اب بڑی چیلنج بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ عنوہ ایک دم گڑبڑا سی گئی۔

"ہوشیاری اور چالاکی تو تم پر ختم ہے۔ ایسے ہی تو اتنا مال اکٹھا نہیں کر رکھا۔ اتنے سیدھے نہیں ہو۔ شکل سے ہی عیار اور مکار نظر آتے ہو۔ نہ جانے کس کس کو دھوکہ دے رکھا ہے۔" اپنے تئیں اس نے زبان کو بھرپور غصہ دلانے کی کوشش کی تھی اور نہایت ہی سنجیدگی سے طنز کا تیر چلایا تھا مگر زبان کے جاندار قہقہے نے اسے جھنجلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔

"پہلی مرتبہ ایک خوب صورت خاتون نے میری اتنے شاندار لفظوں میں تعریف کی ہے یعنی کہ زبان بہت عیار اور مکار۔" وہ گویا ایک ایک لفظ سے لطف کشید کر رہا تھا۔ خوب مزے لے کر بولا۔

"کچھ اور بھی تو کہو یہ بہت تھوڑی تعریف ہے۔ مجھے اتنی کم تعریفیں ہضم نہیں ہوں گی۔"

"مجھے تمہارے منہ لگنے کا کوئی شوق نہیں۔" عنوہ آگ بگولا ہو گئی تھی۔

"مگر مجھے تو ہے۔ منہ نہ سہی ہاتھ ہی سہی۔ یہ تمہارے نازک گداز ہاتھوں پر مہندی کیا خوب سج رہی ہے۔ واہ کتنے حسین ہاتھ ہیں۔ جی چاہتا ہے چوم ہی لوں مگر تم اس وقت بھی شیرنی بنی ہو۔ ویسے یہ نرم گداز کلائی میں میرا پہنایا ہوا بریسلٹ کتنا خوب صورت لگ رہا ہے۔ دل تو بہت مچل رہا ہے۔ جی چاہ

رہا ہے کہ تمہاری اس نازک کلائی کو مروڑ دوں مگر بازو فریکچر ہونے کا خدشہ ہے۔ تمہیں بیمار تو نہیں کرنا۔ میں تو تمہیں فٹ اور فریش دیکھنا چاہتا ہوں اب غصہ تھوک دو جانم رات نہ سہی ابھی دن کو رات بنا دیتے ہیں۔ دیکھو کیسا خوابناک ماحول ہے۔ گلاس ونڈو پہ بھاری کرٹن ہیں۔ لائٹس کی ڈم روشنی اور دروازہ بند اور تم ہو اس قدر قریب اپنے تو ہوش اڑ رہے ہیں۔ بن پیے ہی لگتا ہے دماغ پر چڑھ رہی ہے اور تمہارے پاکیزہ مہکتے وجود سے اٹھتی بھینی بھینی خوشبو۔" وہ اس کے ہاتھوں کا باریک بینی سے جائزہ لیتا ہوا پٹری سے اتر گیا تھا۔ ایک ہاتھ اس کی کمر کے گرد حائل کیے اور دوسرا ٹھوڑی کے نیچے رکھے وہ اس کی دودھیا گردن کے پاس چہرہ کر کے گہری سانس کھینچتا بھاری جذبوں سے بوجھل آواز میں بولتے ہوئے ایک عدد گستاخی کرنے کے ساتھ بڑی بے باک نگاہوں سے اس کے پورے وجود کا جائزہ لے رہا تھا۔ عنوہ شرم اور غصے سے جھنجھنا اٹھی۔

"شرم نہیں آتی اتنا فضول بولتے ہوئے۔" وہ کپکپاتی آواز میں کہہ کر قدرے اور سمٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

"ہائے۔ ہائے اتنی بے حیا ممی کی اتنی حیادار بیٹی۔ آپ کی ممی کی ادائیں تو پاگل دیوانہ بنا چکی ہیں۔ اب کیا مزید ادائیں دکھا کر مجھے مینٹل ہاسپٹل بھجوانا ہے۔ بس کرو جانم! اتنی لال انار نہ بنو ہم تو پہلے ہی آؤٹ آف کنٹرول ہیں۔ بالکل ہی آپے سے نکل جائیں گے۔ ہمیں جامے میں ہی رہنے دو۔" وہ اس کے سرخ رخسار پر زوردار چٹکی بھر کر کہہ رہا تھا۔ عنوہ غصے اور جھنجلاہٹ سے بھنا اٹھی اوپر سے ممی کا طعنہ اس کا سارا اطمینان جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا تھا۔

ممی کا شرمناک حوالہ اسے سر جھکانے پر مجبور کر دیتا۔ "کیا ساری زندگی یہ مجھے ممی کے حوالے سے طعنے دیتا رہے گا؟ مگر میں ساری زندگی اس کے ساتھ رہوں گی کیوں مجھے ابھی اس کے ساتھ دو ٹوک بات کرنا چاہیے۔ یہ دھوکے باز منافق میں ایک پل یہاں نہیں رہوں گی۔ مگر جاؤں گی کہاں؟ گھر تو ممی نے اس مکار کو دے دیا ہے۔ یقیناً اس فراڈیے نے ممی کو مجبور کیا ہو گا کہ وہ گھر اور فیکٹری بیچ دیں۔ اف میں کس زندان میں پھنس گئی ہوں۔" وہ اضطراری انداز میں لب بھینچے سوچ رہی تھی۔ زبان نے گلا کھنکھار کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"یار! کیوں اپنے ننھے سے دماغ کو سوچنے کی زحمت دے رہی ہو۔ ایکچولی! رات بھر میں ہسپتال رہا ہوں۔ فنکشن سے واپسی پر حشام کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اتنا سیریس نہیں ہوا۔ مگر پھر بھی چوٹیں کافی آئی ہیں۔ رات میں اس کے پاس رہا ہوں۔ فون اس لیے نہیں کیا کہ تم پریشان ہو گی۔ ویسے تم مس نینی سے پوچھ سکتی تھیں۔ وہ تمہیں بتا دیتی میرے نہ آنے کے بارے میں یار! ایک ہی تو دوست ہے میرا۔ اتنا نیک 'اتنا شریف اور ایماندار۔۔۔ بہت پیار کرتا ہے مجھ سے 'اب میں اسے اتنی تکلیف میں چھوڑ کیسے آ سکتا تھا۔" اسے مزید تنگ کرنے کا ارادہ ترک کر کے وہ نہایت سنجیدگی سے بتا رہا تھا مگر عنوہ کو بھلا یقین کیسے آتا۔ اس کے کانوں میں ایک ہی بازگشت سنائی دے رہی تھی۔

"اس بیڈ کو آپ کے ساتھ شیئر کرنے والی۔"

عنوہ کا رواں رواں سلگنے لگا۔ آنکھیں سرخ انگارہ ہو گئی تھیں یوں محسوس ہو رہا تھا گویا کسی نے ان میں مرچیں سی پھونک دی ہیں۔

"ممی! میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ میں مر نہیں جاؤں گی آپ کے بغیر۔ پڑھی لکھی ہوں 'کہیں جاب ڈھونڈ لوں گی۔ کسی ہاسٹل میں رہ لوں گی مگر اس گھر میں قیامت تک نہیں رہوں گی۔ اونہہ 'پہلے سے موجود بیوی۔۔۔ میرے جذبات کا خون کیا گیا ہے۔ میری انا کو توڑ ڈالا ہے اس شخص نے۔ میں کیا اس قابل تھی کہ کسی دو نمبر شخص کی دوسری بیوی بنتی۔ میں نے خود کو اس ذلیل شخص کی خاطر سینت سینت کر رکھا۔۔۔ ممی! آپ بہت ظالم ہیں اور یہ جھوٹا شخص۔" وہ خون کے گھونٹ بھر رہی تھی۔ اسے زبان کی جھوٹی

www.pkdigest.com

اسٹوری پر یقین نہیں آیا تھا۔ مٹھیاں بھینچے لہو رنگ آنکھیں لیے اس کی سوچیں منتشر تھیں۔ زبان بے حد غور سے اس کے چہرے کے تاثرات پڑھ رہا تھا۔ حظ کر رہا تھا۔

"پلیز پلیز۔۔۔ عنوہ! کول ڈاؤن کیا ہو گیا ہے؟" زبان نرمی سے بولا۔

"تمہیں میری بات کا یقین نہیں آیا۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ یار! اتنا غصہ "تم تو غصے سے بھری بوتل ہو" مجھے آج اندازہ ہوا ہے۔ پھٹ جاؤ گی یار! انڈیل دو سارا زہر۔ میں بالکل مائنڈ نہیں کروں گا۔ بتایا تو ہے۔ حشام کے ایکسیڈنٹ کی وجہ سے میں رات بھر اس کے پاس رہا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس کی ہڈیاں بچ گئیں۔ سر پر قدرے گہرا زخم آیا تھا اسی لیے رات بھر بے ہوش رہا ہے۔ ابھی اس کی حالت کچھ سنبھلی ہے۔ یقین نہیں آرہا تو فون کر کے پوچھ لو۔ ابھی ہسپتال میں ہے وہ۔ ادھر سے نکلا تو امریکہ سے ایک اور دوست کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع آگئی۔ تین گھنٹوں سے اسی سے رابطے کی کوشش میں تھا۔ یار! کیوں شک بھری نگاہوں سے دیکھ رہی ہو۔"

"مان گئی ہوں رات بھر پیار ٹوٹے پھوٹے دوست کی تیمارداری ہوتی رہی ہے۔ مگر وہ کون ہے جو اس گھر کے اوپر والے حصے میں رہتی ہے اور جس کا دعوا ہے کہ وہ اس بیڈ کو شیئر کرنے والی ہے میرے ساتھ۔" عنوہ نے چیخ کر کہا تھا۔ اتنا زور زور سے بولنے کی وجہ سے اس کے گلے میں خراشیں سی پڑ گئی تھیں۔ حلق میں کانٹے اگ آئے تھے۔

"تم نے اچھا نہیں کیا زبان! مجھے یوں بے خبر رکھ کر 'میری کیا اوقات تھی کہ میں تمہاری دوسری بیوی متعارف ہوتی۔ میں عنوہ ہاشم فریدی۔ اس پل خود کو سب کی نگاہوں میں گرا محسوس کر رہی ہوں۔ لوگ پیٹھ پیچھے کیا کیا باتیں کرتے ہوں گے۔ میں اس معصوم لڑکی پر سوتن بن کر آئی ہوں۔ میں نے اس کا حق چھین لیا ہے۔ اس کے خواب نوچ لیے ہیں۔ مجھ سے کتنا بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے انجانے میں اللہ بھی مجھے معاف

نہیں کرے گا۔ کسی کے آنسوؤں کی نم زمین پر محبتوں کے تاج محل نہیں کھڑے کرتے زبان حبیب!

تم میں بہت سی اخلاقی برائیاں ہیں میں نے سب قبول کر لیں۔ تمہیں اپنا لیا۔ تمہاری محبت کو اک جنون کی خالص محبت سمجھ کر ایمان لے آئی۔ سوچا تھا زندگی میں آنے والے پہلے اور واحد مرد ہو۔ محبت بھی آہستہ آہستہ ہو جائے گی مگر مجھے علم نہیں تھا کہ تم ہر حد سے گرے ہوئے انسان ہو۔ کراہیت آرہی ہے مجھے تم سے۔ میں لعنت بھیجتی ہوں تم پر 'تمہاری اس نام نہاد محبت پر' ہر اچھا چہرہ دیکھ کر ریجھ جاتے ہو ______ چلی جاؤں گی میں یہاں سے۔"

اس سے مزید کچھ بولا نہیں گیا تھا۔ آنسوؤں کے گولے سے آواز رندھ گئی تھی۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"تم اوپر گئی تھیں یا رانیہ نیچے آئی تھی تمہارے پاس؟" کافی دیر اسے تڑپ تڑپ کر روتا دیکھنے کے بعد وہ بڑے سرد انداز میں پوچھ رہا تھا۔ لہجے میں گویا زہریلے سانپ کی پھنکار تھی۔ انتہائی غصے اور نفرت کی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے اور بے تحاشا رونے کے باوجود اسے زبان کے لب و لہجے میں آنے والی تبدیلی کے احساس نے چونکا دیا تھا۔ وہ رونا دھونا بھول کر ایک ٹک اس کی لہو رنگ آنکھوں اور سپاٹ چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے؟" کسی بھی جذبے سے عاری اس کی کٹیلی آواز نے عنوہ کی روح تک کو لرزا دیا تھا۔

"آپ نے زبان کا غصہ نہیں دیکھا۔ جان نکال دیں گے میری۔" رانیہ کی لرزتی کانپتی آواز نے عنوہ کو معاملے کی سنگینی کا احساس دلا دیا تھا۔

"مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ کیا یہ سب جھوٹ ہے؟" عنوہ نے چلا کر کہا۔

"رانیہ تمہاری بیوی نہیں ہے؟" وہ غرائی۔

"تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔ پہلے رانیہ سے نبٹ لوں۔ زندہ نہیں بچے گی آج میرے ہاتھ سے۔"

وہ تنفر سے کہتا ہوا پلٹ گیا تھا۔ اس کے قدموں کی دھمک عنوہ کے دل پر سنائی دے رہی تھی۔ اس نے پہلو میں دھک دھک کرتے دل پر ہاتھ رکھ کر گویا خود کو مضبوط کرنے کا ارادہ باندھا اور دوسرے ہی پل وہ بھی لرزتی کانپتی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میں آپ کے لیے قطعاً" بے ضرر ثابت ہوں گی۔ میں آپ کی زندگی میں کوئی مداخلت نہیں کروں گی۔ آپ اپنے ہر قول و فعل میں خود مختار ہیں۔ بس میں اس گھر میں پناہ گزین کی حیثیت سے رہوں گی۔۔۔ یہی کہا تھا نا محترم رانیہ ظہیر صاحبہ آپ نے۔۔۔ بھول گئی ہیں۔ اتنی پرانی بات تو ہرگز نہیں فقط نو سال پہلے کا قصہ ہے۔ لو تو مزید یاد کروا دوں اپنے طریقے سے کہ آپ نے کس ٹریٹی (معاہدے) پر سگنیچر کیے تھے۔ میری تمام تر قربانیاں رائیگاں گئیں۔ نفرتوں کے کتنے جام پی کر میں نے تمہارا ہاتھ تھاما تھا۔

آج سے نو سال پہلے تم پر ایک ساتھ گزرا تھا۔ تم تو جانتی ہو نا ہر بات۔۔۔ میں نے نو سال پہلے زندگی کا ایک بھیانک روپ دیکھا تھا۔ زیادہ نہ سہی مگر کچھ نہ کچھ تھوڑا بہت تو تمہارا بھی عمل دخل تھا میری روح کو گھائل کرنے میں۔۔۔ آج سے نو سال پہلے تمہاری اسی خاموشی نے زبان حبیب کو جلتے برزخ میں لا پھینکا تھا۔ اس وقت میں بھی صدمے سے گنگ تھا۔ عورتوں کی مکاریوں سے نابلد۔۔۔ مگر آج نہ وہ وقت ہے نہ مقام اور نہ ہی حالات۔ آج خاموش مت رہنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گی میری کرونلٹی (بے رحمی) سے تو تم واقف ہو نا کسی بھول میں مت رہنا نہ ہی تم پر رحم کیا جائے گا۔ اب بتاؤ کیا کیا باتیں کیں تم نے عنوہ کے ساتھ کیا کچھ بتا چکی ہو؟ بولو جواب دو؟" اس کے دھیمے سلگتے لہجے میں زخمی شیر کی چنگھاڑ تھی۔ رانیہ کا سانس حلق میں ہی کہیں اٹک گیا تھا۔ آنکھوں کے سامنے تارے ناچ رہے تھے۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ آج اس کی زندگی کا آخری دن ہے۔

"فالتو ٹائم نہیں ہے میرے پاس 'جلدی سے کچھ کہنا چاہتی ہو اپنی صفائی میں۔" وہ زہر زہر ہو رہا تھا۔ اس کے ریشمی بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر زوردار دھکا دیا۔ رانیہ لڑکھڑا کر بیڈ پر جا گری تھی۔

"جواب دو۔" وہ غرا رہا تھا۔

"آج میں اپنی زندگی کے تاریک ابواب کے تمام صفحات پھاڑ دوں گا۔ قانونی طور پر تمہیں اس نام نہاد بندھن کی قید سے آزاد کر دوں گا۔ تم نظر آؤ تو مجھے اپنی بھیانک زندگی کا لمحہ لمحہ یاد آنے لگتا ہے۔ میری نس نس زہر آلود ہے۔ جب جب تمہیں دیکھتا ہوں انتقام کی آگ کے بھانبڑ جلنے لگتے ہیں مگر اب میں اس خود ساختہ انتقام کو بھی ختم کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنی پچھلی زندگی کی بوسیدہ کتاب کو دفن کر چکا ہوں۔ میں تمہیں آزاد کر دوں گا 'اپنی زندگی جیسے چاہے گزارنا۔ اپنا منحوس وجود لے کر یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ کل سورج نکلنے سے پہلے پہلے کہیں بھی چلی جانا۔ یہاں تک کہ تم میری پہنچ سے دور ہو جاؤ۔ میں نے بہت سالوں بعد خوشی کا ذائقہ چکھا ہے۔ اپنے بکھرے وجود کی بڑی مشکل سے کرچیاں سمیٹی ہیں۔ یہ داغ جو میرے دل پر لگے ہیں آہستہ آہستہ مندمل ہو کر مٹ جائیں گے۔ اب اتنے سالوں بعد میں کسی بھی قسم کا نقصان نہیں اٹھاؤں گا۔ اب میرے حصے میں اگر کوئی خسارہ آیا تو یاد رکھنا تمہارے لیے ذرہ برابر بھی اس زمین کے اوپر جگہ نہ ہو گی۔ میں عنوہ کو کھونا نہیں چاہتا۔ اگر تمہارے بہکاوے میں آکر وہ چلی گئی تو یاد رکھنا مجھے ورنہ بخشتے دیر نہیں لگے گی۔ میں تمہیں طلاق۔"

"پلیز۔۔۔ زبان! اپنی پیاری چیز کے صدقے آپ مجھے خود سے الگ مت کریں۔۔۔ میں کچھ نہیں بولوں گی۔ کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی مگر مجھے یوں دربدر مت کریں۔ میرا اس دنیا میں آپ کے سوا کوئی نہیں۔ میرا کوئی سہارا نہیں۔ میرے پاس نہ سایہ ہے نہ سائبان میں کہاں جاؤں گی۔ مجھے ٹھوکروں کے حوالے مت کریں۔ میں اس گھر کے اس کونے میں پڑی رہوں گی۔ کبھی ایک لفظ بھی زبان سے نہیں بولوں گی مگر

www.pkdigest.com

میرے ساتھ یوں مت کریں۔ آپ کو عنوہ سے محبت کا واسطہ۔ مجھے دربدر نہ کریں۔ پلیز، زیان! میں مر جاؤں گی۔ خودکشی کرلوں گی مگر طلاق کا لفظ نہیں سنوں گی۔" وہ روتی بلکتی اس کے قدموں میں گری تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔ اسی پل دھاڑ سے دروازہ کھلا اور لرزتے قدموں کے ساتھ عنوہ اندر چلی آئی۔ سامنے کے منظر نے اسے دنگ کردیا تھا۔ وہ فرعون بنا پورے کروفر سے رانیہ کو زوردار ٹھوکر مار کر اس کی طرف پلٹا۔ اس کی آنکھوں سے گویا لہو چھلکنے کو بے تاب تھا۔ مگر عنوہ اس کے انتہائی تاثرات سے بے نیاز چیخ اٹھی تھی۔

"وحشی، درندے کیا اس کی جان لوگے۔" وہ رانیہ کی پیشانی سے ابل ابل نکلنے والے سرخ گاڑھے خون کو دیکھ کر چلائی۔

"مائی گاڈ! اتنا خون...... ہائے رانیہ! تمہیں بہت درد ہو رہا ہے۔ کتنا گہرا زخم ہے اگر بلیڈنگ زیادہ ہوگئی تو...... اف زیان! ڈاکٹر کو فون کریں...... دیکھو تو اتنا خون کہیں مر نہ جائے۔" وہ خوفزدہ سی بوکھلا کر رانیہ کی طرف بڑھی تو زیان نے ایک جھٹکے سے اس کے بازو کو اپنی آہنی انگلیوں کی گرفت میں لے کر زور سے دبایا۔ تکلیف کی شدت سے عنوہ کے لبوں سے بے ساختہ کراہ نکلی۔

"کیا لینے آئی ہو یہاں چلو نیچے۔" وہ سنجیدہ مگر سخت لہجے میں بولا تھا۔

"وہ...... مر جائے گی زیان!"

"تو مر جائے۔" زیان نے پتھریلے لہجے میں کہا۔ عنوہ حق دق سی رہ گئی۔ اتنا ظالم اور وحشی انسان۔ اسے گویا یقین ہی نہ آیا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتی رہی اور پھر چیخ کر بولی۔

"تم میں انسانیت ختم ہو چکی ہے مگر ہر ایک کو اپنے جیسا مت سمجھنا۔ چھوڑو مجھے ورنہ کاٹ کھاؤں گی۔" اس نے بھی جنگلی پن کی انتہا کرکے اس کے بازو میں دانت گاڑ دیے۔ زیان پہلے تو حیران ہوا پھر قدرے پریشان اور پھر اس کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔

"عجیب کردار اتنی ہمدردی۔" اس نے بے ساختہ سوچا اور اس کا بازو چھوڑ دیا۔

"تمہارا تو کوئی مضبوط بندوبست کرنا پڑے گا۔" وہ آخری تنفر بھری نگاہ رانیہ پر ڈال کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا دروازہ ایک جھٹکے سے بند کرکے چلا گیا تھا۔ عنوہ ششدر سی چند پل دیکھتی رہی اور پھر سرعت سے رانیہ کی طرف بڑھی۔ بوکھلاہٹ میں اسے کچھ سوجھ نہیں رہا تھا۔ ادھر ادھر نگاہ دوڑائی جب کوئی چیز نظر نہ آئی تو اپنا دوپٹہ پھاڑ کر اس کے سر پر لپیٹ دیا۔ پھر اسی قدموں پر واپس پلٹی۔ سیڑھیاں اتر کر ڈائننگ ہال میں جھانکا۔ مس نینی برتن سیٹ کر رہی تھی۔ عنوہ سرعت سے آگے بڑھی۔

"مس نینی! پلیز آپ ایک گلاس گرم دودھ لے کر اوپر آئیں ساتھ میں کوئی ٹیبلٹ ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے اور ہاں زیان کے فیملی ڈاکٹر کو بھی فون کر دیجیے گا۔ پلیز ہری اپ۔" وہ تیز تیز بولتے ہوئے پلٹ گئی تھی۔ مس نینی پہلے چونکی اور پھر دوبارہ سے اسے اوپر جاتا دیکھ کر جلدی سے آگے بڑھی۔

"میڈم! آپ کہاں جارہی ہیں؟"

"اندھی ہو کیا؟ دیکھ نہیں رہی کہ اوپر جا رہی ہوں۔" عنوہ نے سوچا اور پھر پلٹ کر بولی۔

"رانیہ واش روم میں سلپ ہو گئی تھی۔ اسے چوٹ آئی ہے۔ میں اسے دیکھنے جا رہی ہوں۔"

"پلیز میم! آپ نہ جائیں میں دیکھ لیتی ہوں۔" مس نینی نے اسے روکنا چاہا۔ عنوہ سنی ان سنی کرتی تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد مس نینی ٹیبلٹس سی ٹرے میں دودھ کا گلاس لیے اندر چلی آئی۔ عنوہ اطمینان سے رانیہ کے قریب بیٹھی اس کا ہاتھ نرمی سے دباتے ہوئے نہ جانے کیا کہہ رہی تھی۔ مس نینی کی آنکھوں میں تحیر پھیل گیا۔

"آپ نے فون کردیا ہے ڈاکٹر کو مس نینی!" عنوہ اس کے ہاتھ سے ٹرے پکڑتے ہوئے مصروف انداز میں بولی تھی۔

"یس میم!" مس نینی نے سنبھل کر جواب دیا۔

"لو رانیہ! تھوڑا سا دودھ پی کر یہ ٹیبلٹ لے لو۔ ڈاکٹر کے آنے تک کچھ تو آرام آئے گا۔" عنوہ نے

نرمی سے بازو کا سہارا دے کر اسے اٹھایا۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر خرم آگئے تھے انہوں نے انجکشن کے ساتھ ساتھ میڈیسن بھی دیں۔ زخم کا بغور جائزہ لے کر بینڈیج بھی کی اور عنوہ کو ڈھیروں تسلیاں دے کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد مس نینی نے عنوہ سے کہا۔

"میم! آپ بھی نیچے چلیں۔ رانیہ بی بی آرام کریں گی۔"

"نہیں، میں رانیہ کے پاس رہوں گی آپ پلیز جائیں۔" عنوہ نے سہولت سے انکار کردیا۔

"پلیز میڈم!" مس نینی نے التجائیہ کہا۔

"کہا نا آپ جائیں۔" عنوہ غصے سے بولی۔

"کس قدر ڈھیٹ عورت ہے یہ نہ جانے کہاں سے زیان نے اس لسوڑی کو دریافت کیا ہے۔" عنوہ کو سوچتے ہوئے خود ہی ہنسی آگئی۔

"رانیہ بی بی! سمجھائیں نا انہیں...... صاحب بہت غصہ کریں گے۔ آپ اپنے لفظوں میں انہیں سمجھا دیں۔" مس نینی نے معنی خیز تیزی سے آنکھیں نچائیں تو رانیہ نے نقاہت بھری آواز میں کہا۔

"تم چلی جاؤ عنوہ! مس نینی کی بات مان لو۔"

"مگر تم......" عنوہ تذبذب کا شکار تھی۔

"میں اب ٹھیک ہوں۔"

"اوکے، ابھی میں چلتی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد پھر آؤں گی، تم آرام کرو، تھوڑی سی نیند لے لو تو ان شاء اللہ فریش ہو جاؤ گی۔" وہ نرمی سے اس کے گال چھو کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ تیکھی نگاہ سے مس نینی کو گھورا اور آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

"امی! پکانے کے لیے آج کچھ بھی نہیں ہے۔ دال کا جار، چاول کا جار اور آٹے کا کنستر سب خالی ہو چکے ہیں۔ گھی اور آئل بھی ندارد...... لالٹین میں ڈالنے کے لیے تیل بھی نہیں اور اوپر سے بیمن کی دوائیاں بھی ختم ہو چکی ہیں۔" زروہ سلائی مشین پر جھکی ماں کے قریب آکر آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔ فاخرہ نے چونک کر تھکی تھکی سی نگاہ بیٹی کے رنجیدہ چہرے پر ڈالی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ زروہ ابھی رو دے گی۔

لالٹین میں ڈالنے کے لیے تیل، پیٹ میں ناچتی بھوک اور بیمن کی دوائیاں تینوں چیزیں ہی ضروری تھیں۔ فاخرہ جانتی تھیں کہ سلائی مشین کے خالی ڈبے میں فقط دو سو روپے موجود ہیں۔

انہوں نے ایک نظر زروہ کے چہرے پر ڈالی اور ایک سو روپے کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"امی! اس ایک سو روپے کا بھلا کیا کچھ آئے گا۔" زروہ نے الجھ کر ماں کی طرف دیکھا جو نہ جانے کن سوچوں میں گم سوئی میں دھاگہ ڈالنا بھول چکی تھیں۔

"ایک کلو آٹا اور سبز دھنیا اور مرچیں منگوا لو۔ دس روپے کا دہی بھی لے آنا چٹنی بنا کر پیٹ کے دوزخ کو تو بھرنا ہے۔"

"اور امی بیمن کی دوائیاں۔" زروہ نے دھیمی آواز میں کہا۔ فاخرہ نے گہری افسردہ سانس خارج کی اور ڈبے میں پڑا دوسرا نوٹ بھی بیٹی کی طرف بڑھا دیا۔

"امی! دوائیاں تو بہت مہنگی ہیں۔ کم از کم پانچ سو روپے تک آئیں گی۔" وہ بہت آہستہ آواز میں بات کر رہی تھی۔ مبادا برآمدے سے ملحقہ چھوٹے بغیر کواڑ کے کمرے میں موجود بیمن تک آواز نہ پہنچ جائے۔

"میڈیکل اسٹور جانے سے پہلے نسرین سے کپڑوں اور بیڈشیٹس کی سلائی کے پیسے لیتی جانا۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا اور مزید بولیں۔

"گلی میں سے کسی بچے کو پکڑ کر آٹا منگوا لو۔ ابھی باقی تینوں بھی بھوک بھوک چلاتی آجائیں گی۔"

"جی امی۔" وہ تابعداری سے سرمئی چادر لپیٹ کر باہر نکل آئی تھی۔

میڈیکل اسٹور سے دوائیاں لانے کا مطلب تھا کہ اشرف کی دوکان کے سامنے سے گزرنا اور وہاں ہر وقت ریفی چاچا اپنی منحوس شکل لے کر آتے جاتے لوگوں کو تاڑتا رہتا تھا۔ اسے دیکھ کر فوراً ادھر متوجہ ہو جاتا تھا

www.pkdigest.com

زروہ نے افسردگی سے تیز تیز قدم اٹھانے شروع کردیے۔ مگراس کی توقع کے عین مطابق چاچا رونی لپک کراس کے راستے میں حائل ہو گیا تھا۔

"نہ میری نرمی کا ناجائز فیدہ (فائدہ) اٹھا رہی ہو تم ماں بیٹیاں۔۔۔ کرایہ دو ورنہ تمہارے خلاف کیس بنوا دوں گا یا مکان خالی کرواؤں گا۔۔۔ اسے صرف دھمکی مت سمجھنا۔"

"چاچا! صرف دو دن مزید دے دو۔ پرنسپل صاحبہ سے بات کی تھی مگر وہ کیم سے پہلے تنخواہ دینے پر راضی نہیں ہوئیں۔ صرف دو دن تو رہ گئے ہیں۔ پلیز چاچا! جہاں پورا مہینہ انتظار کیا ہے صرف دو دن اور مزید کر لو۔" زروہ نے التجائیہ آواز میں سر جھکائے کہا تھا۔ نہ جانے چاچا رونی کو ترس آ گیا تھا یا پھر کسی شیطانی چال کو سوچ کر خاموش ہو گیا۔

"ٹھیک ہے۔ ابھی کچھ نہیں کہتا' گھر آ کر بات کروں گا اور ہاں پھر تمہیں دو مہینے کا اکٹھا کرایہ دینا ہو گا۔"

اتنی آسانی سے جان چھوٹ گئی تھی۔ زروہ دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتی روڈ پر پہنچ گئی۔ رکشے میں بیٹھ کروہ پیسوں کا حساب لگا رہی تھی۔ صرف دو ہزار تنخواہ جس میں سے سولہ سو نکال دیے جائیں تو پیچھے بچے فقط چار سو۔۔۔ پورا مہینہ نجانے کیسے گزرے گا۔

"اللہ مالک ہے۔ جس نے پیدا کیا ہے کوئی نہ کوئی وسیلہ بھی ضرور بنائے گا۔" وہ مطمئن ہو کر دوائیاں خریدنے لگی تھی۔

ایک گھنٹے بعد جب وہ گھر آئی تو سنیہ' سارہ اور مہک بھی اسکول کالج سے آ گئی تھیں۔ سنیہ نے آٹا گوندھ رکھا تھا۔ سارہ دہی کی ہری مرچوں والی چٹنی بنائے بیٹھی تھی۔ مہک چائے بنا رہی تھی۔ اس نے دوائیاں میز پر رکھیں اور برآمدے کے ایک کونے میں رکھے چولہے کے قریب آ بیٹھی۔ لکڑی کی چھوٹی سی شیلف بنا کر اس کے اوپر کچن سے متعلقہ چیزیں ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ نمک' مرچ اور گھی کے ڈبے۔ دالوں کے جار اور آٹے کا کنستر یہ اور بات ہے کہ ان تمام ڈبوں میں سے صرف چند ایک میں مطلوبہ اشیاء تھوڑی تھوڑی مقدار میں موجود تھیں۔

"چینی کہاں سے آئی ہے؟" زروہ نے چادر اتار کر چولہے پر توا رکھتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔

"جناب صرف چینی نہیں یہ بھی پوچھیے کہ دودھ اور گرین ٹی کا یہ فل سائز ڈبا کہاں سے آیا ہے۔" مہک نے شرارت سے کہا تو زروہ مزید حیران ہو گئی۔

"ہاں' بتاؤ کہاں سے آئیں یہ تمام چیزیں۔" وہ روٹی بیلتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ مہک کے ساتھ سارہ اور سنیہ بھی ہنسنے لگیں۔

"آخر بات کیا ہے؟" زروہ الجھی۔

"آپی! اس کی فرینڈ لبشہ ہے ناں۔ وہ اپنے ننھیال گئی تھی ہنزہ' وہاں سے لائی ہے سب کے لیے گرین ٹی کے پیکٹ' خشک دودھ کے ڈبے اور ڈھیروں ڈرائی فروٹس کے پیکٹ۔"

"تم نے کیوں اس سے یہ سب چیزیں لیں۔" زروہ نے سنجیدگی کے ساتھ مہک کی طرف دیکھا تو وہ بوکھلا گئی۔

"آپی! اس نے سب فرینڈز کو دی ہیں تمام چیزیں ۔۔۔ بقول اس کے نانی کی طرف سے سوغات ہے۔" مہک نے منمنا کر کہا تھا۔ زروہ خاموش ہو گئی تھی۔

اسے تحفے تحائف لینا ناپسند نہیں تھا مگر ان کے حالات اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ تحفوں کا لین دین کریں کیونکہ یہاں تو روٹی کے لالے پڑے تھے ایسی دوستیاں کہاں افورڈ ہو سکتی تھیں۔ تاہم اس نے مہک کو ڈانٹا نہیں تھا۔ اب وہ سوچ رہی تھی کہ مہک کی اس دوست کے لیے ۔۔۔۔ بجٹ دیکھ کر کپڑا لا دے گی۔ سوٹ نہ سہی دوپٹے پر بیلیں کاڑھ کر اسے گفٹ کردے گی۔

"آپی! مبین بھائی بلا رہے ہیں۔" سنیہ نے اسے سوچوں کے گرداب میں پھنسا دیکھ کر آہستگی سے بازو ہلایا تھا۔

وہ روٹیاں ہاٹ پاٹ میں رکھ کر مبین کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ وہ نہ جانے چھت کی کڑیوں میں کیا

تلاش کر رہا تھا۔ اسے اندر آتا دیکھ کر چونک گیا۔

"کیوں لائی ہو میری دوائیاں۔۔۔ مر نہیں جاؤں گا میں۔۔۔ اس ذلیل' منحوس کا کرایہ منہ پر مارنا تھا۔ آجاتا ہے صبح صبح ذلیل و خوار کرنے۔" مبین نے چیخ کر کہا تھا۔ اس کی بھوری آنکھوں میں نہ جانے کون کون سے غم کی دراڑیں جھلک رہی تھیں۔ سفید رنگت میں زردیاں گھلی ہوئی تھیں۔ بھورے بال فراخ پیشانی پر بے ترتیب پڑے تھے۔ اتنا خوبرو بھائی چارپائی پر پڑا تھا۔ اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر گویا مسل ڈالا۔ ان کا اکلوتا لاڈلا بھائی۔ اپنی بہنوں کا مان وہ اکنامس میں ماسٹرز کر رہا تھا۔ یونی ورسٹی میں تنظیم کے لڑکوں کی آپس میں لڑائی ہو گئی۔ جاگیرداروں کے بیٹے تھے۔ جھگڑے نے طول پکڑا اور دونوں پارٹیوں نے ایک دوسرے پر فائر کھول دیے۔ نہ جانے کتنے گھروں کے چشم و چراغ بے گناہ موت کی آغوش میں چلے گئے تھے اور کچھ قسمت کے مارے بستر پر اپنی ذات کے لیے بھی بوجھ بن چکے تھے۔

مبین کی دائیں ٹانگ پر گولی لگ گئی تھی۔ دایاں بازو بھی متاثر ہوا تھا۔ تین دن اسپتال میں بے ہوش رہا تھا۔ ڈاکٹرز نے آپریشن کیا جو کہ کامیاب ہو گیا تھا خوش قسمتی سے۔ اس مد میں اتنا قرضہ چڑھا کہ امی کا تمام زیور بیچ ڈالا۔ بینک میں موجود مختصر رقم بھی نہ رہی۔ اب تو نوبت فاقوں تک آ پہنچی تھی۔ گھر میں مناسب دیکھ بھال اور اچھا مہنگا علاج نہ ہونے کی وجہ سے مبین کی ٹانگ میں گھٹنے کے پاس زخم پھوڑے کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ زخم میں نجانے کب سے پس اکٹھی ہوتی رہی تھی۔ مگر مبین نے ان سب کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ سارے درد اپنے دل پر جھیلتا رہا۔ ابھی تک چلنے پھرنے میں شدید دشواری کا سامنا تھا۔ بمشکل اٹھ کر باتھ روم تک جا سکتا تھا۔

بیماری' اذیت ناک جسمانی تکلیف اور مناسب خوراک نہ ہونے کی وجہ سے اس کی صحت بحال نہیں ہو رہی تھی۔ دن بہ دن مزید چڑچڑا اور بد مزاج ہوتا جا رہا تھا۔

زروہ قریبی پرائیویٹ اسکول میں جاب کرتی تھی۔ فاخرہ کپڑے سلائی کرتی تھیں جبکہ سارہ اور سنیہ گھر آئے بچوں کو ٹیوشن پڑھاتے تھے۔ ان کے اردگرد رہنے والے بھی انہی جیسے لوئر مڈل کلاس کے لوگ تھے۔ ان میں سے اکثر کو بچوں کی پڑھائیوں کا شوق چرایا تھا جس کی وجہ سے وہ سو ڈیڑھ سو کی ٹیوشن بخوشی افورڈ کر رہے تھے۔

کبھی کبھی سارہ چڑ جاتی تھی۔ اکثر ٹیوشن فیس بڑھانے پر اس کا امی کے ساتھ جھگڑا ہو جاتا تھا۔

"بیٹے! غربت کی زنجیروں میں جکڑے مجبور بے بس انسان کو اتنا پریشان نہیں کرنا چاہیے کہ تنگ آ کر وہ بچوں کے ہاتھوں سے کتابیں چھین لے۔ زیادہ کی ہوس تو ابن آدم کی سرشت میں شامل ہے۔" وہ اسے نرمی سے سمجھاتی تھیں۔ مگر سارہ کو کم ہی ایسی باتیں سمجھ میں آتی تھیں۔ اکثر زروہ اس کے سر ہو جاتی۔

"لو آپی! دیکھو یہاں تو پیٹ بھر کر روٹی نہیں ملتی اور امی کہتی ہیں زیادہ کی ہوس نے ہمیں الجھا رکھا ہے۔"

"امی ٹھیک کہتی ہیں۔ ایک وقت کھانا مل جاتا ہے اس پر صبر شکر ادا کیا کرو۔" زروہ بھی پیار سے سمجھاتی اور سارہ کو دراصل بڑی بہن کی باتیں ہی سمجھ میں آتی تھیں۔ وہ فرمانبرداری سے سر ہلانے لگتی۔

"کیا سوچ رہی ہو زروہ!" مبین نے آہستگی سے اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ چونک کر خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"کچھ نہیں۔" وہ بے دلی سے مسکرائی تھی۔

"اگر میرے ساتھ اس وقت کوئی حادثہ پیش نہ آیا ہوتا تو ہمارے حالات مختلف ہوتے۔ کم از کم میری بہنوں کو مشقت تو نہ اٹھانی پڑتی۔" مبین نے رنجیدگی سے کہا۔

"سارے خواب ٹوٹ گئے ہیں زروہ! امیدیں بھی دم توڑ چکی ہیں۔ کچھ باقی نہیں بچا۔ خالی دل اور خالی ہاتھ۔" مبین کے لہجے میں کئی رتوں کے دکھ بول رہے تھے۔ دل اندر ہی اندر نوحہ کناں تھا اور لبوں پر

www.pkdigest.com

خاموشی کے تالے۔

"پہلے بھی تو یہی معمولی سا مکان تھا مگر اتنے سناٹے ہرگز نہیں تھے۔ یاد ہے تمہیں زروہ! ہمارے گھر سے ہر وقت قہقہوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں مگر جب وہ دونوں چلی گئیں تو..."

"پلیز مبین! خاموش ہو جاؤ۔ زندگی کا پچھلا باب ختم ہوا۔ نئی کتاب زندگی ہے کچھ نیا تحریر کرو اس پر۔ ہم لوگ بھول چکے ہیں خود غرض لوگوں کی تمام تر باتیں۔ ان کے ساتھ گزارے پل 'لمحے'... وہ وقت جو بیت گیا سو بیت گیا۔ ماضی کی یادوں میں زندہ رہنے والے اپنے حال سے ہمیشہ ناخوش رہتے ہیں۔" زروہ نے اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا تھا۔

"مگر دل پر لگے زخم کیسے بھرتے ہیں....؟" وہ بڑی معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

زروہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ تو سال پہلے کے کچھ دلکش رنگین منظر اس کے ذہن کی اسکرین پر لہرائے تھے۔ اس نے سختی سے سر جھٹک کر گویا یادوں کی زنجیروں سے خود کو آزاد کیا تھا۔ مبین کی روشن چمک دار آنکھوں میں آج بھی اس بامروت سنگدل کا عکس لہرا رہا تھا۔

زروہ مبین کے دکھ کی شدت اپنے دل پر محسوس کر رہی تھی۔ وہ زروہ سے صرف تین برس چھوٹا تھا اور باقی تینوں سے بڑا۔ زروہ کے ساتھ اس کی بہت بے تکلفانہ دوستی تھی۔ اور وہ ہی تو تھی اپنے بھائی کے تمام تر رازوں کی امین۔

☼ ☼ ☼

"بہن جی! کسی کی شرافت کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھاتے 'میں آپ کی وجہ سے خاموش ہو جاتا ہوں۔ بڑی نیک خاتون ہیں آپ 'سختی سے بات کرنے کو جی نہیں مانتا۔ مگر آپ خود سوچیے آٹھ سو ماہانہ کرائے پر کون پاگل آپ کو مکان دے گا۔ مہنگائی کے اس دور میں جتنا پیسہ ہو اتنا ہی کم لگتا ہے۔ میں اپنے امیدواروں کو ٹال رہا ہوں حالانکہ وہ لوگ مجھے تین گنا زیادہ کرایہ دے رہے ہیں مگر میں بھی مولوی صاحب مرحوم کی وجہ سے چپ کر جاتا ہوں کہ کیسے ان کے بیوی بچوں کو مکان سے نکلوا کر گنہگار ہو جاؤں۔ آپ خود ہی سوچیے... زروہ سے بات کی تھی مگر مجال ہے جو کرایہ ابھی تک مجھے ملا ہو۔" رونی چاچا بڑی نرم آواز میں شائستگی کے اگلے پچھلے ریکارڈ توڑ رہا تھا۔ سارہ اور زروہ اس کی بھدی آواز با آسانی سن رہی تھیں۔ غصے کے مارے رواں رواں سلگ رہا تھا مگر امی کا اشارہ سمجھ کر وہ دونوں خاموش ہو گئی تھیں۔

"بھائی صاحب! یہ تو آپ کی عنایت اور مہربانی ہے اب آپ کو زحمت نہیں دیں گے۔ آج شام تک کرایہ آپ کے گھر پہنچا دوں گی۔ صرف چند گھنٹے مزید انتظار کرلیں۔" انہوں نے پردے کے پیچھے نرم مگر تھکی تھکی آواز میں جواب دیا تھا۔ رونی چاچا بدمزا سا ہو کر واپس پلٹ گیا۔

"شکر ہے بلا ٹل گئی۔" سارہ کی زبان پر کھجلی ہوئی تھی۔

"بری بات بیٹا! بزرگوں کو اس طرح نہیں کہتے۔" فاخرہ نے نرمی سے سرزنش کی تو سنبیہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"امی! رونی چاچا خود کو بزرگ نہیں بلکہ شان سمجھتے ہیں۔"

"وہ کون ہے؟" فاخرہ نے حیرانی سے پوچھا تو ان سب کی ہنسی اردگرد بکھر گئی مبین بھی چونک گیا تھا۔

"وہ فلموں میں کام کرتا ہے امی!" زروہ نے ہنسی دبا کر بتایا تو انہوں نے خفگی سے ان سب کی طرف دیکھا۔

"یہ تربیت کی ہے میں نے تم لوگوں کی۔ ایک شریف 'معزز باپ کی عمر کے بندے کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔"

"سوری امی! مگر دیکھیے نا رونی چاچا خود کو کب بزرگ کہلوانا پسند کرتے ہیں۔ بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ انہیں چاچا بھی نہ کہا جائے۔" سارہ نے ماں کی ناراضی دور کرنے کی غرض سے تفصیلاً جواب دیا تھا۔

"بھائی رؤف کی تو مت ہی ماری گئی ہے۔ وہ دو بیاہیاں بھگا کر تیسری کے چکر میں ہے۔" اسی پل قمری خالہ نے دروازے میں جھانکا تھا۔ شاید انہوں نے رونی چاچا کی تعریف سن لی تھی۔

"کپڑے سل گئے فاخرہ بیٹی!"

"جی خالہ! آجائیں اندر... چائے وغیرہ لیں۔" فاخرہ نے حلاوت سے مروت کے ہاتھوں مجبور ہو کر کہا تھا۔ حالانکہ جانتی بھی تھیں کہ گھر میں اس وقت دودھ نہیں ہے۔

"نہ بیٹی! ابھی جلدی میں ہوں۔ بھتیجوں نے شادی کی دعوت میں جانا ہے۔ کبھی فرصت میں آکر بیٹھوں گی... یہ پیسے گن لو پورے پندرہ سو روپے ہیں۔ تکیوں اور رضائیوں کے لحاف پھر لے جاؤں گی۔" انہوں نے بھی محبت سے جواب دیا اور دروازہ بند کر کے چلی گئیں۔

"بڑی بھلی خاتون ہیں قمری خالہ۔" فاخرہ بچیوں کو بتا رہی تھیں۔

بیوگی کے بعد کا عرصہ "امی" مشقت بھری زندگی کی کہانی سناتے ہوئے ان کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ انہوں نے انگلش لٹریچر میں ماسٹرز کیا تھا اور ایک پرائمری اسکول میں پرنسپل رہی تھیں۔ پچھلے تین سالوں سے ریٹائرڈ ہو چکی تھیں۔ مبین کے حادثے کے بعد انہوں نے سلائی مشین سنبھال لی تھی۔ زروہ نے اپنی ماں کو ہر حال میں صبر اور شکر کرتے دیکھا تھا۔ آج تک ان کے لبوں پر کبھی شکوہ کا لفظ نہیں آیا۔

فاخرہ کی پینشن اور زروہ 'سارہ کی ٹیوشنز کی وجہ سے اچھی خاصی گھر کی گاڑی چل رہی تھی مگر مبین کے علاج کی وجہ سے ان کے مالی حالات بدترین ہو چکے تھے۔

"قمری خالہ نے بہت ساتھ دیا میرا۔" فاخرہ بتا رہی تھیں۔

"تمہارے ابو کی وفات کے بعد قمری خالہ کے دلاسے اور تسلیاں ہی تھیں جنہوں نے میرے بکھرے حوصلے بحال کیے۔ میں اسکول چلی جاتی تھی اور قمری خالہ تم لوگوں کے پاس آجاتی تھیں۔ کبھی کھچڑی پکا دی کبھی کھیر بنا کر کھلا دی۔ گھر کے چھوٹے موٹے کام نمٹا دیے۔ مہک اور سنبیہ کو تو انہوں نے ہی سنبھالا تھا۔"

"اسی لیے تو میں ان سے زیادہ پیار کرتی ہوں۔" مہک نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا تھا۔

"امی! جو میں نے قمری خالہ کے لیے سویٹر بنایا ہے۔ وہ میں نے ابھی نہیں دیا بلکہ ان کی سترویں سالگرہ پر دینا ہے۔" سنبیہ نے فاخرہ کو بتایا تھا۔

ادھر قمری خالہ کپڑوں کا شاپر اٹھائے گلی کی نکڑ پر آئیں تو مونچھوں کو بل دیتے رونی پر نظر پڑی۔ حسب توقع قمری خالہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

"وے بھائی رونی! تجھے گھر والے کچھ نہیں دیتے کہ بہو نے گھر سے فارغ کر دیا ہے۔ ناس مارے ہر وخت دھوپ میں سڑتا رہتا ہے۔ کبھی گھر میں بھی ٹک جایا کر۔ بچیوں کے اسکول کا وخت (وقت) ہوتا ہے اور تو آوارہ لونڈوں لپاڑوں کی طرح گلیوں کی نکڑوں میں کھڑا ہو کے بھاڑ سگریٹ پھونکتا رہتا ہے۔" قمری خالہ نے بلند آواز میں رونی چاچا کو تاڑ کر رکھ دیا تھا۔ رونی نے کڑوا سا منہ بنایا گویا بادام چبا لیے ہوں وہ بھی کڑوے کسیلے۔

"خالہ! تم میری ماں کی بھی خالہ لگتی ہو۔ اور مجھے کہہ رہی ہو بھائی۔ واہ واہ 'عورتیں بڑھاپے میں بھی عمر چور رہتی ہیں۔ مجھے برا نہیں لگا خالہ! تمہارا بھی قصور نہیں یہ تو تم عورتوں کی فطرت ہوتی ہے فلسٹاروں کی طرح کم عمر بننا۔" رونی نے ایک بے ڈھنگا قہقہہ لگایا تھا۔ قمری خالہ نے ناگواری سے رونی کی طرف دیکھا۔

"سارا جہان تجھے رونی بھائی اور رونی چاچا کہتا ہے مگر تجھے بھی عزت راس نہیں آئی۔"

"خالہ! کاہے کو غصہ کرتی ہو اچھا یہ بہو کا طعنہ بھی خوب مارا ہے 'اب اس لونڈے کو کون سمجھاتا جس نے سترہ، اس کی عمر میں میری جان کھا ماری تھی کہ بیاہ کروا ابا' ورنہ زہر کی پڑیا نگل لوں گا۔ اب بتاؤ خالہ! میری بھلا عمر ہی کیا تھی سو دادا بھی بن چکا ہوں۔" رونی نے رنجیدگی سے کہا اور مسکرایا۔

www.pkdigest.com

"ہاں' تیری تو عمر سہرے گانے باندھنے والی ہے نا۔" انہوں نے جل کر کہا تھا۔

"خالہ! دعا کرو پھر سے گھر بن جائے۔ جی وہ ڈی ایس پی کی سوانی (بیوی) روٹی تک پکا کر نہیں دیتی۔ گھر والی کی تو بات ہی اور ہوتی ہے۔" روفی نے روتی صورت بنائی۔

"شکر ہے تجھے بھی قدر آئی گھر والی کی۔ ورنہ دونوں کم بخت سڑتی جلتی دنیا سے گئی ہیں۔"

"خالہ! کوئی رشتہ ڈھونڈو نا۔" اس کا اشارہ کس طرف تھا۔ وہ جان چکی تھیں اسی لیے دل میں دو چار گالیوں سے بھی نوازا تاہم ظاہر کچھ نہیں ہونے دیا تھا۔

"تو کر لو کسی بیوہ' مطلقہ سے۔ ثواب بھی کما لو گے ساری زندگی لوگوں کی بد دعائیں اکٹھی کی ہیں۔" انہوں نے جل کر کہا۔

"لعنت ہو تم پر بڈھے شیطان' کروں گی بات فاخرہ سے کہ اس مردود سے محتاط رہے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی تاریک گلی میں مڑ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"بابا صاحب! چائے۔" اک مترنم شفاف گھنٹیاں بجاتی آواز سنائی دی تھی۔

"ادھر رکھ دو بیٹے!" انہوں نے اپنے دھیان سے چونک کر کہا تھا۔

"بابا صاحب! فارغ ہیں تو آجاؤں میں۔" اس نے نرمی سے اجازت لینے والے انداز میں کہا تھا۔ ان کا اثبات میں ہلتا سر دیکھ کر وہ اندر چلی آئی تھی۔ فرشی دری پر ان کے مقابل احترام سے بیٹھتے ہوئے وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر شاید مناسب الفاظ ڈھونڈ رہی تھی۔

"کیا بات ہے میرے بچے! کیا بولنا چاہتی ہو؟" انہوں نے سابقہ انداز میں آنکھیں موندے نرمی سے کہا تھا۔

"کیا بولوں بابا صاحب! آپ نے کون سا میری بات مان لینی ہے۔" اس نے آہستگی سے ناراضی بھرے انداز میں کہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں بچے!"

"کہاں ٹھیک ہیں۔ دوائیاں سب ختم ہو چکی ہیں اور آپ کے چیک اپ کی ڈیٹ بھی قریب آچکی ہے مگر آپ کا ارادہ نہیں لگتا شہر جانے کا۔" وہ خفگی سے انہیں یاد دہانی کروا رہی تھی۔

"عبدالباری خود دیکھ لے گا آپ کو۔"

"درمکنون! میرا وجود دنیاوی خوشیوں اور تکلیفوں سے آزاد ہو چکا ہے میرے بچے! تم اپنی تسلی کے لیے مجھے ڈاکٹروں کے پاس لے جاتی ہو اور میں تمہارا دل رکھنے کے لیے چل پڑتا ہوں حالانکہ مجھے کسی دوائی کی ضرورت نہیں۔ مجھے اس کی رحمت بیکراں نے خوب بھر بھر کر جام معرفت پلائے ہیں۔ ساغر پر ساغر آتے رہے اور میں عشق الٰہی سے سرشار خوب خوب سیراب ہوتا رہا اور میں اپنے پلانے والے سے ہر رات' ہر پل' ہر لمحہ یہی التجا کرتا ہوں۔ یہی درخواست کرتا ہوں۔

رات کے دوسرے پہر روتا ہوں' گڑگڑاتا ہوں کہ اے میرے پلانے والے! مجھے سیراب کرنے والے مجھ پر اور اپنا کرم کر اور مجھ پر فضل کر۔ میں نے ہر آفت' مصیبت' رنج' حادثہ' تکلیف اور مشقت میں صبر کیا ہے۔ میں نے صبر سے بڑھ کر اپنا دوست کسی کو نہیں پایا۔ میں نے دنیا کی طلب عرصہ ہوا چھوڑ دی ہے مگر اس دل کا کیا کروں میرے مالک جو اس سے ملنے کو' ایک مرتبہ ملنے کو تڑپتا ہے۔ ان آنکھوں کا کیا کروں جو آخری مرتبہ صرف اسی ایک چہرے کو دیکھنا چاہتی ہیں جس کا تصور مجھے رات رات بھر جگائے رکھتا ہے۔ وہ جو میری دعا کے حصار میں ہے کیا اس محبت کی آنچ اس تک نہیں پہنچی؟ یہ محبت جو میرے دل میں اس کے لیے ہے کیا اس تک میری محبت نے رسائی نہیں پائی۔"

وہ ایک مرتبہ پھر اپنے دھیان گیان میں گم ہو چکے تھے۔

درمکنون پچھلے ساڑھے تین سالوں سے انہیں اسی طرح دیکھ رہی تھی۔ وہ ٹھیک ٹھاک باتیں کرتے کرتے نہ جانے کہاں کھو جاتے تھے۔ چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ درمکنون خاموشی سے اٹھ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اب بابا صاحب کو ڈسٹرب نہیں کرنا۔ یہی ان کا معمول تھا جو وہ پچھلے ساڑھے تین سالوں سے دیکھ رہی تھی۔ آج کی شام اور پوری رات کے بعد نئی سحر کے طلوع ہوتے ہی وہ بالکل پہلے والے بابا صاحب بن جاتے تھے۔ تہجد کے وقت ان کی خوب صورت آواز میں قرات درمکنون کے اندر اک نئی قوت اور سرشاری بھر دیتی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا کوئی بہت میٹھی اور خوشبودار چیز اس کے اندر سرائیت کرنے لگی ہے۔

بابا صاحب کی آواز بہت خوب صورت تھی اور جب وہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور بلند آواز میں ترجمہ پڑھتے تو جی چاہتا تھا ساکت کھڑے بس انہیں سنتے رہیں۔ معمول کے مطابق صبح کا آغاز ہو چکا تھا۔ درمکنون نے سیپارہ پڑھنے والی بچیوں کو فارغ کرنے کے بعد ناشتا بنا کر بابا صاحب کو بھجوایا کچھ دیر بعد اسکول پڑھنے والی بچیاں بھی آگئی تھیں۔

"علم کو اپنے سینوں میں دفن مت کرو اسے جہاں تک ہو سکے لوگوں تک پہنچاؤ۔ میرا جی چاہتا ہے درمکنون! کہ اس بستی کی ہر بچی علم کے زیور سے آراستہ ہو۔ دینی اور دنیاوی علم اسے شعور اور آگہی دے۔ جہالت ایسا زنگ ہے جو دلوں کو کھوکھلا اور بے جان کر دیتا ہے۔" ایک مرتبہ بابا صاحب نے درمکنون سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا اور یونی ورسٹی آف پنجاب کی پوزیشن ہولڈر درمکنون نے ان کی خواہش کو پلو سے باندھ لیا تھا۔

"اے جاہل علم حاصل کرو کہ علم کے بغیر عبادت اچھی نہیں۔" چند دن پہلے وہ اپنے ایک شاگرد کو نرمی سے ڈانٹ رہے تھے اور درمکنون نے ان کے ہر لفظ کو ذہن میں کسی قیمتی متاع کی طرح محفوظ کر لیا تھا۔

"بی بی صاحب! بابا صاحب سے ملنے کوئی بابا جی شہر سے آئے ہیں۔ مینار پاکستان والے شہر سے۔" مریم نے آکر اسے صحن میں پیغام دیا تھا۔ اس نے مریم کو باہر بھیجا تاکہ مہمان کو لے آئے اور خود بابا صاحب کے کمرے سے ملحقہ کمرے میں پہنچ گئی۔

یہ کمرہ اس کے زیر استعمال بھی تھا اور اس کے ایک کونے میں کچن کا سامان بھی ترتیب سے رکھا ہوا تھا یعنی کہ یہ کمرہ بیک وقت کچن اور بیڈ روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ دونوں کمروں کے وسط میں لکڑی کا مضبوط دروازہ تھا جو کہ دن کے وقت اکثر کھلا رہتا تھا۔ دروازے کے سامنے دبیز پردہ لٹک رہا تھا تاکہ اندر کا منظر نظر نہ آئے۔

"سلام بابا صاحب!" کسی اجنبی بزرگ کی آواز سنائی دی تھی۔

"میں پہلے بھی حاضر ہوتا تھا۔ اپنے پوتے کے لیے دعا کروائی ہے۔ بہت بیمار رہتا ہے جی۔ میری زندگی کی کل پونجی ہے میرا پوتا۔" بابا جی کی آواز میں نمی محسوس ہو رہی تھی۔ شاید وہ رو رہے تھے۔ درمکنون نے چائے بناتے ہوئے سوچا۔

"اللہ سے مانگا کرو لوگو... کیوں گناہ گار ہوتے ہو۔ کیا کبھی اس باری تعالیٰ نے تمہیں مایوس لوٹایا ہے؟" انہوں نے بے حد رنج کے عالم میں پوچھا تھا۔

"نن۔ نہیں بابا صاحب۔"

"دعا کیا کرو... دعا میں بہت تاثیر ہے۔" وہ حلاوت سے کہہ رہے تھے۔

"غریب آدمی ہوں' مصیبتوں کا مارا ہوا۔ علاج بہت مہنگا ہے۔ شہر میں ایک کوٹھی میں کام کرتا ہوں۔ اس بڑھاپے میں بھی کوئی آرام نہیں۔"

"علما اور دانا فرماتے ہیں کہ مصائب کے ہجوم کی وجہ سے اللہ کا در مت چھوڑو۔ ہاں بس یہی دعا کرو اپنے پروردگار سے کہ وہ تجھے آزمائش میں نہ ڈالے جو تیری برداشت سے باہر ہو۔ کیونکہ آزمائش میں کوئی کوئی پورا اترتا ہے۔ یہ ایسی بھٹی ہے جس میں کندن کوئی کوئی بنتا ہے۔" ان کے چہرے پر زلزلے کے سے آثار تھے۔ اندر بیٹھی درمکنون تصور کی آنکھ سے بابا صاحب کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے چائے بنا کر بچی کے ہاتھ اندر بھجوائی اور خود باہر جانے کی بجائے دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندے بیٹھ گئی۔

www.pkdigest.com

"آپ نے سچ کہا ہے بابا صاحب! کہ آزمائش میں کوئی کوئی پورا اترتا ہے۔" اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

"جس کو چاہے رفعت دے، جس کو چاہے پستی۔ جس کو چاہے عزت بخشے، جس کو چاہے ذلت۔ جس کو چاہے معزول کرے، جس کو چاہے بحال کرے۔ جس کو چاہے تونگر بنائے، جس کو چاہے مفلس۔" بابا صاحب کہہ رہے تھے اور وہ مسلسل بے آواز رو رہی تھی۔ اس کی سیاہ چادر آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔

"اس نے مجھے رفعت عطا کی اور میں نے پستی کا انتخاب کر لیا۔ اس نے مجھے عزت بخشی اور میں نے ذلتوں کے ہار گلے میں ڈال لیے۔ اس نے مجھے نوازا اتنا نوازا کہ مجھے گندی گلیوں سے اٹھا کر محل عطا کر دیا اور میں نے اپنی عاقبت نااندیشی کی وجہ سے سب کچھ کھو دیا۔ میں نے کھو دیا سب کچھ میں کتنی خالی ہاتھ ہوں، کس قدر مفلس ہوں میں۔ کچھ بھی نہیں میرے پاس۔ محبت بھی نہیں۔ اے کاش! میرے پاس کچھ بھی نہ رہتا مگر اس ایک شخص کی محبت قائم رہتی۔ میں آج بالکل قلاش ہوں میرے پاس کسی کی محبت کے بے انتہا قیمتی سکے تھے جنہیں میں نے نفس اور خواہشوں کے پیچھے گنوا دیا۔" اس نے سر دیوار سے ٹکا اور اذیت سے کراہی۔

"میں نے تمہاری محبت کی قدر نہیں کی تھی اسی لیے آج بھی بے سکون ہوں۔ اس سکون کی تلاش نے مجھے در در بھٹکایا ہے۔" وہ زیر لب بڑبڑا رہی تھی۔

"بی بی صاحب! یہ برتن کہاں رکھوں۔" مریم کی آواز سن کر وہ چونک اٹھی تھی۔ سرعت سے آنسو صاف کیے اور آہستگی سے بولی۔

"یہیں رکھ دو دھولوں گی۔"

"اجازت دیں بابا صاحب! پھر آؤں گا۔" مہمان شاید اجازت طلب کر رہا تھا۔ اسی پل بابا صاحب نے مکرم کے ہاتھ پیغام بھیجا۔

"بابا صاحب کہتے ہیں دس ہزار روپے ہیں۔"

درمکنون نے مطلوبہ رقم مکرم کو پکڑا دی تھی۔ وہ جانتی تھی یہ پیسے مہمان کو دینے کے لیے منگوائے ہیں۔ ایسا ہمیشہ ہوتا تھا۔ آج تک کوئی خالی نہیں گیا تھا چاہے کوئی ایک مرتبہ آئے یا ایک ہزار مرتبہ ضرورت کے مطابق بابا صاحب ہر سوالی کی امداد کرتے تھے اور درمکنون بے حد حیران پریشان ہوتی تھی کہ بابا صاحب کے پاس اتنے پیسے نہ جانے کہاں سے آتے ہیں۔ ان کے بینک اکاؤنٹ میں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں روپے موجود تھے اور ان کا معیار زندگی اس قدر سادہ۔

☆ ☆ ☆

"اس یک طرفہ ناراضی نے مزید کتنے دن برقرار رہنا ہے۔" پچھلے ایک ہفتے سے وہ گھر نہیں آیا تھا۔ لنچ کرنے کے بعد وہ اپنے بیڈ روم میں آئی تو زیان پہلے سے موجود تھا اور کسی سے فون پر گفتگو فرمائی جا رہی تھی۔ اسے آتا دیکھ کر زیان نے فون بند کر کے رخ روشن اس کی طرف کر لیا تھا۔

"اونہہ... تمہیں پروا ہے کسی کی ناراضی کی۔ ایک ہفتے بعد یاد آئی ہوں میں۔" عنوہ نے جل کر سوچا۔

"میرے محبوب کی ——— پیشانی پر یہ دو نازک سلوٹیں مجھے باخبر کر رہی ہیں کہ مادام ہمیشہ کی طرح انگارے چبا رہی ہیں۔" اس کی رگ ظرافت ہمہ وقت پھڑکتی رہتی تھی۔

"کس قدر بے حس انسان ہے ایک بیوی کی روح زخمی کی ہے اور دوسری کا جسم مگر شرمندگی نام کی کوئی چیز نہیں جھلک رہی اس فریش چہرے پر۔" اس نے تنفر سے سر جھٹکا۔

اسے وہ ذلت یاد آ رہی تھی جو اس گھر میں داخل ہونے کے دوسرے روز اسے کسی ایوارڈ کی طرح ملی تھی بغیر خواہش کے۔ اسے دوسری بیوی کا طعنہ گالی کی طرح ہی لگا تھا۔ وہ جو فخر اور غرور "من چاہی" بیوی کا تھا پل بھر میں ہی خاک ہو گیا۔

"اے شعلہ خاتون" انگارہ بدن اے میری لالہ رو

نازک اندام زوجہ محترمہ! کاہے کو جل جل کر خون جلاتی ہو۔ کھاؤ پیو اور عیش کرو ہمارے ہمراہ۔ ادھر ادھر دیکھنا چھوڑ دو۔ یہ ہمدردیاں تمہیں مہنگی نہ پڑ جائیں کیونکہ سب اپنے اپنے کیے کا بھگتان بھگت رہے ہیں۔ کسی نے کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا جس نے جو بویا وہ ہی کاٹا ہے۔ یہ عمل کا ردعمل ہے۔" وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں اسے بہت کچھ باور کروا چکا تھا۔ مگر یہ گتھی سلجھنے کی بجائے مزید الجھتی چلی گئی۔

"میں تمہاری بات سمجھی نہیں۔" اتنا تو وہ جان چکی تھی کہ درپردہ وہ رانیہ کے متعلق بات کر رہا ہے۔ اسی لیے اس کی بے چینی اور الجھن مزید بڑھ گئی۔

"تمہیں سمجھنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ جو تمہارا کام ہے وہ ہی کرو یعنی ہمارا جی بہلانے کا۔ اب فضول باتیں کر کے میرے اچھے بھلے موڈ کا بیڑہ غرق مت کرنا۔" اس نے وارننگ دینے والے انداز میں کہا تھا۔

"پہلے ہی ایک ہفتے بعد نظر آئی ہو۔ خود کو سنوارو سجاؤ بناؤ۔ آرائش زیبائش کرو۔ ہمارے آگے پیچھے پھرو۔ ظالمو! دل بہلانے کا کوئی سامان تو کرو۔" وہ مسکرایا اور پھر دو قدم کے فاصلے کو مٹا کر اس کے مقابل آ کھڑا ہوا اور دوسرے ہی پل وہ اس کی بانہوں میں پھڑپھڑا رہی تھی۔

"عورت اپنے مرد کے لیے خوشی ہوتی ہے یعنی کہ اسے خوش کرنے والی، راضی کرنے والی۔ ادائیں دکھا کر دل کو لبھانے والی۔ میں تمہارے عشق میں عشقی یعنی بلندی عشق کی آخری حد تک پہنچا ہوں۔ مجھے اپنی محبت کی زنجیروں میں باندھ رہنا عنوہ! میں کسی اور جزیرے کو دریافت کرنے کی خواہش نہیں رکھتا۔ اتنا یقین رکھنا کہ میرے ہارٹ کے ریجن (علاقے) میں دور دور تک صرف تمہارا قبضہ ہے یہاں کوئی دوسری عورت فتح کے جھنڈے نہیں گاڑے گی۔ ہم آل ریڈی اس جاگیر کو تمہارے نام لکھ چکے ہیں۔ ہاں اگر ادھر ادھر منہ مارا ابھی تو شامت ہونا ہے کیونکہ لوٹ کے بدھو ہمیشہ گھر کو ہی آتے ہیں۔" اپنی محبت کی شدتیں

لٹاتا وہ آخر میں حد درجہ شرارتی انداز میں اسے چھیڑتے ہوئے بولا تھا جبکہ عنوہ نے تو دل تھام لیا تھا۔

"یعنی کہ میری موجودگی میں بھی ادھر ادھر منہ مارنا اور پھر وہ جو اوپر زندہ حقیقت موجود ہے 'مائی گاڈ'۔" اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔ غصے کے مارے بھنویں تن گئیں۔ احساس توہین سے آنکھوں میں سرخی چھا گئی۔ اس نے شدید غصے کے عالم میں زیان کی بانہوں کے حلقے کو توڑنا چاہا۔

"صد افسوس! میری گولڈن چڑیا! اس مضبوط فولاد کے پنجرے میں محض پھڑپھڑا ہی سکو گی۔ جانم! نہ اتنا زور آزماؤ کہیں ہڈی وڈی نہ تڑوا لینا۔" اس نے عنوہ کے چہرے پر جھک کر ایک اور لطیف سی بھرپور شرارت کر ڈالی تھی۔ اس کو ستاتے جلاتے میں زیان کو بہت مزا آ رہا تھا۔ اس نے بازوؤں کو مزید کس کر زوردار جھٹکا دیا تو عنوہ کی چیخ نکل گئی۔

"ظالم جنگلی، وحشی۔"

"اور بھی کچھ کہو خاموش کیوں ہو گئی ہو؟" وہ اس پر جھکے جھکے پوچھ رہا تھا۔ عنوہ کچھ نہیں بولی تھی۔ اس وقت وہ اسے غصے سے گھور بھی نہیں سکتی تھی۔ زیان اس کی بے بسی پر کھل کر مسکرایا۔

"یہ کہو نا حیا، شرم، لاج، غیرت وغیرہ وغیرہ آ رہی ہے۔

یہ رخساروں کی سرخی، یہ گالوں کی گلابیاں یہ جھکی جھکی نظریں... میری گناہگار آنکھوں نے کیسے کیسے حسین منظر دیکھے تھے۔" زیان نے اس کے بالوں کو جھٹکا دیا تو وہ ایک دم چلائی۔

"چھوڑو مجھے... اب مجھے چھوا تو پھر دیکھنا۔"

"اس مزاحمت کی وجہ سمجھ نہیں سکا میں۔" وہ آنکھیں سکیڑ کر حیرانی سے بولا۔

"اونہہ... جان کر انجان بننے کی ایکٹنگ، وجہ تو اور موجود ہے۔" اس نے سلگتے ہوئے کہا۔ زیان چند پل اس کا چہرہ دیکھتا رہا تھا۔ پھر ایک دم ہی پیچھے ہٹ کر تکیے دہرے کر کے نیم دراز ہو گیا۔

"کوئی اور مضبوط دلیل پیش کرو۔ میں اس وجہ کو

www.pkdigest.com

تسلیم نہیں کرتا۔" اس نے ناگواری سے کہا۔
"آپ تسلیم نہ کریں۔ کیا اس حقیقت سے انکار ممکن ہے کہ رانیہ آپ کی بیوی نہیں؟ وہ آپ کے نکاح میں نہیں؟ اس گھر میں وہ موجود ہے کس حیثیت سے؟" عنوہ آگ بگولا ہو گئی تھی۔
"اس نے مجھے سچائی بتائی اور تم نے اسے بے دردی سے مارا، تشدد کیا اس پر۔ ظلم کی کوئی حد بھی ہے کہ نہیں اور رہی میں تو میرے نقصان کا خسارہ کون پورا کرے گا۔ میں اس عظیم دھوکہ دہی کا مقدمہ کس عدالت میں پیش کروں۔" وہ چلا چلا کر بول رہی تھی مگر مقابل ہنوز پرسکون جذبے لٹاتی نگاہوں سے دیکھ کر اسے جھنجلاہٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔
"میں نے تمہارے ساتھ کوئی دھوکہ نہیں کیا۔ تمہاری ماں سب جانتی ہے۔ میرا ماضی اور حال کھلی کتاب کی مانند ہے۔ کم از کم تمہاری ممی میری پوری ہسٹری سے واقف ہیں۔ اب تمہاری ماں نے تمہیں کچھ نہیں بتایا تو اس میں میرا کیا قصور۔"
"کیا ممی جانتی ہیں کہ زیان شادی شدہ ہے اور اس کی پہلے سے ایک بیوی موجود ہے۔" عنوہ نے دکھ کی ایک تیز لہر من میں اترتی محسوس کی تھی۔
"مم ۔۔۔ میں یہاں نہیں رہوں گی۔ چلی جاؤں گی میں یہاں سے۔" اس نے ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا تھا۔
"مجھے کسی کی سیکنڈ چوائس نہیں بننا۔" وہ زہر خند ہوئی۔
"مان جاؤ عنوہ ڈیئر! کہ تم زیان عبیث کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہو۔ تمہیں بہت جیلسی فیل ہو رہی ہے نارانیہ سے۔" وہ پریقین لہجے میں تفاخر سے کہہ رہا تھا۔
"بھاڑ میں جاؤ تم بھی اور رانیہ بھی۔" وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی تھی۔ زیان مسلسل مسکرائے جا رہا تھا۔ عنوہ سوں سوں کرتی سرعت سے اٹھی اور وارڈ روب سے اپنا پرس نکال لائی۔
"رانیہ بے چاری کا کیا قصور ہے۔ اصل فساد کی جڑ تو یہ ہے ہر اچھی شکل دیکھ کر ریجھ جاتا ہے۔" اس نے دل ہی دل میں رانیہ سے سوری کیا اور زیان کی طرف پلٹتے ہوئے پھنکاری۔
"میں تمہاری اس نام نہاد محبت پر لعنت بھیجتی ہوں۔ محبت کے دھوکے میں نہ جانے کس کس کو برباد کیا ہے۔"
"محبت کے دھوکے میں تو میں برباد ہوا تھا۔ میں اپنا کیس کس عدالت میں پیش کروں۔" وہ سلگتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا تھا۔
"میں نے تمہیں کوئی دھوکہ نہیں دیا۔ میں ہر لحاظ سے فیئر تھی۔ مگر میری بدقسمتی ایک کرپٹ شخص میرے نصیب میں لکھا تھا۔" اس نے زہر خند لہجے میں کہا اور دروازے کی طرف بڑھی۔ زیان اسے جاتا دیکھ کر بھی نہیں اٹھا تھا بلکہ اطمینان سے ٹانگیں ہلاتا رہا۔
"میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے تم جیسی صاف شفاف بے داغ کردار کی مالک بیوی ملی۔ ایک شریف النفس عورت مرد کی پوری زندگی کا نادر و نایاب اثاثہ ہوتی ہے۔ جس کے پاس با کردار باحیا بیوی نہیں میرے نزدیک اس مرد سے بڑھ کر قلاش کوئی نہیں تمہارے جیسے پارس ہماری سوسائٹی میں ملنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہیں اور میں احمق اس عشبہ گوہر (قیمتی موتی) کی تلاش میں نہ جانے کن کن تنگ و تاریک گلیوں میں بھٹکتا رہا تھا۔ اسے پارس سمجھ کر ہاتھ لگایا تو جانا کہ وہ تو صرف نظر کا دھوکہ تھی 'انگارہ' تھی جلا کر راکھ کر دیا تھا اس نے۔ ہر کرشب تاب اصل لعل نہیں ہوتا ۔۔۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے اتنی سمجھ تو آ چکی ہے۔ ویسے ہماری سوسائٹی میں ۔۔۔۔۔۔ سے خالص ملنا بہت مشکل ہے۔ شراب ہو یا عورت سب ملاوٹ شدہ۔" وہ سنجیدگی سے بول رہا تھا۔ ساتھ ساتھ کن انکھیوں سے عنوہ کو دروازے کی ناب سے الجھتا بھی دیکھ رہا تھا۔ وہ جھنجلاتے ہوئے دروازہ کھولنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔
"جان عنوہ! یہ لاک آپ نہیں کھول سکیں گی۔

اس کوٹھی کے تمام لاک ریموٹ سے کھلتے ہیں جانم! اپنی جان جلاؤ۔۔۔ اس حسین زندان سے نکلنا بہت مشکل ہے۔ خود کو کیوں خوامخواہ الجھاتی ہو۔۔۔ دوسروں کی خاطر خود کو اذیت دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔ رانیہ کے لیے جگہ خالی کرتے ہوئے خود کو مصیبت میں نہ پھنسا لینا۔ اتنی سی بات تمہاری عقل میں نہیں سما رہی کہ اگر رانیہ کی جگہ اس دل میں ہوتی تو وہ تم سے پہلے اس بیڈ روم میں موجود ہوتی۔ تمہیں پہلے بھی بتایا تھا کہ میں اپنے ڈیزن خود لیتا ہوں۔ اگر میں نے رانیہ کو پہلو میں بٹھانا ہوتا تو تمہیں کیوں یہاں لاتا۔" وہ دل جلانے والی مسکان لبوں پر سجا کر بول رہا تھا۔ عنوہ تھک کر واپس پلٹی اور تھکے تھکے قدم اٹھاتی صوفے کی طرف بڑھ گئی۔
"اوں۔۔۔ ہوں وہاں نہیں یہاں آؤ۔" اس نے تحکم بھرے لہجے میں کہا تھا۔ فرار کا کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔ وہ اسے فاتحانہ مسکراتے دیکھ رہی تھی۔
"میری بے بسی کا اڑا لو مذاق۔" اس نے تلخی سے کہا۔
"تمہاری جھوٹی محبت کو مذاق سمجھ رکھا ہے۔" وہ عنوہ کو اپنے حصار میں لیتے ہوئے گمبھیر جذبوں سے بوجھل آواز میں کہہ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"بابا صاحب! عبدالباری آئے ہیں۔ زمینوں کا حساب لے کر۔" نکرم نے مودب لہجے میں اطلاع دی تھی۔
"اندر بھیج دو باری کو اور ہاں در مکھوں سے کہو باری کے لیے کھانا تیار کرے۔" انہوں نے اپنی مخصوص نرم آواز میں کہا تھا۔ کچھ دیر بعد عبدالباری کمرے میں داخل ہوا۔ چھ فٹ سے نکلتا قد 'مضبوط بدن' تیکھے نقوش صاف رنگت والا خوبرو نوجوان۔
یہ بھی اللہ کی طرف سے تحفے میں ملی نعمت۔ جس کی شرافت 'نجابت' ذکاوت کے چرچے تھے۔ ان کے ہاتھوں سے پرورش پانے والا مضبوط وجود نے انہوں

قہقہوں سے گندھی ہوئی تحریر۔
اداس اور غمگین قارئین کے لیے
ایک غم گسار کہانی

وہ غائب ہونا چاہتا تو حاضر ہو جاتا
حاضر ہونا چاہتا تو غائب ہو جاتا
ایک مرد بد حواس کی داستان حیرت
شگوفے، پھلجھڑیاں اور بتاشے

حاضر غائب
اظہر کلیم ایم اے

قیمت: -/300 روپے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

نے اطاعت، زہد، ورع، توکل، قناعت اور صبر کا درس دیا تھا۔ ان کا کل سرمایہ اور قیمتی اثاثہ عبدالباری تھا۔ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون۔

ایسے بیٹے باپ کا فخر ہوتے ہیں جب قدم سے قدم ملا کر چلیں تو گردن میں اونچی ہو جاتیں۔ سینے کی گرمی اور قلب کا چین۔

"کتنے بدنصیب ہیں عبدالباری کو پیدا کرنے والے ماں باپ اور کتنا خوش نصیب ہوں میں جسے اس وجود کا سہارا ملا۔" انہوں نے چمکتی آنکھوں سے سامنے بیٹھے باری کی طرف دیکھ کر سوچا۔

"وہ اپنے اصل کی کھوج میں تھا اور بابا صاحب اسے کیا بتاتے۔ کہ جو راز سینوں میں دفن ہیں انہیں یوں ہی دفن رہنے دو۔ آگہی کا عذاب زہر ہے پورے وجود کو نیلا کر دے گا سچ بھی اور حقیقت بھی جس راز کی پردہ پوشی اللہ نے کر دی ہے اسے میں کون ہوتا ہوں فاش کرنے والا مت بھٹکو میرے بچے اپنوں کی تلاش میں نرا خسارہ ہے نرا نقصان کھو جاؤ گے بے حس لوگوں کے ہجوم میں خالص پن دیا ہے میں نے تمہیں تم کیا جانو کتنی مجبور ہو گی تمہاری ماں۔"

"بابا جان! کیا سوچ رہے ہیں؟" عبدالباری کی بھاری دھیمی آواز نے انہیں سوچوں کے حصار سے کھینچ نکالا تھا۔

"بیٹے! اس عمر میں بولنے سے زیادہ سوچنا اچھا لگتا ہے۔ یہ بتاؤ کیسا رہا تور؟"

"بابا صاحب! توقع سے زیادہ منافع ملا ہے۔ فصل بہت اچھی تھی اور پھل بھی تازہ اور صحت مند۔ یہ سارا حساب کتاب لکھا ہے آپ دیکھ لیں۔" باری نے ایک رجسٹر ان کی طرف بڑھایا جسے انہوں نے بغیر پڑھے تپائی پر رکھ دیا۔

"یہ رہی تمام رقم۔ خرچہ اور لیبر کی تنخواہیں نکال کر پونے نو لاکھ کی بچت ہوئی ہے۔" وہ انہیں تفصیل بتا رہا تھا۔

"تم نے اپنی پاکٹ منی رکھ لی بیٹا!"

"میرے کون سا اتنے زیادہ اخراجات ہیں۔ بس زندگی کی گاڑی چل رہی ہے۔" وہ لاپروائی سے بولا۔

"اسی لیے تو کہتا ہوں گھر والی لے آؤ جب روز ضد کرے گی ناشاپنگ کرنے کی پھر میں پوچھوں گا۔" بابا صاحب نے مسکرا کر کہا تھا۔

"تو مجھے ایسی فضول خرچ عورت سے شادی کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جو آئے دن بازاروں میں ہی بسیرا کیے رکھے۔ میرے لیے کوئی ایسی قناعت پسند خاتون لے آئیے گا۔" اندر آتی در مکنون کو دیکھ کر عبدالباری نے شرارت سے کہا تھا۔ در مکنون کو یوں لگا گویا کسی نے خنجر سینے میں گھونپ دیا ہے۔

"قناعت پسند۔" وہ تلخی سے مسکرائی اور کھانا دسترخوان پر چننے لگی۔

"پچھلی مرتبہ جب میں آیا تھا۔ تب بھی تم نے یہی ڈریس زیب تن کر رکھا تھا۔ ویسے مجھے ایسی قناعت پسند دوسرے معنوں میں کنجوس ترین خاتون کہیں نہیں ملے گی۔ چراغ کی بجائے ٹیوب لائٹ بھی لے آؤں تو ناکام ہی لوٹوں گا۔" بابا صاحب وضو کے لیے اٹھے تو عبدالباری کو بھی موقع مل گیا تھا۔

"خاموشی سے کھانا کھاؤ۔ ورنہ شکایت لگا دوں گی۔" در مکنون نے اسے دھمکانا چاہا۔

"کوئی پروا نہیں اپنا شوق پورا فرمائیے۔ میرے لیے تو بابا صاحب تک بات پہنچانے میں آسانی ہو گی۔" وہ پرشوق نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ در مکنون خود سے الجھتی باہر نکل گئی۔

"تمہیں معلوم نہیں کہ میں کون ہوں۔ جان گئے تو صرف نفرت کرو گے نفرت۔" وہ تلخی سے سوچ رہی تھی۔ اک اذیت تھی اک درد کا طوفان تھا جو بائیں پہلو سے اٹھ رہا تھا۔

دوسرے دن عبدالباری جانے کو تیار کھڑا تھا اور ہمیشہ کی طرح بابا صاحب سے الجھ رہا تھا۔

"بابا صاحب! اب میں آپ کی ایک نہیں سنوں گا۔ اگلے ہفتے آپ کو حویلی ضرور جانا ہو گا۔ یہاں قطعاً سہولیات نہیں ہیں۔ آپ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی۔ بارٹ سپیشلسٹ ہیں آپ میں آپ کو یہاں

نے سے روکوں گا نہیں بلکہ ہفتے کے چار دن آپ یہاں رہیں گے اور شام کو واپسی ہے کیونکہ ادھر کوٹھ میں آپ کے خوابوں کا محل کھڑا کیا ہے میں نے آپ کی دیرینہ خواہش پوری ہونے والی ہے۔ بس مزید میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ کیونکہ سرپرائز کا مزا کرکرا ہو جائے گا۔" وہ اپنی عادت کے برخلاف تیز تیز بول رہا تھا یقیناً اسے جانے کی جلدی تھی۔

"آپ بھی خاتون تیار رہیے گا۔" اس کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ نرم آواز میں کہتا دروازہ عبور کر گیا تھا جبکہ در مکنون ساکت کھڑی اسے جاتا دیکھ رہی تھی۔

"میں تمہارے خالص جذبوں کی پذیرائی کیسے کروں عبدالباری! کہ میں تو ٹھکی عورت ہوں۔ دو مردوں کی ٹھکرائی ہوئی۔" وہ دھیمی آواز میں آنسو بہاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اور دور کھڑے بابا صاحب کی نگاہیں اس کے چہرے پر نہ جانے کیا کیا کھوج رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"میں تین بیٹوں کی ماں ہو کر بھی بے بس ہوں۔" وہ تھکی تھکی آواز میں چہرے پر پھیلے آنسو دوپٹے کے پلو سے صاف کرتی کہہ رہی تھیں۔

"ایک بستر پر پڑا ہے۔ دوسرا صمد اکا اجنبی اور متنفر ہے۔ جسے میری محبت کی آنچ بھی پگھلا نہیں سکی اور تیسرا نہ جانے کہاں بھٹک رہا ہے۔" فاخرہ مسلسل رو رہی تھیں۔ اتنے سالوں بعد آج پھر ان کے لبوں پر بیٹوں کا ذکر آنسو بن کر بہہ رہا تھا۔ زروہ سبزی کی ٹوکری وہیں رکھ کر امی کے قریب آکر بیٹھ گئی تھی۔

"امی! آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔"

"یہ طبیعت نہیں سنبھلنے والی میرے بچے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔ زروہ اٹھ کر ٹھنڈا پانی گلاس میں بھر کر لے آئی اور پھر ان کے آنسو اپنے نرم ہاتھوں سے چننے لگی۔ اسی پل منیہ دھاڑ سے دروازہ کھولے آئی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا۔

"خیریت تو ہے۔" فاخرہ اور زروہ نے دہل کر پوچھا۔

"امی۔۔۔ امی! وہ اسی شہر میں ہیں۔ میں نے خود انہیں دیکھا ہے۔ اتنی شاندار گاڑی میں تھے اتنے خوب صورت پہلے سے بھی زیادہ شاندار مگر۔۔۔" وہ خوشی سے کپکپاتی آواز میں بتاتی اک لمحے کو الجھ کر خاموش ہو گئی تھی۔

"مگر کیا۔۔۔" سارہ اور مہک بھی باہر نکل آئی تھیں۔ ان کے چہروں پر بھی دبا دبا جوش تھا۔

"ان کے ساتھ در مکنون آپی نہیں تھیں بلکہ کوئی اور بہت ہی حسین لڑکی تھی۔" منیہ نے بے حد رنجیدگی سے کہا تھا۔ ہزار خدشے چھپے تھے اس کے غمزدہ لہجے میں۔

"کیا۔۔۔؟" فاخرہ دل تھام کر رہ گئی تھیں۔

☆ ☆

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

عبدالاغنی کا تحفہ

کھانا خزانہ

نیو کور، کا نیا ایڈیشن

جس میں گوشت کے پکوانوں

کی 25 لذیذ ترکیبیں

20 خوبصورت رنگین تصاویر

نئے ایڈیشن میں -/25 روپے کی خصوصی رعایت

نئی قیمت -/225 روپے ڈاک خرچ -/25 روپے

آج ہی منی آرڈر یا ڈرافٹ ارسال فرمائیں۔

منگوانے کا پتا:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی۔

فون 2216361

نایاب جیلانی

طلوعِ سحر ہے شامِ قلندر

دوسری قسط

"امی! پلیز خود کو سنبھالیے' کیوں ان بے حس لوگوں کے لیے آپ خود کو اذیت دے رہی ہیں۔ کس کے لیے یہ قیمتی آنسو ضائع کر رہی ہیں' اس بے غیرت' بے شرم بھتیجی کے لیے جو تھوک کر چلی گئی تھی ہم سب پر۔ اس نواب کی اولاد کو نفرت تھی ہم سب سے' ہمارے رہن سہن سے' ہماری ان گلیوں اور چوباروں سے۔ اس نے جو چاہا تھا' سب کچھ پالیا۔ وہ عیش و عشرت کی زندگی گزار رہی ہے۔" زروہ نے تلخی سے کہا اور امی کی ہتھیلیاں دبانے لگی۔

مکمل ناول

"مجھے مکنون کی نہیں' اس سنگدل کی "یاد" ستاتی ہے۔ تم نے دیکھا تھا نا زروہ! جب میں نے اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے کر چوما تو اس نے میرا ہاتھ جھٹک دیا۔ کیسا کٹھور اور بے رحم ہے وہ۔ اجنبی سا بن کر آتا تھا اس گھر میں۔ بات نہیں کرتا تھا۔ کلام نہیں کرتا تھا۔ حتیٰ کہ میری طرف دیکھتا بھی نہیں تھا اور میں پھر بھی خوش تھی۔ میری پیاسی نگاہیں اسے دیکھ کر سیراب ہو جاتی تھیں مگر پھر لے اڑی در مکنون اسے۔"

"امی! آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ ان کا ذکر نہیں ہو گا مگر۔۔۔" زروہ نے غصے کے عالم میں کہا تھا۔ اسی پل خالہ قمری کسی خاتون کے ہمراہ مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوئیں۔ فاخرہ انہیں دیکھ کر سنبھل گئی تھیں۔ زروہ سبزی کی ٹوکری اٹھائے مبین کے کمرے میں چلی گئی۔

"فاخرہ! یہ میری پڑوس میں رہتی ہے۔ بیٹی ہی سمجھ لو۔ اپنی زروہ کے لیے آئی ہے۔" خالہ قمری نے ہاتھ دبا کر فاخرہ سے سرگوشیانہ کہا تھا۔ فاخرہ قدرے بوکھلا گئی تھیں۔

"اندر چلیے یہاں بیٹھنا مناسب نہیں۔"

"نہ بہن! تکلف کی ضرورت نہیں۔ بڑی سادہ طبیعت کی ہے شگفتہ۔ ہم یہیں ٹھیک ہیں اور ہاں چائے پانی کا بھی تکلف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے بھتیجے کے بیٹے کے لیے آئی ہے۔ بچہ ماشاءاللہ آرمی میں میجر ہے۔ سمجھا ہوا شریف بچہ ہے۔ تم ایک دو دن تک آکر دیکھ لینا۔ میں چلوں گی تمہارے ساتھ۔" خالہ قمری نے خود ہی سب کچھ طے کر رکھا تھا۔ دراصل وہ روفی کے تیوروں سے خوفزدہ ہو گئی تھیں۔ کم بخت دو مرتبہ انہیں پیام بھیج چکا تھا۔ وہ تو فاخرہ کی پریشانی کی وجہ سے انہیں کچھ بتانا نہیں چاہتی تھیں۔ ارادہ یہی تھا کہ فاخرہ کو اعتماد میں لے کر زروہ کا رشتہ طے کرنے کے بعد سادگی سے رخصتی کر دی جائے۔

شگفتہ کے جانے کے بعد خالہ کافی دیر بیٹھی رہی تھیں۔ قمری خالہ ماڈل ٹاؤن میں اپنے بھتیجے کے ہمراہ رہتی تھیں۔ اولاد تھی نہیں۔ بھتیجے کے بچوں کو اپنے بچے سمجھ کر پالا تھا۔ دو گلی چھوڑ کر ان کی ایک رشتے کی بھانجی رہتی تھی۔ پہلے پہل خالہ اپنی بھانجی کے پاس رہا کرتی تھیں۔ بھانجی کا شوہر دوبئی سیٹ ہو گیا تو وہ بھی

بچوں کے ہمراہ شوہر کے پاس چلی گئی تھی۔ خالہ کو ان کا بڑا بھتیجا اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

"خالہ! تو پھر کس دن چلنا ہے شگفتہ کے گھر۔" فاخرہ کو نفیس مزاج کی شگفتہ بہت پسند آئی تھیں۔ دراصل شگفتہ نے زروہ کو اسکول میں دیکھا تھا۔ انہیں یہ سنجیدہ، سلجھی اور سادہ سی لڑکی بھا گئی تھی۔ بڑی دو بہویں اونچے گھرانے سے لا کر وہ بہت پچھتائی تھیں۔ دونوں اپنے اپنے شوہروں کو لے کر الگ ہو چکی تھیں۔ اب وہ تیسرے بیٹے کو کھونا نہیں چاہتی تھیں۔ خالہ سے ذکر کیا تو وہ انہیں بالکل صحیح جگہ لائی تھیں۔

"کل اتوار کو چھوڑ کر پیر کی شام کو چلیں گے۔" خالہ کچھ سوچتے ہوئے آہستگی سے بولی تھیں پھر قدرے قریب کھسک آئیں۔ فاخرہ سمجھ گئی تھیں کہ خالہ کوئی ضروری بات کرنا چاہتی ہیں۔

"دیکھ بیٹی! یہ رؤف کم بخت کے تیور اچھے نہیں، ذرا محتاط رہنا۔"

"کیا مطلب خالہ! میں سمجھی نہیں۔" فاخرہ نے الجھ کر کہا۔

"وہ دراصل پھر بیاہ کے چکروں میں ہے۔ موا چار ٹکوں پر اکڑتا ہے۔ حیا بدبخت کی نہ جانے کہاں سوئی ہے۔" خالہ نے تلخی سے کہا۔ فاخرہ کے سلوٹ زدہ چہرے میں پوشیدہ تفکر کو دیکھنے لگیں۔

"ادھر کے چکر خبیث ایسے ہی تو نہیں لگاتا۔ میرے منہ میں خاک کیڑے پڑیں کمینے کے وجود میں، پانی نصیب نہ ہو نزع کے وقت کم بخت کو۔ اپنی زروہ کے لیے دو مرتبہ کہلوا بھیجا تھا اس نے۔"

"کیا۔۔؟" فاخرہ کے دل پر گویا گھونسا پڑا۔ برتن دھوتی زروہ کے ہاتھ بھی کپکپانے لگے تھے۔

"بڈھا شیطان، دو کو بھگتا چکا ہے۔" خالہ ترشی سے کہہ رہی تھیں، فاخرہ کو یاد آیا۔ باتوں ہی باتوں میں رؤفی نے بھی ایک دو مرتبہ ڈھکے چھپے الفاظ میں زروہ کے متعلق بات کی تھی۔

"بے شرم، بے غیرت۔۔۔۔ اس کی بیٹی سے بھی چھوٹی ہے زروہ۔ نہ جانے لوگوں کے دیدوں کی شرم کہاں گئی ہے۔" ان کا تو مارے اشتعال کے رواں رواں سلگ اٹھا تھا۔ مساموں سے پسینہ پھوٹ پڑا۔

"اس کے مکان میں رہتے ہیں کرایہ دے کر بات تو کر کے دیکھے۔ زبان کھینچ لوں گی میں اس کی۔" ان کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ اس کمینے کے وہ لتے لیتیں کہ یاد رکھتا۔ بہانے بہانے سے دروازے کے سامنے کیوں کھڑا ہوتا تھا، وہ تمام معاملہ سمجھ چکی تھیں۔ دل ہی دل میں وہ خالہ کی حد درجہ مشکور ہوئیں۔ زبان سے نہیں تو خالہ نے برا محسوس کرنا تھا۔ کیا پتا خفا ہی ہو جاتیں کہ فاخرہ نے ان کا مان توڑ ڈالا ہے۔ بھتیجوں سے ان کی محبت ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ ایمرجنسی میں وہ زروہ کے لیے ایک اچھا رشتہ لے کر آئی تھیں۔ ان کا خلوص اور محبت اسی بات سے ظاہر تھا۔

"فاخرہ! ایک بات بولوں، غصہ تو نہیں کرو گی۔" خالہ نے قدرے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔ فاخرہ نے ایک گہری سانس کھینچی۔ وہ جان گئی تھیں کہ خالہ کیا کہنا چاہتی ہیں۔

"تم بات کر کے دیکھو تو اسی شہر میں ہے۔ اتنا کٹھور تو نہیں کہ تمہارے حالات جان کر بے رخی برتے۔ کم از کم تھوڑا بہت تحفظ کا احساس ہو گا۔ کوئی انگلی اٹھانے سے پہلے سوچے گا تو ضرور کہ تمہاری پشت کمزور نہیں۔ سچ کہوں بیٹی! جب سے مبین کے ساتھ حادثہ پیش آیا ہے تب سے لوگ شیر ہونے لگے ہیں۔ جان گئے ہیں ناکہ گھر کا واحد مرد بستر پر پڑا ہے۔ کوئی کہنے سننے والا نہیں۔ جب دیواریں کمزور ہونے لگیں تو چوروں کو آسانی ہوتی ہے۔ بلکہ جھٹکے میں ڈھا دیتے ہیں۔ شوہر اور بیٹے ہی تو اصل مضبوط ستون ہوتے ہیں، جب عمارت کمزور ہو تو گرانے میں دیر نہیں لگتی۔ مبین بیمار ہے بستر پر پڑا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ وہ خود تو اٹھ نہیں سکتا، بہنوں کو کیا تحفظ دے گا۔ میری بات مانو، ایک مرتبہ اس سے کہہ کر تو دیکھو۔ تمہارا خون ہے، اتنا بھی بے رحم، سنگدل نہیں ہو سکتا۔"

"اونہہ۔ اس بدکردار، اوباش اور بدبخت کا بھی تو خون اسی کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ کیوں کرے گا وہ میرا اور میری بچیوں کا احساس۔" فاخرہ نے تھکی تھکی آواز میں کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"مس نینی! رانیہ سے کہیں، ہمارے ساتھ کھانا کھائے۔" عنوہ نے ڈائننگ روم میں داخل ہو کر مس نینی سے تحکم بھرے لہجے میں کہا تھا۔ گلاس میں جوس ڈالتے زیان نے چونک کر عنوہ کی طرف دیکھا اور پھر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"مس نینی! سنا نہیں آپ نے۔" وسیع و عریض ٹیبل کے ایک طرف کھڑی براؤن ساڑھی میں ملبوس مس نینی کوئی پتھر کا مجسمہ ہی لگ رہی تھی۔ عنوہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا گویا مس نینی نے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ احساس توہین سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"رانیہ بی بی کھانا کھا چکی ہیں۔" اس کی طرف بغیر دیکھے مس نینی نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

"رانیہ اتنی جلدی ڈنر کر لیتی ہے اور وہ بھی اکیلے۔" عنوہ نے حیرت سے کہا۔ ڈائننگ روم میں موجود دونوں نفوس نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ زیان بہت رغبت سے کھانا کھا رہا تھا۔ اسے بیٹھنے کی بھی آفر نہیں کی۔

"آپ رانیہ سے کہیں میں اسے بلا رہی ہوں۔ کھانا کھا چکی ہے، ساتھ دینے میں کیا حرج ہے۔" عنوہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے بظاہر سنجیدگی سے بولی تھی۔

"میم۔ آپ پلیز بیٹھیں اور یہ بتائیں کیا کھانا پسند کریں گی؟" وہ اس کا سوال گول کر کے فل سروس دینے کے لیے تیار تھی۔ عنوہ تو سر سے پاؤں تک سلگ اٹھی۔

"تھینکس، میرے ہاتھ سلامت ہیں۔ خود ڈال لوں گی۔ آپ اپنے صاحب کی "خدمت" بخوشی کر سکتی ہیں۔" اس نے جل کر کہا تھا۔ زیان نے لبوں پر امڈنے والی بے ساختہ مسکراہٹ چھپانے کا تکلف نہیں کیا تھا۔

"مس نینی! آپ جائیے، ان کے ہاتھ سلامت ہیں۔ یہ روٹی کھائیں گی اور پکا کر کھلائیں گی۔"

"کیا مطلب۔" عنوہ الجھی۔

"آپ ان کی کچن تک رہنمائی کریں، یہ محترمہ تازہ روٹی پکا کر لائیں گی۔ ہری اپ عنوہ!" زیان مس نینی سے مخاطب تھا اور دیکھ اس کی طرف رہا تھا جو کہ اس اچانک افتاد پر بوکھلا گئی تھی۔

"مم۔ میں۔" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"جی آپ۔ بہت دن ناز نخرے دکھا لیے ہیں۔ اب اپنی "اوقات" میں آجائیے۔" زیان سنجیدگی سے بلکہ سرد انداز میں کہہ رہا تھا۔

"تم مجھے "باورچن" بنا کر لائے ہو؟" عنوہ نے صدمے سے ڈوبی آواز میں کہا تھا۔

"نہ صرف باورچن بلکہ دھوبن بھی۔" اس کی معلومات میں اضافہ کیا گیا تھا۔ عنوہ نے رونی شکل بنائی۔

"مس نینی! آج سے آپ عنوہ کو اس کے کاموں کی فہرست بنا کر دے دیجیے گا۔ کل سے یہ ڈیوٹی جوائن کریں۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے
نسیم سحر قریشی کے 3 خوبصورت ناول
ستاروں کا آنگن قیمت -/400 روپے
[illegible] قیمت -/300 روپے
میرے دل میرے مسافر قیمت -/250 روپے
ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/45 روپے
32735021

www.pkdigest.com

"میں سمجھی نہیں تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" عنوہ نے حیرانی سے کہا۔

"فارسی میں نہیں بات کر رہا میں مس نینی تمہیں سمجھا دیں گی۔ ابھی فضول تکرار کرنے میں ٹائم ضائع نہ کرو اور فوراً" اچھی سی بالکل گول اور نرم روٹی پکا کر لاؤ۔ کنارے موٹے نہ ہوں اور نہ ہی جلا دینا۔" آخر میں تنبیہہ بھی کی گئی تھی۔ عنوہ حق دق سی دیکھتی رہ گئی۔

"آیئے میم۔" مس نینی گویا اس کا امتحان لینے کھڑی تھی۔ عنوہ مرے مرے قدموں اٹھاتی باہر نکل گئی۔

زیان اس کی جھنجلاہٹ محسوس کر چکا تھا' تاہم بغیر کچھ کہے نیپکن سے ہاتھ پونچھتا کھڑا ہو گیا۔ کھانا تو وہ کھا ہی چکا تھا۔ محض عنوہ کو ستانے کی غرض سے کچن میں بھیجا تھا اور ویسے بھی اس کے ہاتھ کی روٹی کھا کر اس کا مرنے کا ارادہ ہرگز نہیں تھا۔

ادھر کچن میں عنوہ گھبرائی بوکھلائی سی عجیب و غریب شکل کی روٹی ہاتھ میں پکڑے نہ جانے کس بات پر غور کر رہی تھی۔ مس نینی بمشکل ہنسی دبائے اس کی رنجیدہ شکل دیکھ رہی تھی۔

"ایسی روٹی زیان کھانا پسند نہیں کرے گا۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

"مجھے ایک اور کوشش کرنی چاہیے۔ شاید پہلے سے کچھ بہتر روٹی پکا سکوں گی میں۔"

اس نے ایک مرتبہ پھر روٹی بیلنا شروع کر دی تھی۔ اس طرح کی چار پانچ روٹیاں پکانے کے بعد اس نے نڈھال انداز میں پورے تین گلاس پانی پی کر اپنے حواس بحال کیے اور پھر مرے مرے قدم اٹھاتی ڈائننگ روم میں داخل ہوئی۔ زیان کی خالی کرسی اس کا منہ چڑا رہی تھی۔

"صاحب! کھانا کھا چکے ہیں میم! سونے سے پہلے ایک گلاس دودھ لیں گے۔" وہ اس کا دل جلانے کے لیے ایک مرتبہ پھر ڈائننگ روم میں تشریف لا چکی تھی۔ عنوہ کا دل اس قدر برا ہو چکا تھا کہ اس نے پلٹ کر اسے کوئی تلخ جواب دینا بھی ضروری نہ سمجھا۔ بغیر کھانا کھائے وہ غصے کے عالم میں باہر نکل گئی۔

"کتنی مکار۔ پتا بھی تھا کہ وہ کھانا کھا چکا ہے پھر بھی مجھے نہیں بتایا۔ ترس بھی نہیں آیا اس بے حس انسان کو مجھ پر۔ تین جگہ سے ہاتھ جلا بیٹھی ہوں۔" وہ آنسو پیتی بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

"یہ کپڑے دھوئے ہیں تم نے۔" وہ شرٹ ہاتھ میں لیے شدید صدمے کے عالم میں کہہ رہا تھا۔

"کیا ٹھیک سے صاف نہیں ہوئے۔" عنوہ بوکھلا کر سرعت سے قریب آئی۔

"نہیں' باقی سب تو ٹھیک ہے۔ بس کالر اور کف دھلنے سے محروم رہ گئے ہیں۔" وہ بے حد طنزیہ انداز میں جل کر بولا تھا۔

"میں نے تو رگڑ رگڑ کر دھلائی تھی۔ قسم سے ہاتھ بھی دکھنے لگے تھے میرے۔" عنوہ نے رنجیدگی سے کہہ کر شرٹ کا بغور جائزہ لیا۔

"ایک مرتبہ پھر اسے دھوتی ہوں' آپ کوئی اور پہن لیں۔" وہ مری مری آواز میں بول رہی تھی۔

واش روم کی طرف جاتے ہوئے اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ اس نے ایسے ہی تو دھوبن بنا منظور نہیں کر لیا تھا۔ ایک زوردار معرکہ ہوا تھا جس کے نتیجے میں وہ اپنا تمام تر فخر و غرور بھی کھو بیٹھی تھی۔ دو دن پہلے اس نے ببانگ دہل اعلان کر دیا تھا کہ وہ زیان کا کوئی کام نہیں کرے گی۔ ایسے نوکروں والے کام وہ اپنی رانیہ بیگم سے کروائے۔

"اصل' وہ بیگم' تم ہو' لہٰذا میرے کام تم ہی نے کرنے ہیں۔ کان کھول کر سن لو۔" زیان لاپروائی سے کہہ رہا تھا۔

"یہ اصل اور نقل کیا ہوتا ہے۔ بیوی تو بیوی ہوتی ہے۔ مجھے تمہاری کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی۔" عنوہ نے تنک کر کہا۔

"اصل' نقل کا مفہوم میں تمہیں پھر سمجھاؤں گا۔

ابھی تو تم ادب احترام کرنا سیکھو۔ آئندہ اس لہجے میں بات کی تو دیکھنا۔" زیان نے وارننگ دینے والے انداز میں کہا تھا۔

"تو پھر کیا کرو گے تم؟" اس نے آگ بگولا ہو کر کہا۔

"دو جھانپڑ لگا کر "آپ جناب" کرنا سکھاؤں گا۔" دوسری طرف اطمینان ہنوز برقرار تھا۔

"تم مجھ پر ہاتھ اٹھاؤ گے' یعنی عنوہ ہاشم فریدی پر۔" وہ تنفر سے بولی۔

"یہ غرور تم پر سوٹ نہیں کرتا۔" زیان ٹانگیں جھلاتا کہہ رہا تھا۔

"تم پر تو کرتا ہے نا۔" اس نے تلخی سے کہا۔

"آف کورس۔" وہ مسکرایا۔

"غرور پر مغرور ہونے کے لیے کچھ چیزوں کا ہونا ضروری ہے جو تم میں نہیں۔"

"جو مرضی کہہ لو گھر میں یہ نوکروں والے کام نہیں کروں گی۔" وہ غصے سے پھنکاری۔

"تمہاری ماں نے تمہیں ایک نوکر سے بھی کم درجے کا سمجھ کر میری طرف لڑھکایا تھا۔ یہ تو میری مہربانی سمجھو جو تمہیں ملازمہ سے مالکن بنا دیا ہے۔" زیان نے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ عنوہ ایک دم ٹھٹک سی گئی تھی۔ کم از کم اتنا تو وہ سمجھ چکی تھی کہ زیان بغیر "وجہ" اور ثبوت کے کوئی بات یونہی نہیں منہ پر مار دیتا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"صرف اتنا کہ تمہاری ڈیئر ممی نے ایک فل اسٹیبلش فیکٹری اور کروڑوں کی مالیت کے ہوٹل کے عوض میرا اور تمہارا رشتہ کیا تھا۔ سستے الفاظ میں یوں کہہ دیتا ہوں کہ انہوں نے تمہیں بیچ دیا ہے۔ بڑی بھرپور بزنس ڈیلنگ تھی۔ تمہاری مکار ممی نے پوری سازش سے فیکٹری اور ہوٹل ہتھیا لیا ہے۔ ایسے ہی تو ڈیئر ممی کی فرانس جانے کے لیے باؤلی نہیں ہو رہی تھیں ترپ کا آخری پتا سنبھال کر رکھا ہوا تھا ڈیئر خاتون نے۔ میں نے تو رسم و رواج کے مطابق پروپوزل پیش کیا تھا؟ ان خاتون نے بزنس کی زبان میں باتیں کرنا شروع

قہقہوں سے گندھی ہوئی تحریر۔
اداس اور غمگین قارئین کے لیے
ایک غم گسار کہانی

وہ غائب ہونا چاہتا تو حاضر ہو جاتا
حاضر ہونا چاہتا تو غائب ہو جاتا
ایک مرد بدحواس کی داستان حیرت
شگوفے، پھلجھڑیاں اور پٹاخے

حاضر غائب
اظہر کلیم ایم اے

قیمت: -/300 روپے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

www.pkdigest.com

کروی تھیں۔ میں نے تو تمہیں حاصل کرنا تھا' چاہے میری ساری دولت وہ اپنے نام لکھوا لیتیں پھر فرانس میں موجود معمولی سی فیکٹری اور ہوٹل کیا چیز ہے۔ میں ان معمولی اور مادی خساروں پر توجہ نہیں دیتا۔ اصل نقصان تو دل کا ہوتا ہے۔ بس خیال رکھنا ہمارا دل نہ ٹوٹے۔"

"کیا یہ سچ ہے۔" اس نے مری مری آواز میں بمشکل کہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا گویا کسی ٹوٹی بوسیدہ عمارت کا سارا ملبہ اس کے اوپر آگرا ہے۔

"یہی تلخ سچ ہے۔ میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں' صرف یہ باور کروانا چاہتا ہوں کہ تم جو مجھ سے چوری چوری پرائیویٹ ہاسٹلز میں فون کر کے کمرے کی بکنگ کا پروگرام بنا رہی ہو تو ایسا مت کرو۔ یہ سب بے کار ہے۔ تمہاری ممی نے ایک قانونی تحریر میرے حوالے کی تھی جس میں انہوں نے تم سے قطع تعلق ظاہر کیا ہے۔ تمہارے پاس خلع کا حق بھی نہیں۔ یعنی تمام راستے بلاک ہیں۔ یہ گھر تمہارا ہے میرے سمیت۔ نوکروں کی پوری فوج موجود ہے۔ تمہاری بات ان کے لیے "حکم" کا درجہ رکھتی ہے۔ تم ہر معاملے میں خود مختار ہو۔

یہ سامنے ریک میں آخری نمبر والا دراز کھولو گی' اس میں لاکر کی چابیوں کا گچھا موجود ہے۔ سیف کھولنا' اندر ہر ملک کی کرنسی موجود ہے۔ جس چیز پر دل آئے خرید لی جاؤ۔ میں تم سے حساب نہیں لوں گا۔

اور نہ شک مت کرو' نہ ہی شکی نگاہوں سے دیکھو' یہ سب حرام کی کمائی سے اکٹھا نہیں کیا۔ میرے خون پسینے اور جنون کی کمائی ہے۔ ایک وقت ایسا آیا تھا کہ مجھ میں دولت اکٹھی کرنے کی دھن سوار ہو گئی تھی۔ میں نے اتنا کمایا ہے' بے شمار' بے حساب کہ اپنے اثاثوں کی تعداد خود بھی معلوم نہیں مجھے۔ ڈیڈی کی صرف تین فیکٹریاں تھیں جو مجھے وراثت میں ملی تھیں۔ ان کی حالت بھی آخری ہچکی جیسی تھی۔ نہ مشینری تھی اور نہ ہی ورکر۔ ان تین فیکٹریوں کو تیرہ میں خود میں نے بدلا ہے۔ اپنی ذہانت' محنت اور جنون

ہے۔

دیکھو عنوہ! تمہیں اپنی ممی کے رویے سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ مائیں ساری ایک جیسی ہوتی ہیں۔ سیلفش' بے حس۔ چاہے اپر کلاس کی ہوں یا مڈل کلاس کی' تمہیں غم کھانے کی ضرورت نہیں۔ جب انہیں تمہاری پروا نہیں تو تم بھی لعنت بھیجو۔ میں نے تمہیں ہائی جینک (صحت افزا) ماحول دیا ہے تاکہ تم ذہنی بیمار نہ ہو۔ کھاؤ' پیو۔ صحت مند رہو۔" وہ شرٹ جھاڑتا اسے سوچوں میں گم سم چھوڑ کر چلا گیا تھا اور عنوہ اپنے ریزہ ریزہ وجود کی کرچیاں سمیٹتی رہ گئی۔ سارے کس بل تو خود بخود نکل گئے تھے۔ کہاں کے نخرے اور کیسے نخرے۔ ممی نے تو اسے اپنی ہی نظروں سے گرا کر دو کوڑی سے بدتر کر دیا تھا۔ وہ کس بل ہوتے پر اتنا اکڑتی جو پلاننگ کر رکھی تھی ہاسٹل شفٹ ہونے کی وہ زیان منہ پر مار کر چلا گیا تھا۔ سوائے اس گھر کے کہیں جائے پناہ نہیں تھی۔ سڑکوں پر دھکے کھانے سے بہتر تھا یہیں اطمینان سے رہتی۔

ویسے بھی اسے افسانوی سپرہٹ ہیروئن بننے کا کوئی شوق نہیں تھا جو بھرپور اکڑ سے نہ جانے کیسے گھر بھی چھوڑ دیتی تھیں اور نوکری کی تلاش میں بھی ماری ماری پھرنے لگتی تھیں۔ اس کی تو سڑکوں کی خاک چھاننے کے تصور سے ہی روح کانپ کانپ جاتی تھی۔

ٹب پانی سے لبالب بھر چکا تھا اور عنوہ شرٹ ہاتھ میں لیے سرف کا ڈبا کھولے سوچوں کے تانوں بانوں میں الجھی نہ جانے کون سے مسائل کے حل کی تلاش میں گم بیٹھی تھی۔ زیان نے زور سے کھنکار کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ گڑبڑا کر واش روم کے دروازے میں ایستادہ زیان کی طرف دیکھنے لگی۔

"کمال ہے عنوہ اس سے بہتر کوئی جگہ نہیں سوچنے کے لیے۔" زیان نے طنزیہ کہا تو عنوہ حد درجہ شرمندہ ہو گئی تھی۔ وہ دن پہلے جو کلاس لی تھی زیان نے اس کی۔ بڑی فائدہ مند ثابت ہوئی تھی وہ۔ جھڑپ۔ محترمہ عنوہ صاحبہ سرتاپا تو نہیں کچھ کچھ پہلے سے بدل گئی تھیں۔ البتہ بعض معاملوں میں اس کی سوئی زیرو پر ہی

اٹک جاتی تھی۔ خصوصاً" رانیہ کے معاملے میں۔

"وہ۔ میں۔ شرٹ دھونے لگی تھی۔" عنوہ نے گھبرا کر وضاحت کی۔

"ارے گولی مارو شرٹ کو۔ تم ذرا ادھر آؤ۔" زیان نے آگے بڑھ کر شرٹ کھینچی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا۔ عنوہ خوشی خوشی شرٹ پھینک کر ہاتھ پونچھتی باہر آگئی تھی۔

"شکر ہے جان چھوٹی۔" اسے کپڑے دھونا سخت ناپسند تھا۔

"ذرا میری بلیک چپل پر برش مارنا عنوہ!" وہ بڑے مصروف انداز میں کہہ رہا تھا۔ عنوہ کی ساری خوشی بھک سے اڑ گئی۔

"اچھا تو اس لیے ترس آیا تھا اس سے بہتر تھا میں شرٹ ہی دھو لیتی۔" وہ منہ بنا کر شوز ریک سے چپل نکالنے لگی۔ اسے جوتے پالش کرنا' کپڑے دھونے سے بھی زیادہ ناپسند تھا۔

☼ ☼ ☼

"یار رانیہ میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے ——— دھوکے باز لوگوں سے سخت نفرت ہے۔ ایسے لوگ قابل رحم نہیں ہوتے۔ اب دیکھو نا کوئی شخص آپ کے ساتھ فراڈ کرے پھر آپ کو تاعمر اس شخص کے ہمراہ بھی رہنا پڑے تو کس قدر تکلیف دہ زندگی ہو جاتی ہے' ایک دم فضول اور بے کار۔" وہ بڑے درد بھرے بوجھل لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"تمہارے ساتھ کس نے فراڈ کرنے کی جرأت کی۔" رانیہ نے حیرت سے پوچھا۔

"زیان نے۔۔۔" اس نے بغیر کسی لگی لپٹی اپنے مخصوص صاف گو لہجے میں کہہ دیا تھا۔ ساتھ میں ڈرائی فروٹ کی ٹرے بھی رانیہ کے ہاتھ میں تھما دی۔

"تم تو زیان کے ساتھ رہتی ہو' یقیناً اس کی تمام تر "خوبیوں" سے بھی واقف ہو گی۔ ایک نمبر کا دوغلا' شرابی' منافق' چالاک' عیار' مکار شخص ہے بلکہ جیک آف آل ٹریڈز (ہر فن مولا) ہے۔ دیکھو نا بظاہر کیسی

پالش شدہ چمکتی دمکتی عمارت ہے۔ ایک سپر گلوری لائف' بے حد ہینڈسم' جینئس بھی کہہ لو (حالانکہ میں تو اسے حد درجہ شاطر سمجھتی ہوں) پراسپر (خوشحال) ہے تو پھر کوئی بھی لڑکی خواہ کسی بھی طبقے سے ہو ایسے شخص کے فریب میں آسکتی ہے۔" عنوہ غیر محسوس لہجے میں کہہ رہی تھی۔

نہ جانے کیوں اسے چھٹی حس اشارہ دے رہی تھی کہ رانیہ کی گہری دبیز خاموشی ہزاروں بھید چھپائے ہوئے ہے۔ زیان ڈنکے کی چوٹ پر اسے بیاہ کر لایا تھا اور رانیہ خاموش تھی' کوئی احتجاج نہیں کیا تھا اس نے۔

"ہاں' ہوتی ہیں کچھ لالچی ——— لڑکیاں۔" رانیہ نے اس کی بات سے اتفاق کر لیا تھا۔ نہ جانے کون سا گہرا دکھ اس کے لہجے میں بول رہا تھا۔

"چمک دمک کی دلدادہ' دولت کی پجاری' روپے کو محبت پر ترجیح دینے والیں۔ پونڈز اور ڈالرز کی دیوانی۔" اس نے تنفر سے کہا۔

"ایسی عورتیں جسمانی خوشی لیتی ہیں' روحانی نہیں۔" عنوہ نے باداموں کی مٹھی بھر کر رانیہ کی طرف بڑھائی جسے اس نے بے خیالی میں تھام لیا تھا۔

"رانیہ! اگر تم مائنڈ نہ کرو تو اپنے بارے میں کچھ بتاؤ۔ مطلب اپنے بیک گراؤنڈ کے متعلق' اور یہ بھی کہ زیان سے تمہاری کیسے ملاقات ہوئی۔" اس نے نوک زبان پر مچلتا سوال پوچھ ہی لیا تھا۔ رانیہ خاموش تھی' بالکل ساکت۔ گویا پتھر کا مجسمہ ہو۔ شاید اسے عنوہ سے ایسے سوال کی توقع نہیں تھی۔

"تم زیان کی زندگی میں کیسے شامل ہوئیں' پراپر پلاننگ سے یا پھر کسی ایکسیڈنٹ نے تمہیں زیان سے ملوا دیا تھا۔" اس نے دوبارہ اپنے سوال کو دہرایا تو رانیہ پھیکی سی ہنسی لبوں پر سجا کر بولی تھی۔

"شاید حادثہ تھا یا پھر ایک اذیت ناک سانحہ۔" وہ دونوں رشتے کے لحاظ سے سوتنیں تھیں۔ ایک روایتی' فطری سا حسد رانیہ کو نہ سہی عنوہ کو ضرور لمحہ بہ لمحہ کسی لکڑی کی طرح جلا رہا تھا۔

www.pkdigest.com

"یہ شادی ارینج تھی یا لو؟"

"کہا نا کہ ایسا کوئی بھی معاملہ ہمارے درمیان نہیں، یعنی محبت وحبت کا۔" عنوہ کو یوں لگا تھا کہ رانیہ کی آنکھوں کے گوشے بھیگ سے گئے ہیں۔ نہ جانے وہ کیا کریدنا چاہ رہی تھی۔ شاید زیان اور رانیہ کے درمیان کلوزنیس (قرب) اور (قربت) کا اندازہ لگانا چاہتی تھی۔ جو شدتیں، جذبے، محبتیں عنوہ کے لیے تھیں، ان میں رانیہ کا کتنا حصہ تھا۔ زیان کی چاہتوں کو رانیہ بھی تو اس کے ساتھ برابر شیئر کرنے والی تھی۔ یہی ایک "پھانس" اسے پورے دل سے خوش نہیں ہونے دیتی تھی۔

بہت قربت کے لمحات میں بھی عنوہ کی سوچیں رانیہ کی طرف بھٹک جاتی تھیں۔ عورت چاہے کسی بھی سوسائٹی کی ہو، کتنی ہی ایجوکیٹڈ کیوں نہ ہو۔ بہت ماڈل اور لبرل ہو۔ خود کو جتنا بھی براڈ مائنڈڈ شو کرے مگر اپنے "مرد" کو دوسری عورت کے ساتھ شیئر کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتی۔ چاہے مرد "من چاہا" ہو یا "ان چاہا" سوتن سے "حسد" فطری عمل ہے۔

اور پھر عنوہ جیسی لڑکیاں جو حد درجہ حساس ہوں، جنہیں والدین کی مشترکہ محبتیں بھی نہ ملی ہوں جو بروکن فیملی سے تعلق رکھتی ہوں جن کی "دنیا" ایک گھرے تک محدود ہو جو اپنی "چیز" کے متعلق بہت پوزیسو ہوں، ان کو ایسی صورتحال کا سامنا کرنا پڑے تو وہ ذہنی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہیں۔

وہ فطرتاً" بہت نرم دل، حساس اور صلح جو لڑکی تھی۔ وہ رانیہ کے متعلق کوئی بھی منفی رویہ یا دشمنی دل میں نہیں رکھتی تھی، نہ ہی یہ چاہتی تھی کہ زیان اس معصوم ڈری سہمی رنجیدہ سی لڑکی کو خود سے الگ کردے۔ مگر وہ زیان سے ضرور خفا بھی، ناراض بھی تھی بلکہ حد درجہ اکھڑی اکھڑی رہتی تھی جس نے ان دو عورتوں کے جذبات مجروح کردیے تھے۔ وہ دولت اور اسٹیٹس کی بدولت انہیں "حاصل" کرچکا تھا، اس نے اپنے تئیں اندازہ لگالیا تھا کہ زیان نے یقیناً رانیہ کو اغوا کیا ہوگا یا پھر یہ کورٹ میرج ہوگی۔ زیان کو جو چیز پسند آجائے، اس کے حصول کے لیے وہ کسی بھی حد تک جاسکتا تھا۔

"تم اپنے پیرنٹس سے نہیں ملتیں؟"

"نہیں۔" رانیہ نے آہستگی سے کہا۔

"کیوں، نہ ملنے کی وجہ؟" عنوہ نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ نہیں ہیں۔" اس نے گول مول سا جواب دیا تھا مگر عنوہ کی تشفی نہیں ہوئی تھی۔

"فارن میں ہیں؟" دراصل وہ کنفرم کرنا چاہتی تھی کہ آیا وہ دنیا میں موجود ہیں یا نہیں اسی لحاظ سے اظہار افسوس کرنا تھا۔

"ان کی ڈیتھ ہوچکی ہے۔" وہ بھیگی آواز میں بولی تھی۔

"وری سیڈ۔" توقع کے عین مطابق عنوہ کا نرم دل پگھلنے لگا تھا۔ آنکھوں میں آنسو بھی آگئے۔

"بے چاری کتنی اکیلی ہے۔ اوپر سے اتنا ظالم، جلاد شوہر۔" عنوہ نے نرمی سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے سوچا۔

"ظاہر ہے اسے بھی تو تکلیف ہوتی ہوگی جب زیان مجھے بھی بیاہ کر لے آیا۔ یہ تو پہلے سے موجود تھی۔ اس بے چاری کا کیا قصور۔ اصل "مجرم" تو زیان ہے۔" اب سوچیں دوسرے رخ پر بہنے لگی تھیں۔

"تم بہت مس کرتی ہوگی اپنے پیرنٹس کو۔"

"ہوں۔" رانیہ نے رنجیدگی سے ہنکارا بھرا۔

"اچھا یہ بتاؤ زیادہ کس سے اٹیچ تھیں، ممی سے یا پاپا سے۔" عنوہ نے اس کا دھیان بٹانا چاہا۔

"میں بہت چھوٹی تھی جب ان کی ڈیتھ ہوگئی تھی۔"

"تو پھر تمہاری شادی زیان سے کس نے کی؟" عنوہ الجھی۔ بات گھوم پھر کر وہیں اٹک جاتی تھی۔

"شادی سے پہلے پرورش کا سوال ہے، یعنی مجھے پالا پوسا کس نے؟" رانیہ دھیرے سے مسکرائی۔

"ہاں، واقعی یہ بات تو میں نے سوچی ہی نہیں۔" عنوہ جھینپ سی گئی تھی۔ دراصل اسے زیان اور رانیہ

کی ملاقات کا حل جاننے کی جلدی تھی۔

"ماں، ابا کے بعد میری پھپھو امی ____ سرپرست تھیں۔ انہوں نے میری پرورش کی تھی۔" رانیہ نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا تھا۔ اس کی شفاف آنکھوں میں کئی کرچیاں سی چبھ رہی تھیں۔

اسی پل مس نینی شیطان کی طرح بغیر اجازت کے نازل ہوگئی تھی۔

"میم، صاحب کا فون ہے۔"

"مائی گاڈ!" عنوہ سر پر پیر رکھ کر بھاگی تھی۔

✲ ✲ ✲

فون اسٹینڈ کے قریب جانے سے پہلے اس نے ایک گلاس پانی پی کر ابھی سانسیں ہموار کی تھیں مگر پھر بھی اس "آفت" کو اندازہ ہوگیا تھا کہ عنوہ کہاں سے تشریف لائی ہے۔ زیان سچ کہتا ہے کہ وہ اپنی دو آنکھیں اس کی نگرانی کے لیے پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ کمال کا زیرک بندہ تھا۔ پہلی نگاہ میں ہی چہرے مہرے انداز، چال گفتار سے مقابل کی پوری ہسٹری جان لیتا تھا۔ وہ چہرے پڑھنے اور لہجے سمجھنے کے فن سے آشنا تھا۔ بقول عنوہ کے بہت زیادہ چالاک اور ہوشیار تھا۔

"تم لاتوں کی "بھوتنی" ہو۔ باتوں سے کہاں مانوگی۔ منع کیا تھا میں نے کہ رانیہ کے پاس بیٹھنے سے گریز کرو مگر ڈھیٹ عورت کی اولاد ہو، چکنے گھڑے کہاں اثر ہوتا ہے کسی نصیحت کا تم پر۔" دوسری طرف وہ خوب بھنا رہا تھا، غرا رہا تھا۔

"یو ہیو ٹیک دس رسک ان دس میٹر (تم نے اس معاملے میں خطرہ مول لے لیا ہے) اب میں تم پر ایسی پابندیاں لگاؤں گا کہ تم گھبرا جاؤگی۔ رانیہ کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ تم ہی بھاگ بھاگ کر اوپر جاتی ہو۔ ہمدردی کا بخار جلد ہی اتر جائے گا۔ تمہیں بیڈروم میں لاک کرکے آیا کروں گا میں۔ رہنا سارا دن کمرے میں بند۔ دیواروں سے باتیں کرنا۔"

"ممی کا ذکر کرنا ہو تو اچھے الفاظ میں کیا کریں، میں ہرگز اپنی ممی کے بارے میں کچھ نہیں سنوں گی۔"

اس نے گویا زیان کے چیخنے چلانے کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔ اس کی سوئی اپنی ممی کے متعلق توہین آمیز الفاظ میں اٹک گئی تھی۔

"ارے، ارے ممی سے اس قدر الفت۔ سچ میری "ممی" ایسی ہوتیں تو میں نے پہلی فرصت میں انہیں شوٹ کردینا تھا۔" اس کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا اس کی آواز سن کر۔

"یا وحشت۔" عنوہ کو امید تھی زیان سے ایسے ہی حسین جواب کی۔

"سنگدل، پتھر دل اور..." اس نے زیر لب دہل کر کہا تھا۔

"اور نرم دل۔" زیان اس کی سرگوشی سن چکا تھا، مسکرا کر بولا۔

"نرمی تو چھو کر نہیں گزری۔" اس نے منہ بنا کر کہا تھا پھر اچانک یاد آیا۔

"فون کیوں کیا تھا؟"

"ہاں، مس نینی سے کہنا ڈنر پر خوب اہتمام کرلیں۔ انفارمل ڈنر ہوگا۔ سب فرینڈز بہت عرصے بعد اکٹھے ہو رہے ہیں۔ کچھ اپنی مسز کے ساتھ آئیں گے یعنی کپلز۔ آپ بھی اچھا سا ڈریس زیب تن کرکے میری ذات پر احسان عظیم کریجیے گا۔ عین نوازش ہوگی۔ ہر وقت اول جلول حلیے میں بدروح کی طرح گھومتی رہتی ہو۔" آخری الفاظ منہ ہی منہ میں بدبدائے تھے مگر عنوہ کی سماعتیں کافی تیز تھیں۔ ایکدم چیخ اٹھی تھی۔

"بدروح کسے کہا ہے؟"

"تمہارے دشمنوں کو۔" وہ برجستہ بولا تھا۔

"دشمن کون ہیں؟" عنوہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"یہ تو تمہیں پتا ہونا چاہیے۔" زیان نے سرعت سے کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔ عنوہ ٹوں ٹوں کی آواز سن کر ریسیور کریڈل پر رکھ کر پلٹی۔ سامنے ہی مس نینی کھڑی تھی۔ چوبیس گھنٹے الرٹ۔ فی الحال تو عنوہ کو اپنی بڑی دشمن یہی دکھائی دے رہی تھی۔

"چغل خور نہ ہو تو یقیناً اسی نے زیان کو بتایا ہے کہ میں رانیہ کے پاس تھی۔" وہ جلتی بھنتی سوچ رہی

www.pkdigest.com

تھی۔ معاً "اسے پلٹتے دیکھ کر بولی۔
"صاحب کہہ رہے ہیں' ڈنر پر اہتمام کر لیجیے گا ان کے دوست آئیں گے۔"

"او کے' میم۔" وہ تابعداری سے سر ہلا کر وسیع و عریض کچن میں غروب ہو گئی تھی۔ عنوہ پہلے تو سستی سے ادھر ادھر گھومتی رہی پھر ایک بھرپور نیند لینے کی غرض سے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی۔ لیٹنے سے پہلے آئینے میں اپنا بھرپور جائزہ لیا تھا۔

"آنکھیں کس قدر ریڈ ہو رہی ہیں' شاید نیند کی کمی کی وجہ سے۔ ایک تو مجھے دن کو سونے کی عادت نہیں اور رات بھر زیان سونے نہیں دیتے۔" سوچتے ہوئے ایک دم وہ اپنے ہی عکس کو دیکھ کر جھینپ گئی تھی' اس کے لبوں پر ایک کھلی کھلی حیا آلود مسکان تھی۔

☆ ☆ ☆

"اس سوئے ہوئے محل میں کوئی جاگ بھی رہا ہے کہ سب "نندیا" میں گم ہیں۔" ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی تھی۔ عنوہ نے آنکھیں بمشکل کھولتے ہوئے اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی۔ نہ جانے وہ کتنی دیر سوتی رہی تھی۔ ایک دم کھٹا کھٹ کے ساتھ ہی کئی لائٹس روشن ہو گئی تھیں۔ ساتھ میں چلانے والی خاتون بھی نظر آ گئیں۔ عنوہ کے لب مسکرا اٹھے تھے۔

"بے وفا' بے مروت دوست۔ آ گئی میری یاد۔" عنوہ نے مصنوعی خفگی سے کہا۔ حنا جھپ سے اس کے قریب بیڈ پر ڈھے گئی تھی۔

"اپنے بارے میں کیا خیال ہے' ایسی "پیا" کو پیاری ہوئی ہو کہ سدھ بدھ ہی بھلا بیٹھیں۔ یعنی کہ حد ہی ہو گئی' ایک فون کرنے کی توفیق نہیں ہو سکی تمہیں۔" حنا تو پہلے سے ہی بھری بیٹھی تھی۔ ایکدم پھٹ پڑی۔

"سوری یار! میں اپنی غلطی تسلیم کرتی ہوں۔" عنوہ نے فوراً سیز فائر کیا۔

"چلو ہم نے بھی معاف کیا۔" حنا نے شاہانہ انداز میں کہا تھا اور پھر قدرے تجسس بھرے لہجے میں بولی۔

"یار! تمہارے لان میں پھولوں کے کنج کے پاس ایک اداس شہزادی بیٹھی تھی۔ کون ہے وہ؟ زیان بھائی کی بہن یا کزن؟"

"نہ بہن نہ کزن؟" وہ بال سمیٹ کر بولی تھی۔

"تو پھر کون ہے؟ ویسے ہے تو بہت خوبصورت۔ کاش میرا کوئی بھائی ہوتا تو اسے ضرور بھابھی بنا لیتی۔" حنا نے مصنوعی آہ بھری۔

"منہ دھو رکھو۔" عنوہ نے جمائی روکتے ہوئے کہا۔

"منگنی شدہ ہے؟" حنا نے اندازہ لگایا تو وہ ہنس پڑی۔

"نہیں' شادی شدہ ہے۔"

"ایک تو ہر خوبصورت لڑکی پر شادی شدہ کا ٹیگ لگ جاتا ہے۔" حنا نے حاسدانہ انداز میں کہہ کر قہقہہ لگایا تھا پھر قدرے رازداری سے بولی۔

"اگر محترمہ شادی شدہ ہیں تو ادھر کیوں دکھائی دے رہی ہیں' انہیں اپنے "گھر" یعنی سسرال میں ہونا چاہیے۔"

"تو اپنے "گھر" یعنی سسرال میں ہی تو ہے۔" عنوہ نے چبا چبا کر کہا تھا۔

"میں سمجھی نہیں۔ زیان بھائی کا کوئی اور بھی "بھائی" ہے۔" حنا نے الجھن بھرے انداز میں کہہ کر بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔

"میرے خیال میں تو زیان اکلوتے ہیں۔" وہ پر سوچ لہجے میں آنکھیں سکیڑ کر بولی تھی۔ حنا نے ماتھا پیٹ لیا۔

"تو پھر ان خاتون کا اس گھر سے کیا تعلق۔"

"وہی جو میرا تعلق ہے اس گھر سے۔ اسی طرح رانیہ بھی شراکت دار ہے۔" عنوہ کا انداز ہنوز سنجیدہ تھا۔ اب کے حنا قدرے ٹھٹک گئی تھی۔

"پہیلیاں کیوں بجھا رہی ہو' صاف صاف بات کرو میرا "دم" نکلا جا رہا ہے۔" حنا نے خفگی سے کہا۔ اس کے لہجے میں خدشات بول رہے تھے۔ نہ جانے کیوں اسے کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہو رہا تھا۔

"بھئی' سیدھی سی بات تمہاری کھوپڑی میں نہیں

سما رہی۔ زیان کے گھر میں بھلا کوئی عورت بغیر تعلق کے کیوں رہے گی۔ رشتے کی نوعیت جاننا چاہ رہی ہو تو بتا دیتی ہوں۔ ذرا تحمل سے سننا۔ وہ زیان کی بیوی ہے۔" وہ حنا کے جذباتی پن سے واقف تھی' اسی لیے تنبیہاً بولی تھی۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے' کیا بک رہی ہو۔" حنا نے صدمے سے گنگ اس کا مطمئن انداز ملاحظہ کر کے ایک زوردار چیخ ماری۔

"وہی جو تم سن چکی ہو۔" اس نے اطمینان سے کہا۔

"یہ میری نظر کا دھوکہ ہے یا ایک تلخ حقیقت۔" اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ اسے یقیناً عنوہ سے کسی ایسے انکشاف کی توقع نہیں تھی ورنہ وہ رانیہ کا ذکر ہی نہ چھیڑتی۔

"مائی ڈیر حنا! یہ دنیا ہے اور یہاں کچھ بھی کسی بھی وقت ہو سکتا ہے۔ بس ہمارا ذہن اور دل ان حقیقتوں کو قبول نہیں کرتا۔" عنوہ مسکرائی اور بولی۔

"چھوڑو ان باتوں کو' یہ بتاؤ چائے یا جوس لو گی۔ ویسے ٹائم کیا ہوا ہے' ابھی میں نے تیار بھی ہونا ہے۔ آج گھر میں چھوٹی سی پارٹی ہے۔ زیان کے فرینڈز آئیں گے۔"

"عنوہ! تم... تم نے یہ سب کیسے برداشت کر لیا ہے۔ کم از کم میں تمہاری جگہ ہوتی تو ہر شے تہس نہس کر کے اس فساد کی جڑ کو ہی ختم کر ڈالتی۔ تم نے صبر کا کون سا گھونٹ پی کر "سمجھوتے" کے ایگری منٹ پر دستخط کر دیے ہیں۔ یہ سب کیا ہے عنوہ!" وہ سخت شاک کے عالم میں بار بار بولے جا رہی تھی۔ عنوہ نے اس کا ہاتھ تھام کر ریلیکس کرنا چاہا تھا۔

"برداشت تو کرنا پڑتا ہے ڈیئر! جب پیچھے کھائی ہو' منزلیں گم ہوں' راستوں کی خبر نہ ہو تو واپس مڑنے کا فائدہ۔ اس سے بہتر نہیں کہ اپنی موجودہ زندگی سے صبر شکر کے ساتھ کمپرومائز کر لیا جائے۔"

"تم نے آنٹی کو تو بتانا تھا۔" وہ رو دینے کو تھی۔ آنسو آنکھوں کے بند توڑنے کے قریب تھے۔

"اس سادگی اور بے خبری کا نظارہ کر کے مجھے ہارٹ اٹیک نہ ہو جائے۔" عنوہ نے حد درجہ طنز بھرے انداز میں کہا اور مزید بولی۔

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ممی پوری پوری "باخبر" تھیں۔ بس انہوں نے ہمیں ہی بے خبری میں مارا ہے۔"

"اُف... زیان بھائی نے دوسری شادی کر لی۔ مجھے ابھی تک یقین نہیں آیا۔ تم جیسی لائف پارٹنر کے ہوتے ہوئے کوئی اندھا ہی ایسی حرکتیں کر سکتا ہے۔ ہمم... میں زیان بھائی سے ضرور دو دو ہاتھ کروں گی۔ دن دہاڑے ایسا ظلم اور تم جیسی صدا کی بزدل' احتجاج تک نہیں کیا۔" حنا نے غصے کے عالم میں مٹھیاں بھینچیں۔

"تمہارے غصے کا گراف کم کرنے کے لیے بتا دیتی ہوں کہ خیر سے دوسرا ہمارا نمبر ہے۔ مطلب رانیہ پہلے سے موجود تھی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا اور پھر دوپٹہ اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

"رانیہ' زیان بھائی کی پہلی بیوی ہے۔" حنا نے حیرت سے کہا۔

"ہاں' اب مزید میرا دماغ مت چاٹنا۔ یہ بتاؤ آج میں کون سے کپڑے پہنوں۔ یہ بلیک ٹھیک رہے گا۔" اس نے وارڈ روب کھول کر دو تین اسٹائلش' قیمتی سوٹ نکال کر حنا کے سامنے پھیلائے۔

"یہ بلیک والا زیادہ اچھا ہے' تم پر بہت سوٹ کرتا ہے یہ کلر۔" حنا نے ستائشی نگاہوں سے کپڑوں کا جائزہ لے کر بلیک کلر کے سوٹ کو منتخب کیا تھا اس کے لیے۔

"یار عنوہ! تم رانیہ کے ساتھ رہ رہی ہو۔ زیان بھائی سے کہنا تھا' تمہیں الگ گھر لے دیتے۔" کافی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر کلینزنگ کرتی عنوہ سے مخاطب ہوئی تھی۔

"رانیہ بے چاری قطعاً "بے ضرر" ہے۔" وہ مصروف انداز میں بولی تھی۔

"میں چلتی ہوں عنوہ! پھر آؤں گی۔" اس کا دل حد درجہ برا ہو گیا تھا۔

www.pkdigest.com

"کہاں جارہی ہو؟ پارٹی اٹینڈ کرو، ڈنر کے بعد میں تمہیں چھوڑ آؤں گی۔" عنوہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی بٹھایا۔

"ابو انتظار کررہے ہوں گے یار! ویسے بھی یہ بڑے لوگوں کا فنکشن ہے۔ میں کیا کروں گی بھلا۔" حنا نے سستی سے کہا تھا۔

"وہی کرنا جو میں کروں گی۔ یعنی خاموش تماشائی' خواتین کی ڈریسنگ دیکھیں گے۔ ان کے میک اپ اور جیولری پر تبصرے کریں گے۔ انہوں نے جو ایک دوسرے کی برائیاں کرنی ہیں تو ہم بھی خاموشی سے سنتے رہیں گے۔ ویسے ایسی پارٹیوں میں یہی کچھ تو ہوتا ہے۔ سامنے تعریفیں اور پیٹھ پیچھے غیبتیں۔" عنوہ نے بےزاری سے کہہ کر آئینے میں تذبذب کا شکار حنا کو دیکھا اور بولی۔

"آؤ تمہاری بھی کلینزنگ کروں اور ان میں سے اپنے لیے بھی ڈریس منتخب کرلو۔ اٹھو بھی حنا! جلدی سے تیار ہوجاؤ پھر ذرا کچن کا جائزہ لیتے ہیں۔"

"نہیں پہلے ابو کو فون کرلوں اور ہاں' یہ تو بتاؤ تمہارے "سرتاج" کب تک آئیں گے۔"

"بس آنے ہی والے ہیں۔ تم ذرا جلدی سے تیار ہوجاؤ۔ میں رانیہ کو دیکھ لوں۔ نہ جانے صاحب بہادر کا اس معصوم کے لیے کیا آرڈر ہے۔" وہ تیز تیز بولتی باہر نکل گئی تھی جبکہ حنا حیران پریشان سی دیکھتی رہ گئی۔

"یہ عنوہ بھی کمال کرتی ہے۔ رانیہ کا اتنا خیال کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔" اس نے حیرت سے سوچا۔

☆ ☆ ☆

"امی! آپ کو شگفتہ آنٹی کی فیملی کیسی لگی؟" سارہ اور سنیہ دروازے سے چپکی مبین اور امی کے درمیان ہونے والی میٹنگ کا متن جاننے کے لیے بے چین تھیں۔ انہوں نے سانس روک کر امی کا جواب سنا' فاخرہ کہہ رہی تھیں۔

"باقی سب تو ٹھیک ہے' رمیز میں کوئی کمی نہیں۔ بہت سلجھا ہوا نوجوان ہے مگر ایک مسئلہ ہے۔" فاخرہ ایک پل کو رکیں تو ان دونوں کو بےچینی لاحق ہوگئی۔

"کیا مسئلہ؟" مبین نے تفکر سے پوچھا۔

"رمیز کی ایک بیوہ بہن اور دو بچے بھی ہیں۔" فاخرہ پرسوچ انداز میں بول رہی تھیں۔

"تو پرابلم کیا ہے؟" وہ امی کی بات کا مفہوم سمجھا نہیں تھا اسی لیے حیرانی سے بولا۔

"کافی سخت مزاج کی لگتی ہے مجھے زرین۔ ہمارے ساتھ تو ٹھیک طرح سے بات بھی نہیں کی اس نے۔ شگفتہ خود بیٹی کے رویے سے پشیمان تھیں۔" فاخرہ نے اپنی الجھن سے بیٹے کو بھی آگاہ کردیا تھا۔

"امی! آپ پریشان نہ ہوں۔ اللہ کا نام لے کر ہاں کہہ دیں۔ یہ بہت معمولی سی بات ہے۔ اتنا اچھا رشتہ ایسی بودی سی "وجہ" کے لیے ہاتھ سے گنوانا دانشمندی نہیں۔" مبین نے ان کا ہاتھ نرمی سے دبا کر تسلی آمیز لہجے میں کہا تھا مگر فاخرہ کا تفکر ہنوز برقرار تھا۔ جو باتیں وہ تصور کی آنکھ سے دیکھ رہی تھیں' وہ مبین کو سمجھانا بہت مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔

"کل خالہ آئیں گی تو میں انہیں "ہاں" کہہ دوں گی۔" وہ خود بھی اپنی اس بے نام الجھن کی وجہ سے رمیز جیسے لڑکے کو کھونا نہیں چاہتی تھیں سارہ اور سنیہ دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو "اوکے" کا سگنل دیا اور پھر چپکے سے اپنے مشترکہ کمرے میں کھسک آئیں۔ زروہ اسکول سے بچوں کی لائی کاپیاں چیک کررہی تھی۔ انہیں معنی خیزی سے مسکراتے دیکھ کر چونک سی گئی تھی مگر پھر دوسرے ہی پل سر جھٹک کر دوبارہ سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

آئیں گے دولہا راجہ
بجے گا بینڈ باجہ

ان دونوں نے میز بجا بجا کر اسے اپنی طرف متوجہ کر ہی لیا تھا۔

"کیا ہوگیا ہے تم دونوں کو' مہک سو رہی ہے کیا اسے چیخ چلا کر اور بھونڈی آواز میں گا کر جگانا ہے۔"

"خبر ہی ایسی خوشی کی ملی ہے کہ ناچنے گانے بلکہ بھنگڑا ڈالنے کو جی چاہ رہا ہے۔" سنیہ اس کے قریب دھپ سے بیٹھتے ہوئے چہکی تھی۔

"یہ خوشی کی خبر کون سا چینل نشر کرے گا۔" سارہ نے پرسوچ انداز میں سنیہ کی طرف دیکھا۔

"کیا بک بک لگا رکھی ہے' کام کرنے دو مجھے۔" زروہ اگرچہ ان کی معنی خیز نظروں کے تبادلے سے کسی خاص خبر کے متعلق جان چکی تھی' تاہم خود کو لاپروا ظاہر کرتے ہوئے بولی تھی۔

"آپ خود کو بے نیاز ایکسپوز بے شک شوق سے کرتی رہیں مگر ہم بھی بڑے "وہ" ہیں۔ اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہیں۔" سارہ نے مبالغہ آمیزی کی حد کرتے ہوئے کہا۔

"آپی کا زیادہ امتحان مت لو سارہ! بتادو بے چاری آپی کو کہ خالہ اور امی کی مشترکہ کوششوں کی وجہ سے آپ کو گھر بدر کرنے کی سازش پر عمل درآمد کیا جارہا ہے۔" سنیہ نے بڑے ہی ڈرامائی انداز میں کہہ کر قہقہہ لگایا تھا۔

"کب؟" وہ بے ساختہ بولی اور پھر کہہ کر پچھتائی۔ ان دونوں نے اس کا بھرپور ریکارڈ لگا دیا تھا۔

"اوہو۔۔۔ کب؟ کتنے دن بعد؟" سارہ مسکرا مسکرا کر زروہ کو چڑا رہی تھی۔

"بکو مت' میرا کہنے کا یہ مطلب نہیں۔" زروہ جھینپ کر ڈپٹنے لگی تھی مگر ان دونوں پر قطعاً کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"مطلب کوئی بھی کیوں نہ ہو' بات تو گھوم پھر کر وہیں آتی ہے۔ ساجن جلدی آنا رے۔ ہم کو لے کر جانا رے۔" سارہ نے مکاری سے آنکھیں پٹپٹائیں تو وہ زچ ہو کر چلا اٹھی۔

"پوچھتی ہوں میں امی سے کہ کون سی کھچڑی چپکے چپکے پکا رہی ہیں۔" زروہ تنک کر اٹھی اور دھپ دھپ کرتی اسٹور میں گھسی فاخرہ کے قریب آکر غصے سے بولی۔

"امی! یہ میں کیا سن رہی ہوں' آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ آپ جانتی تو ہیں گھر کے حالات۔"

"میں اپنی مجبوریوں کی زنجیر میں تمہیں کیوں باندھوں زروہ! اتنا خودغرض سمجھ رکھا ہے تم نے اپنی ماں کو۔ دوسرے بچوں کے مستقبل کو محفوظ کرنے کے چکر میں تمہارے ساتھ کیوں دشمنی کروں میں۔ یہی تو عمر ہے گھر بسانے کی۔ وقت ریت کی طرح ہاتھ سے پھسلتا جارہا ہے۔ میں تمہارے بالوں میں چاندی اترنے کا انتظار کروں۔ اس گھر کے حالات سنوارنے کے چکر میں تمہارے ساتھ زیادتی کرنے کا میں تصور بھی نہیں کرسکتی۔ نہ جانے کون سی ایسی انتہائی خودغرض' مطلب پرست' عاقبت نااندیش مائیں ہوتی ہیں۔" فاخرہ نے نرم آواز میں کہہ کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"تمہارے جیسی بیٹیاں قدرت کی طرف سے انمول تحفہ ہوتی ہیں۔" ان کی آنکھیں نم ہورہی تھیں۔

"امی! مبین ابھی پوری طرح سے صحت مند نہیں ہوا۔ باقی تینوں زیر تعلیم ہیں۔ آپ کی پنشن سے کیسے گزارا ہوگا' اوپر سے یہ ہنگامی رشتہ طے کردیا ہے۔" وہ بے حد پریشانی کے عالم میں کہہ رہی تھی۔

"اللہ بہتر کرے گا' اسی پر بھروسہ ہونا چاہیے۔" فاخرہ مطمئن تھیں۔

"امی! آپ نے "ان" سے بات کرلینی تھی۔ میں شادی کے بعد بھی جاب جاری رکھوں گی۔" کچھ دیر سوچنے کے بعد زروہ نے آہستگی سے کہا تھا۔

"تم فکرمند نہ ہو' کوئی نہ کوئی وسیلہ اللہ بنادے گا۔ پتھر میں کیڑے کو بھی رزق دیتا ہے یہ پروردگار کا وعدہ ہے۔ بس ہم انسان ہی ناشکرے اور بے صبرے ہیں۔" انہوں نے حلاوت سے کہا اور پیٹی میں سے مطلوبہ تھیلی نکال کر کھولنے لگی تھیں۔

"اس میں کیا ہے امی!" زروہ نے تجسس سے ماں کی طرف دیکھا تھا۔

"دو کنگن بچے تھے تمام زیور میں سے۔ یہ اچھے وقتوں میں تمہارے ابو نے بنوا کردیے تھے۔ باقی زیور

www.pkdigest.com

توبیچ دیا تھا مبین کے علاج کی غرض سے۔ یہ دو کنگن نہ جانے کیوں دل نہیں مانتا تھا کہ بیچ دوں۔ اب تمہارے کام آجائیں گے۔ خالی ہاتھ تو نہیں بھیجوں گی تمہیں۔" وہ مصروف انداز میں کہہ رہی تھیں۔

"امی! مجھے ان کی ضرورت نہیں۔" اس نے محبت سے ماں کے ہاتھ تھام لیے اور بولی۔

"جو آپ نے اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر مجھے زیور تعلیم سے آراستہ کیا ہے اور جو بہترین تربیت آپ نے ہم سب کی بطور ماں اور باپ بن کر کی ہے' یہی ہمارا قیمتی اثاثہ ہے اور یہی "اصل" جہیز ہے۔"

"میری بچی! تم دنیا کی نظروں اور ان کی باتوں سے ناواقف ہو۔ لوگ ایسی باتوں کو کتابی باتیں سمجھتے ہیں۔" فاخرہ کو دلی خوشی ہوئی تھی اپنی بیٹی کے اعلا و ارفع خیالات جان کر۔ انہیں اپنی تربیت پر فخر محسوس ہوا تھا۔

"امی! ہم نے اپنی چادر دیکھنی ہے۔ لوگوں کی تو فطرت ہے باتیں بگھارنے کی۔" زروہ نے نرمی سے کہا تھا اور مزید بولی۔

"آپ ٹینشن مت لیجیے گا' مجھے آپ کی محبتوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں چاہیے۔ نہ ہی مجھے کسی کی پروا ہے کہ لوگ باتیں بنائیں گے۔"

"میں نے کمیٹی ڈال رکھی ہے' پیسے مل گئے تو فرنیچر کا آرڈر دوں گی۔" انہوں نے گویا زروہ کی بات سنی نہیں تھی۔ اس نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

پارٹی کی ارینجمنٹ وسیع و عریض قیمتی فرنیچر سے سجے شاندار لاؤنج میں تھی۔ جب وہ دونوں تیار ہو کر بیڈ روم سے باہر آئیں تو لاؤنج پر رک کر طائرانہ ستائشی نگاہ ڈال کر ایک دوسرے کو حیرانی سے دیکھا۔

"ویسے عنوہ یار! زیان بھائی نے کیا کمال کی "چیز" منتخب کی ہے۔ سچ تمہارے "انسوں" کی چوائس بہت اعلا ہے بیویوں اور نوکروں دونوں کے معاملوں میں۔

خوب چھانٹ کر آبگینے تلاش کیے ہیں۔" حنا نے ملازموں کو ہدایات دیتی پٹر پٹر انگریزی بولتی مس نینی کو دیکھ کر کہا تھا۔ اب وہ دونوں ڈائننگ ہال میں داخل ہو رہی تھیں۔

وسیع و عریض ٹیبل پر قیمتی نفیس برتن ایک ترتیب سے رکھے تھے۔ ان کے درمیان رکھا نہایت اسٹائلش اور بے حد قیمتی کٹلری سیٹ دور سے ہی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ یہ سب مس نینی کا کمال تھا۔ حنا مسلسل مس نینی کی تعریف کر رہی تھی۔

"ان فیکٹ شی از آ گڈ ایڈ منسٹریٹر (حقیقت میں وہ ایک اچھی منتظم ہے۔)" عنوہ نے بھی بے ساختہ ستائشی انداز میں کہا تھا۔ وہ دونوں سٹنگ روم میں ترتیب سے رکھی دو چیئرز گھسیٹ کر بیٹھ گئیں۔ اسی پل مس نینی بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوئی۔

"میم! کچھ چاہیے' جوس' کولڈ ڈرنک' کافی وغیرہ۔"

"ان۔ ہاں' جوس لے آئیں۔ البتہ فریش ہونا چاہیے۔"

"مینگو یا ایپل؟" مس نینی نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"نہ مینگو نہ ایپل۔ آپ یوں کریں گریپس کا جوس لے آئیے۔" عنوہ نے حنا کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"میم! آئم سوری' گریپس تو نہیں ہیں البتہ پیچ اور سویٹ لیمن موجود ہیں۔ او سوری' یاد آیا۔ پوما گرانٹ کا بالکل فریش کریٹ آیا ہے۔ پیور ریڈ ہیں۔ صاحب کے فرینڈز شوق سے انار کا جوس پیتے ہیں۔" مس نینی نے قدرے شرمندہ آواز میں جواب دیا تھا۔

"وہ تو سوئر ہو گا۔ گلاب خراب ہونے کا خدشہ ہے۔ آپ ایپل جوس ہی لا دیں۔" عنوہ نے بھنا کر کہا تھا۔ وہ "یس میم" کہہ کر تابعداری سے سرہلاتی پلٹ گئی تھی جبکہ حنا لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ اس کی ہنسی روکنا بہت مشکل کام تھا۔

"یس میم' نو میم' سوری میم۔ ایک ہی گردان بولتے تھکتی نہیں۔" وہ آنکھوں میں ہنسی کی بدولت

نے والے پانی کو ٹشو سے صاف کرتی بمشکل بولی تھی۔ عنوہ بھی مسکرا دی۔

"یہ تو صرف ٹریلر تھا' پوری فلم آرام سے دیکھنا۔ مس نینی سے تو فرمائش کر کے بندہ پھنس ہی جاتا ہے اور پھر اس گھڑی کو کوسنا شروع کر دیا جاتا ہے جب ان محترمہ سے کچھ لانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اگر آپ کو کافی کی طلب ہے تو محترمہ پوچھیں گی۔ کولڈ کافی' بلیک کافی' کریم یا سمپل۔ اگر چائے کی فرمائش کریں گی تو پہلے آپ سے پوچھا جائے گا سپورٹ ٹی' گرین ٹی یا پھر مکس۔ اگر کبھی لنچ یا ڈنر میں آپ کا نان کی چپاتی کھانے کا موڈ بن جائے تو پہلے مس نینی آپ کی چوائس کے بارے میں معلومات لیں گی۔ مثلاً ف یا ملٹ لوف یا میز لوف۔ اب کوئی ان سگھڑ خاتون سے بھلا پوچھے کہ ہم نے گوشت پوست کا پہاڑ بننا ہے کی اور باجرے کی چپاتیاں کھا کر۔" عنوہ بہت مزے سے کہہ رہی تھی اور حنا کی ہنسی کے فوارے پھوٹ رہے تھے۔

"یقیناً مس نینی کو غلط فہمی لاحق ہے کہ تم پچھلے جنم گاؤں کی الہڑ مٹیار رہ چکی ہو۔" حنا مسکرائی اور پھر نی (رمضان) کو جوس کی ٹرے پکڑے اندر آتا دیکھ کر موش ہو گئی۔

"عمر صاحب کا شادی کا کیا ارادہ ہے؟" اچانک یاد نے پر عنوہ نے سوچا کہ لگے ہاتھوں حنا کی بھی بولتی بند روی جائے۔ خلاف توقع وہ چہکنے کی بجائے قدرے م سم سی ہو گئی تھی۔

"حنا! خیریت تو ہے؟" وہ ایکدم پریشان ہو گئی۔

"ہوں' سب خیریت ہے۔" حنا کی پھیکی سی ہنسی ے ہزاروں خدشات میں مبتلا کر دیا۔

"تم پریشان کیوں ہو گئی ہو' کوئی ... ہے تو شیئر رو۔"

"یار! پوری لائف ہی پرابلمز کا ... ہے۔ بندہ س کس بات پر دکھی ہو۔" حنا نے ... زاری سے

"تم بھی چکو' میرا بی پی لو ہونے لگا" ... "عنوہ نے

تفکر سے کہا۔

"عمر نے منگنی توڑ دی ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔

"مگر کیوں؟" عنوہ حیرت زدہ سی رہ گئی۔

"اس کی چوائس کوئی اور ہے۔"

"تو منگنی سے پہلے اسے یہ باتیں سوچنا چاہیے تھیں۔ اس نے تمہیں ہرٹ کیا ہے' ایسے واہیات لوگوں کو میرا دل کرتا ہے شوٹ ہی کر دوں۔ ان مردوں نے "عورت" کو نہ جانے سمجھ کیا رکھا ہے۔ عورت کے ایموشنز کی کوئی اہمیت نہیں ان کے نزدیک۔" عنوہ گہرے دکھ سے نڈھال کہہ رہی تھی۔ حنا اس کی واحد دوست' راز دار تھی۔

"مٹی ڈالو اس قصے پر اور ذرا باہر کے شور پر کان دھرو۔ میرے خیال میں آنرڈ گیسٹ (معزز مہمان) آگئے ہیں۔"

"ہاں' مجھے بھی گاڑیوں کے دروازے کھلنے بند ہونے کی آواز آئی ہے۔" عنوہ نے بھرپور تائید بھرے انداز میں سرہلایا تھا۔ اسی پل زیان سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس گلے میں ٹائی لٹکائے سٹنگ روم میں داخل ہوا۔ وہ دونوں ہی گڑبڑا کر اٹھ گئی تھیں۔

"کیا بات ہے خاتون خانہ کی۔ ادھر کونے میں بیٹھ کر نہ جانے کون سی میٹنگ فرمائی جا رہی ہے۔ گھر آئے مہمانوں کو ویلکم کہنے کے کچھ مینرز تو آتے ہوں گے۔" زیان دھیرے سے چلتا ہوا ان دونوں کے قریب آکر طنزیہ انداز میں بولا تھا۔ وہ دونوں ہی بری طرح سے شرمندہ ہو گئیں۔ حنا کو کچھ نہ سوجھا تو سلام ہی جھاڑ دیا۔

"کیسی ہیں آپ' یقیناً ٹھیک ٹھاک ہوں گی۔ کچھ مینرز اور ایٹی کیٹس اپنی فرینڈ کو بھی سکھا دیتے جنہیں سلام کرنے کا بھی ہوش نہیں۔ آنکھیں پھاڑے اور منہ کھولے دیکھ رہی ہیں۔" زیان کون سا کبھی کا لحاظ کرتا تھا۔ عنوہ نے ٹھیک ہی اسے "بے لحاظ" کا خطاب دے رکھا تھا۔

"آپ کب آئے ہیں؟" اس نے کھسیا کر آہستگی

www.pkdigest.com

سے پوچھا۔

"جب آپ مردوں کو شوٹ کرنے کی پلاننگ فرما رہی تھیں اور۔۔۔"

"جورو کا غلام نکل آیا ہے۔۔۔" زیان کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ ایکدم دھاڑ سے دروازہ کھلا تھا۔ تین چار خوبرو سے نوجوان آگے پیچھے اندر داخل ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے تین چار ماڈرن اور خوبصورت لڑکیاں بھی تھیں۔ ایکدم رنگ و نور کا سیلاب لڈ آیا تھا۔

ہائے بھابی، ہیلو بھابھی، کیسی ہیں بھابھی؟ قہقہے، ہنسی، آوازیں۔ ماریہ، ماہم اور سوما بھی آگئی تھیں۔ زوبا نے آگے بڑھ کر میوزک آن کر دیا تھا۔ سب زیان کے پیچھے ایک مرتبہ پھر لاؤنج میں جا چکے تھے۔ عنوہ، حنا کو بھی گھسیٹ لائی۔ زیان سے مزید جھاڑ کھانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اس کا۔ حنا کو تو گھبراہٹ ہونا ہی تھی جبکہ وہ خود بھی بے حد بوکھلا سی گئی تھی۔ ٹھنڈے پسینے آرہے تھے۔ کون کہتا تھا کہ وہ کسی اپر کلاس سے تعلق رکھنے والی ہے۔

اسے ممی کی بات یاد آئی۔ وہ اکثر اس کی بوکھلاہٹوں کو ملاحظہ کر کے جتاتی رہتی تھیں کہ اسے کسی کلرک کے گھر پیدا ہونا چاہیے تھا۔

"زیان! یہ اے سی ٹھیک سے کولنگ کیوں نہیں کر رہا۔" ماریہ نے بے تکلفی سے زیان کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا تھا اور پھر گلے میں لٹکایا رسی نما اسکارف کو اتار کر پھینک دیا۔ زوبا اپنی پسند کا میوزک ترتیب دے رہی تھی۔ حسن، اسد اور احتشام ایک صوفے پر نیم دراز تھے۔ ان کے قریب کارپٹ پر سوما اور ماہم بیٹھی تھیں۔ عنوہ اور حنا کو آتا دیکھ کر حشام اور حسن سیدھے ہو گئے۔

"ہیلو بھابھی! یہ کون ہے؟" حشام اور حسن نے دلچسپی سے پوچھا۔

"بھابھی کی فرینڈ ہیں۔ دھیان سے، پہلے ہی بمشکل ٹھیک ہوئے ہو پھر سے ہڈیاں نہ تڑوا لینا۔" سوما نے قہقہہ لگا کر کہا تھا۔ حشام جھینپ گیا۔

"یار! ان میں کپلز کون کون سے ہیں؟" حنا تو گھبرا اٹھی تھی۔ حشام دلچسپی سے اس کے سرخ چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"ہم سب ایک دوسرے کے کپل ہیں۔" ماریہ کی سماعتیں کافی تیز تھیں۔ فوراً" فقرہ کیچ کرتے ہوئے برجستہ بولی۔

"تم کو نہیں، میں تعارف کرواتی ہوں۔" زوبا، حسن کے ہاتھ سے موبائل چھین کر کھڑی ہو گئی تھی۔ موبائل کو مائیک کے انداز میں پکڑ رکھا تھا۔

"حسن کی مسز سوما اور اسد کی مسز ماہم ہے۔ حبیب اور کومل بس آنے والے ہیں اور باقی سب چھڑے چھانٹ ہیں۔ ان کی بے تکلفی پر پریشان مت ہونا۔ محفلوں میں یہ ایسے ہی اوور ایکٹنگ کرتے ہیں۔" زوبا، ماہم اور اسد پر طنز کرتے ہوئے بول رہی تھی۔ چونکہ ماہم اسد کے کان میں نہ جانے کیا کھسر پھسر کر رہی تھی، اسی لیے زوبا نے اس پر کمنٹس پاس کیے تھے۔ ماہم قدرے گڑبڑا سی گئی تھی۔

"عنوہ! تم ہماری بے تکلفی پر بھی ایکشن مت لینا کیونکہ ہم سب کلاس فیلوز ہیں۔" ماریہ نے اونچا سا قہقہہ لگایا تھا۔ باقی سب تو ٹھیک تھے، عنوہ کو یہ ماریہ اچھی نہیں لگی تھی۔

"عنوہ! میں گھر جانا چاہتی ہوں۔" حنا نے دبی دبی آواز میں کہا تھا۔ حشام ایکدم سیدھا ہو گیا۔

"زیان! حنا گھر جانا چاہتی ہے۔ آپ بابا (ڈرائیور) سے کہیں اسے چھوڑ آئے۔" عنوہ اس کی گھبراہٹ اور بے چینی کے پیش نظر بولی تھی۔ سب ایک دم چونک سے گئے۔

"ابھی سے۔" کئی آوازیں ایک ساتھ ابھریں۔

"حنا کے فادر اکیلے ہیں اور ان کی۔۔۔"

"کیا انہیں ڈر لگتا ہے۔" ماریہ نے معصومیت کے ریکارڈ توڑ ڈالے تھے۔ حشام نے ناگواری سے ٹوکا۔

"مذاق کرتے ہوئے مقابل کے موڈ کو دیکھ لینا چاہیے۔"

"میں پھر آؤں گی۔" حنا آہستگی سے اس کے کان

میں منمنائی تھی۔ حنا کے جانے کے بعد اسے ایک پل کے لیے یوں محسوس ہوا تھا کہ وہ اجنبی لوگوں کی بھیڑ میں بالکل اکیلی رہ گئی ہے۔

"یار زیان! اتنی اچھی "بھابھی" کہاں سے امپورٹ کی ہے۔" حسن نے مصنوعی حیرت سے کہا تھا۔ ماریہ جو کہ زیان سے نہ جانے کون سے راز و نیاز میں مصروف تھی۔ حسن کے متوجہ کرنے پر بدمزہ سی ہو گئی۔

"نہیں، ہماری گریٹ ساس نے اسپیشلی اللہ سے ہمارے لیے مانگا تھا۔" زیان سے کسی اچھی بات کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ عنوہ کا چہرہ مارے خفت اور اشتعال کے سرخ ہو گیا۔

"زیان کو ماریہ سے بچا کر رکھنا، بڑی تیز شے ہے۔ ویسے ایرانی ہے مگر سالوں سے ادھر ہے، شاید بچپن سے۔ اس کی مدر کا تعلق تائیوان سے تھا اور باپ کا ایران سے۔ کافی سال پہلے سیٹھ حاکم اسے اپنی بیٹی بنا کر لے آئے تھے۔ ان کی اولاد نہیں تھی۔" ماہم نے چپکے سے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"ہمارے تمہارے شوہروں کی بڑی پیاری دلداری ہے۔ ذرا لگام میں کھینچ کر رکھنا زیان کی۔"

"کیا پٹیاں پڑھا رہی ہو تم بھابھی کو۔" اسد نے ماہم کو آنکھیں دکھائی تھیں۔

"کچھ نہیں۔" ماہم نے ہاتھ جھاڑے۔

"ریسپی پوچھ رہی تھی۔ ایک اٹالین ڈش کی۔" وہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی۔ زیان کو جوس پیتے ہوئے زور کا اچھو لگ گیا تھا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" حشام نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ماہم کے سفید جھوٹ پر یقین نہیں آیا۔" حسن، اسد کو بتا رہا تھا۔ عنوہ جھینپ کر اٹھ گئی۔

☼ ☼ ☼

گوتھ کے آغاز سے لے کر اختتام تک اور اس سے بھی تین چار سو میل دور تک پھیلی وسیع جاگیر کے بابا صاحب اکیلے وارث تھے۔

ان کی سادگی کو دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ اس قدر صاحب جائیداد اور رئیس آدمی ہیں۔ نہ شخصیت میں کوئی بناوٹ تھی، نہ معیار زندگی بہت اعلا۔ لباس، خوراک، رہائش سب میں سادگی کی واضح جھلک تھی۔

"اتنے اعلا تعلیم یافتہ، صاحب حیثیت اور اعلا حسب نسب رکھنے والے شخص نے شادی کیوں نہیں کی؟" یہ سوالیہ نشان بہت واضح الفاظ میں جگمگا رہا تھا۔

اتنا تو وہ جانتی تھی کہ عبدالباری ان کا سگا بیٹا نہیں بلکہ بہت عزیز دوست کا بیٹا ہے۔

بابا صاحب کی ذات سب کے لیے محبتوں کا وسیع سمندر تھی۔ ہر کوئی اپنی تکلیف، اپنا دکھ ان کی جھولی میں ڈال کر شانت ہو جاتا تھا۔ اسے آج بھی پوری جزئیات سے وہ رات یاد تھی جب وہ پہلی مرتبہ ایک اجنبی خاتون کے توسط سے بابا صاحب سے ملی تھی۔ اس کا دل "غم" اور "مصائب" کے بوجھ سے گھائل تھا۔ نفس نے دنیاوی لذتوں کے پیچھے اسے آلودہ کر دیا تھا۔ روح زخم زخم تھی۔ اسے سکون کی کھوج تھی۔ وہ مصنوعی روشنیوں سے چھٹکارا پا کر اصل اور سچی روشنی کی تلاش میں تھی۔

اس نے بابا صاحب سے ______ سارے دکھ کہہ دیے تھے۔ ندامت کے سارے اشک بہا دیے تھے۔

"بابا صاحب! مجھے سکون چاہیے۔ میرے اندر آگ کے بھانبھڑ جل رہے ہیں۔ میرا وجود آگ کی لپٹوں کی زد میں ہے۔ میں کسی کی "بددعا" کے حصار میں ہوں۔ مجھے اس "بددعا" کی زنجیروں سے رہائی چاہیے۔ مجھے سب نے ٹھکرا دیا ہے۔ "وہ" بھی میری نہیں بنا میں کس کے در سے بھیک مانگوں، میں کس کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں۔ میرا کشکول بھی خالی ہے، میرا دل بھی خالی ہے، میرے ہاتھ بھی خالی ہیں۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"در مکنون! اس پہ نظر رکھو جو تم پر نظر رکھتا ہے، اس کے سامنے رہو جو تمہارے سامنے رہتا ہے۔"

www.pkdigest.com

صرف "اسی" سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتا ہے' اس کی بات مانو جو تمہیں اپنی طرف بلاتا ہے۔ اپنا ہاتھ اسے دو جو تمہیں گرنے سے سنبھال لے گا' بچا لے گا۔ جہل کی تاریکیوں سے نکال لے گا۔ غموں کے اندھیروں میں بھٹکنے نہیں دے گا۔ نجاستیں دھوئے گا' میل کچیل سے پاک کرے گا۔ تم کو تمہاری سرانڈ اور بدبو اور پست ہمتی اور نفس

سے نجات دے گا۔ تمہارے نفس اور لامحدود خواہشوں نے ہر عمدہ اور نفیس شے سے تمہیں محروم کردیا ہے' جو تمہیں اللہ نے عطا کی تھیں۔

ہائے افسوس۔۔۔ کب تک خلق؟ کب تک خواہش؟ کب تک رعونت؟ کب تک حشمت؟ کب تک دنیا؟ کب تک حسن؟ ہر شے فانی ہے' باقی اللہ کی ذات۔ اول بھی وہ' آخر بھی وہ دلوں کی محبت' روحوں کا اطمینان۔ یہ داناؤں کے قول ہیں۔۔۔ یہ حکمت کی باتیں ہیں۔" ان کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے' آنکھوں سے آنسو رواں' دل غمزدہ اور وجود لرز رہا تھا۔ ان کا کپکپاتا ہاتھ اس کے سر پر آن ٹھہرا۔

"بہت کثرت سے کلام الٰہی کی تلاوت کیا کرو' اس کے حرفوں کی سیاہی میں وہ سفیدی چھپی ہوئی ہے جو تمہارے گناہوں کی سیاہی کو دور کرکے تمہارے دل کو نور ایمان سے روشن کردے گی۔" ان کا حرف حرف درمکنون کے دل میں چبھی ایک ایک پھانس کو نکال رہا تھا۔

"درمکنون! آیئے پلیز۔" وہ جیپ کا دروازہ کھولے منتظر کھڑا تھا۔ درمکنون سوچوں کے گرداب سے بمشکل نکلی اور قدرے خجل سی ہو کر باہر آگئی۔ وسیع و عریض قدیم طرز کی حویلی بانہیں پھیلائے شان سے کھڑی تھی۔ پھاٹک کی نیم پلیٹ پر واضح لفظوں میں جگمگا رہا تھا "شاہ قدوس" وہ آج ہی بابا صاحب کے ساتھ بستی سے گوٹھ عبدالباری کے ہمراہ آئی تھی۔ حویلی کے برابر ایک اور عظیم عمارت تفخر سے کھڑی تھی۔ عبدالباری اسی حصے کی طرف انہیں لے کر آیا تھا۔ یہ ایک اسکول کی شاندار جدید سہولیات سے مزین

عمارت تھی۔ پوری بلڈنگ کو خوب اچھی طرح سے دیکھنے کے بعد درمکنون کی نگاہوں میں ستائش تھی۔ ہر کلاس روم میں اے سی' سردیوں کے لیے ہیٹر کا انتظام' بہترین فرنیچر' کمپیوٹر سیکشن میں ترتیب سے رکھے تیرہ چودہ کمپیوٹر۔ وسیع و عریض لائبریری جس میں بچوں کی کتب' دینی کتابوں کی زیادہ تعداد تھی۔ ہاسٹل کی سہولت بھی موجود تھی۔

"تین مزید ٹیچرز کو اپائنٹمنٹ لیٹرز بھجوا دیے تھے۔ بابا جان! اس قدر ملک میں بے روزگاری ہے کہ سال تو لائنیں لگ گئی تھیں۔" عبدالباری انہیں تفصیلات سے آگاہ کررہا تھا۔

"یہ ایک ورلڈ وائیڈ پرابلم ہے۔" انہوں نے رنجیدگی سے کہا تھا۔ درمکنون حیران سی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اگر یہی عظیم الشان بلڈنگ کسی ڈیولپڈ (ترقی یافتہ) علاقے میں بنی ہوتی تو لوگوں نے محض عمارت کو دیکھ کر ہی رعب جانا تھا۔ معیار اگرچہ کیسا ہی کیوں نہ ہوتا۔

"ایک پریڈ میں قاری صاحب بچوں کو قرآن پاک کا سبق دینے کے لیے آیا کریں گے۔ کل میں نے ایک بچے سے کلمہ سنا تھا' اتنی مسٹیکس تھیں تلفظ میں۔" وہ بابا صاحب کے برابر چلتے ہوئے بتا رہا تھا۔

"بابا جان! میری خواہش ہے کم از کم ہمارے علاقے اور اس کے اردگرد کی بستیوں سے دینی و دنیاوی ہر طرح کی جہالت کا خاتمہ ہوجائے۔"

"ان شاء اللہ ہمیں اپنے مقصد میں کامیابی ہوگی۔" انہوں نے صدق دل سے کہا تھا اور پھر قدرے آہستگی سے مزید بولے۔

"اسکول کے لیے ایک ایڈمنسٹریٹر کا ہونا بھی ضروری ہے۔"

"درمکنون ہے نا۔" اس نے بے ساختہ کہا تھا اور پھر ان کی طرف جھک کر بڑے اعتماد سے بولا۔

"بابا جان! آپ کو نہیں لگتا یہ لڑکی جانے یا انجانے میں بالکل ٹھیک جگہ پر پہنچ گئی ہے۔ اس کا کردار یہیں فٹ آتا ہے۔"

"ہوں۔" انہوں نے پرسوچ انداز میں ہنکارا بھرا۔ "تمہیں درمکنون کیسی لگتی ہے؟"

"اچھی بلکہ بہت اچھی۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"اچھی تو وہ ہے' میں بطور لائف پارٹنر کے پوچھ رہا ہوں۔" وہ دور تنگی بینچ پر سوچوں میں گم بیٹھی درمکنون کو دیکھ کر بولے تھے۔

"مشرقی لڑکا ہوں' خود سے کیا بولوں۔ شرم و حیا بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔" اس کے انداز میں بھرپور شرارت تھی۔

"ہوں۔" وہ کھل کر مسکرا دیے تھے۔

"اب کچھ کام کی بات کرلیں۔" عبدالباری نے اجازت طلب نگاہ سے انہیں دیکھا تھا۔

"ہم کیا بے کار باتیں کررہے ہیں۔"

"نہیں' بابا جان! میرا یہ مطلب نہیں۔" وہ قدرے گھبرا کر وضاحت کرنے لگا تھا پھر ان کا دھیان بٹانے کی غرض سے بولا۔

"آپ کو نہیں لگتا بابا جان! کہ یہ لڑکی بہت کیئرلیس (لاپروا) ہے۔ دیکھیں نا آج کل کی لڑکیوں والی کوئی خوبی سرے سے موجود ہی نہیں۔ نہ شاپنگ کا شوق نہ بناؤ سنگھار۔ لگتا تو نہیں پنجاب یونیورسٹی کی پوزیشن ہولڈر ہے۔" وہ حیرانی سے کہہ رہا تھا اور بابا صاحب کچھ اور سوچ رہے تھے۔

"تمہیں کیا پتا باری! کہ یہ ان سب چیزوں کو بہت پیچھے چھوڑ آئی ہے۔"

☼ ☼ ☼

کوالیفکیشن کے لحاظ سے پورا اسٹاف ویل آف ایجوکیٹڈ تھا۔ وہ اسکول کی منتظم اعلا بنادی گئی تھی۔ اسے اس ذمہ دار سیٹ پر بٹھانے والا خود اسلام آباد جاچکا تھا۔ بابا صاحب نے اس کے استفسار پر بتایا تھا کہ عبدالباری تقریباً" ہر ویک اینڈ پر یہاں آتا ہے نئی نئی جاب کی مصروفیت کی وجہ سے۔

عبدالباری نے یونیورسٹی آف ایرڈ سے ایگری کلچر اور نیشنل یونیورسٹی سے ماسٹرز کر رکھا تھا۔ آج کل وہ مقامی کالج میں بطور لیکچرار جاب کررہا تھا۔

اسلام آباد سے تقریباً" ساٹھ میل دور سرسبز پہاڑوں کے عین وسط میں واقع یہ گاؤں قدرت کی صناعی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ فلک بوس پہاڑ' سرسبز وادیاں' گیت گاتی ندیاں' تیز و تند ٹھاٹھیں مارتا دریا' طویل و عریض سبزہ زار' خوشنما جھیلیں' فطرت کے دیوانوں کا سب سے بڑا اور قیمتی سرمایہ تھا۔

آج چونکہ چھٹی تھی' اسی لیے وہ فرصت کے عالم میں قدرت کے حسین نظاروں سے لطف اندوز ہونے کی غرض سے باہر نکل آئی تھی۔

تاحد نگاہ سرسبز مرغزار اپنی رنگینی سے دل موہ لیتے تھے۔ قریب ہی کسی پہاڑ کے دامن سے دلکش آبشار اور جھرنوں کی آواز کانوں میں رس گھول رہی تھی۔ اس حسین وادی کے ایک طرف انگور' اخروٹ' چلغوزہ' خوبانی اور شہتوت کے بار آور درخت شان سے کھڑے تھے۔ دوسری طرف خوش خرام ندی اور سرمست دریا ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ وہ سبز کھیتوں میں لیموں اسی ماحول کا کوئی حصہ دکھائی دے رہی تھی۔

عبدالباری نے گلا کھنکار کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ وہ چونک کر سیدھی ہوگئی۔

"آپ کب آئے؟"

"کیا "کیوں" والا سوال کیا ہے۔" عبدالباری خوشدلی سے بولا تھا۔ درمکنون نے ناگواری سے سر جھکا لیا۔

"میرے ساتھ اس لہجے میں بات کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"تو پھر کس لہجے میں بات کروں۔" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"میں آپ سے کلام کرنا نہیں چاہتی۔" اس کی ناگواری ہنوز برقرار تھی۔

"مگر میں تو خواہش رکھتا ہوں آپ سے گفتگو کرنے کی۔"

"میں آپ کے گھر میں رہتی ہوں' اس بات کا

www.pkdigest.com

دونوں کی طرح دو دن میں ہی الگ ہو جاتی۔" زرین کی موٹی عقل میں کام کی بات سما ہی چکی تھی۔ اب وہ بڑی خوشی خوشی سے پلاننگ کرنے لگی تھی۔

"آپ بھی آتے ہی اسے سر پر مت چڑھا لیجیے گا۔ اوقات میں رہے تو اچھا ہے۔ شادی کے بعد پہلی فرصت میں تمام نوکروں کی چھٹی کرواؤں گی میں۔ یہ غریب گھرانے کی لڑکیاں زیادہ رزق دیکھ کر بہکنے لگتی ہیں۔"

"باقی کے منصوبے پھر بنا لینا' ابھی بچوں کے لیے تازہ روٹی پکالو۔ بھوک بھوک چلاتے آجائیں گے کالج سے۔" شگفتہ نے کلاک کی طرف دیکھ کر اسے وقت گزرنے کا احساس دلانا چاہا تھا۔

"تو اب زادی خود آکر پکالے گی' مجھ سے نہیں اس گرمی میں چولہے کے قریب کھڑا ہوا جاتا۔ ویسے بھی آج میرا بی پی بہت ہائی ہے۔" وہ آرام سے تخت پر لیٹ کر مصنوعی نقاہت سے کہہ رہی تھی۔

"کام چور' ہڈ حرام۔" شگفتہ تلملا کر کھڑی ہو گئیں۔

"امی۔۔۔ ابھی رجو آجائے گی تو اس سے روٹی پکوا لیجیے گا۔" اس نے لگے ہاتھوں مشورہ بھی دینا چاہا تھا۔

"اس بدبو کی پوٹ سے میں تو کبھی بھی روٹی نہ پکواؤں۔ گندی ہر وقت تو سر کھجاتی رہتی ہے۔" انہوں نے خفگی سے کہا۔

"امی کباب بھی فرائی کر لیجیے گا' وصی کو بہت پسند ہیں۔"

"تف ہے تم پر زرین! بڈھی ماں سے فرمائش کی جا رہی ہے۔ ایسی ہڈ حرامی نہ دیکھی نہ سنی۔" خالہ قمری کی انٹری ایسے موقعوں پر ہی ہوتی تھی اور وہ تو ویسے بھی زرین کی بے عزتی کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھیں۔

"خالہ! مجھے تو رات سے سخت بخار ہے۔ پیٹ میں بھی بہت درد تھا۔"

"تو مجھے بلوا لیا ہوتا۔ ایسا اصلی دیسی جڑی بوٹیوں کا قہوہ بنا کر دیتی کہ منٹوں میں ہی درد نے بھاگ جانا تھا۔" خالہ اس کی بیماری کا سن کر فوراً بولی تھیں۔ ان کا ل اس کی تکلیف کا سن کر پسیج گیا تھا۔

"خالہ! چائے لاؤں آپ کے لیے۔" زرین مزید علاج اور اس کے حل کے متعلق تقریر سننے سے پہلے بول اٹھی۔

"نہ یہ کون سا وقت ہے چائے پی کر کلیجہ ساڑنے کا۔ میرے لیے تو ٹھنڈا فالسے کا شربت بنا کر لاؤ۔" انہوں نے ناراضی سے کہا تو زرین کو اٹھتے ہی بنی۔

"بڑی ست طبیعت کی ہے یہ زرین بھی۔ نہ بچوں کی فکر نہ اپنی پروا۔ خیر بے چاری اپنی پروا کرے بھی کیوں اور کس کے لیے؟ چاہنے سراہنے والا تو منوں مٹی تلے جا سویا۔ بھلا وہ کوئی وخت (وقت) تھا بھری جوانی میں جانے کا۔" خالہ نے رنجیدگی سے سوچا اور پھر شگفتہ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"ثمن (نواسی) کی بھی کہیں بات چلائی تھی خیر سے بارہویں کا امتحان دے دیا ہے۔ یہی تو عمر ہوتی ہے گھر بسانے کی۔" ان کی سرگوشی اندر آتے وصی نے سن لی تھی اسی لیے تلملا کر بولا۔

"ثمن نے بارہویں کا امتحان دیا ہے اور میں بے چارا دو سالوں سے جو پاس لگے سہرے کے پھول کھلنے کے انتظار میں سوکھ کر کانٹا ہوا جا رہا ہوں مگر میری پروا کسے ہو گی۔ ایک آپ کو اپنا ہمدرد سمجھ رکھا تھا مگر آپ نے بھی حد ہی کر دی ہے۔ رمیز ماما کے بعد ثمن کے بارے میں سوچا جا رہا ہے اور مجھے درمیان میں سے اچک کر پھینک دیا ہے بلکہ مکھن سے بال کی طرح نکال دیا ہے۔ میرا اتنا لمبا تڑنگا وجود آپ کو نظر نہیں آیا اور وہ بونی سی ثمن آنکھوں میں پوری فٹ ہو گئی ہے۔ میں اس ناانصافی پر احتجاج کروں گا۔ آج سے میری بھوک ہڑتال۔" اس کی دہائیاں زور و شور سے جاری تھیں۔ خالہ منہ پر کپڑا رکھ کر ہنسے جا رہی تھیں۔ وصی ان کے قریب گھٹنے پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"چل ہٹ' مسخرے۔ ہر وقت ہری ہری سوجھتی ہے۔ "وخت" آلینے دو تمہارا بھی کچھ سوچوں گی۔"

"نہ جانے کب وہ عظیم دن اور سہانا وخت (وقت) آئے گا۔ نانا! ایسا نہ ہو کہ میں اس وخت کے آنے

تک "بابا" بن جاؤں۔ مجھے بالوں میں خضاب لگانا پڑے گا۔ نقلی دانتوں کی بتیسی پر الگ خرچہ ہو گا۔ سات آٹھ سو کی سستی سی موٹے عدسوں والی عینک کا ہونا بھی ضروری ہے۔ آخر "دولہن" کو بھی تو دیکھنا ہے۔" وہ بڑی لجاجت سے کہہ رہا تھا۔ کچن سے زرین بھناتے ہوئے باہر نکلی۔

"بک بک کرنے کی ضرورت نہیں' ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھالو۔"

"امی حضور! شیروں کے منہ دھلے ہوتے ہیں' انہیں دھونے کی ضرورت نہیں۔" وہ مسکراتا ہوا خالہ سے "ابھی آتا ہوں" کہہ کر کچن کی طرف بڑھ گیا تھا جبکہ خالہ ایک مرتبہ پھر شگفتہ بیگم کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"ویسے تم نے کبھی سوچا نہیں ہو گا کہ یوں میرے ساتھ ایک دن "ڈیٹ" پر جاؤ گی۔" زیان نے ایک زچ کر دینے والی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر آنکھ دبائی تھی۔

"استغفراللہ۔" عنوہ کانوں تک سرخ ہو گئی۔

"ذرا الفاظ میں درستی کر لیں' میں آپ کے ساتھ "ڈیٹ" پر نہیں "ڈنر" کرنے جا رہی ہوں۔" عنوہ نے چبا چبا کر کہا تھا۔ زیان نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا۔

"بات تو ایک ہی ہے۔ دونوں صورتوں میں رومانس ہی بگھارا جاتا ہے۔"

"اپنے اپنے مینٹل لیول کے مطابق ہر کوئی سوچتا ہے۔" اس نے جھنجھلائے لہجے میں کہہ کر ونڈو سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔

"اور آپ کا "لیول" کیا ہے۔" زیان نے احتیاط سے ٹرن لیا۔

"کم از کم آپ سے میچ نہیں کرتا۔" اس نے بھی دل جلانے والے انداز میں کہا تھا۔

"اور اسے برابر کرنے کے لیے کیا کرنا ہو گا۔" بڑی سنجیدگی سے دریافت کیا گیا تھا۔

"آپ کو کیا ضرورت ہے اپنی "سطح" سے نیچے آنے کی۔" اس کا انداز ہنوز وہی تھا' جلا کٹا سا۔

"مینڈکی کو بھی زکام ہو گیا ہے۔" زیان نے لب بھینچ کر مسکراہٹ دبائی۔ عنوہ تلملا کر پہلو بدلنے لگی تھی۔ کچھ نہ سوجھا تو اس روٹھے انداز میں بولی۔

"میں نے کچھ "اسپیشل" خریدنا ہے۔"

"پہلے بتانا تھا نا' اب تو ہم مارکیٹس اور شاپنگ مال کافی پیچھے چھوڑ چکے ہیں۔ چلو کوئی بات نہیں' ابھی واپس ٹرن لے لیتے ہیں۔ آخر کو پہلی مرتبہ آپ نے فرمائش کی ہے۔ پورا کرنا ہمارا فرض بنتا ہے۔ حالانکہ مجھے خواتین کے ہمراہ شاپنگ کرنا سخت آکورڈ لگتا ہے۔" اس نے احتیاط سے گاڑی کو دوسرے روڈ پر ڈال دیا تھا۔ پندرہ منٹ بعد اس نے اپنی سپر لگژری سوک کو ایک بہت بڑے شاپنگ مال کے پارکنگ ایریا میں بہت مشکل سے پارک کیا تھا۔

"آؤ بھی۔" اس نے عنوہ کو مخاطب کیا جو ہینڈ بیگ میں سے نہ جانے کیا تلاش کر رہی تھی۔

"یہیں تو رکھی تھی۔" عنوہ نے جھنجھلا کر کہا اور ایک ایک چیز نکال کر دیکھنا شروع کر دی۔ "پتا نہیں کہاں رکھ دی ہے۔" اب وہ ایک مرتبہ پھر پرس کو کھنگالنے لگی تھی۔ یہاں تک کہ الٹا کر کے جھاڑ کر بھی دیکھ لیا۔

"بھئی کیا مسئلہ ہے۔" زیان نے جھلا کر کہا۔

"خوامخواہ ٹائم ضائع کر رہی ہو۔ نکلو بھی باہر۔"

"وہ کچھ تو' لسٹ تو میں شاید گھر بھول آئی ہوں۔" اس نے سر پر ہاتھ مار کر اپنے بھلکڑپن کو کوسا۔

"لسٹ کی کیا ضرورت ہے' ایسے ہی خرید لو جو کچھ خریدنا چاہ رہی ہو۔ کیا وہ بھی بھول چکی ہو؟" زیان نے طنزیہ کہا۔

"نہیں' وہ تو یاد ہے مگر۔۔۔" عنوہ ایک دم جھجک کر خاموش ہو گئی تھی۔

"کم آن عنوہ!" وہ گاڑی کا ڈور کھولتے ہوئے بولا مگر عنوہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"چکنے گھڑے نکل آؤ باہر کہ اٹھا کر لے جاؤں۔" وہ بھنا کر بولا تھا۔ عنوہ انگلیاں چٹخاتی منمنائی۔

www.pkdigest.com

"رہنے دیں، پھر خرید لوں گی بلکہ آپ کو لسٹ دوں گی آپ لے آیئے گا۔ اصل میں پہلے بھی ممی ہی ایسی "چیزیں" خریدتی تھیں۔ میں نے کبھی اس قسم کی شاپنگ نہیں کی۔

مجھے تو بہت عجیب فیل ہوتا ہے۔ بھلا میں کیسے خریدوں گی۔" وہ بہت آہستہ آواز میں جھجکتے ہوئے کہہ رہی تھی اور زیان ایکدم چونک گیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے تمام الجھن رفع ہو گئی تھی۔ اب بے یقینی اور صرف حیرت کا عکس جھلک رہا تھا۔

رات کے ابتدائی پہر، کھلے ستاروں سے سجے چمکتے دمکتے آسمان کے نیچے کھڑے ہو کر محض ایک منٹ اور پینتالیس سیکنڈ کے اندر لمحے کے ہزارویں حصے میں زیان عبیث کو اپنی خوش قسمتی، بلند بختی کا ایسا ادراک ہوا تھا کہ دل گویا خوشی، مسرت اور شادمانی کے احساس سے جھوم جھوم اٹھا۔ اسے اتنے سالوں بعد پہلی مرتبہ احساس ہوا تھا کہ وہ ایک سنگلاخ زمین پر کھڑا ہے اور اس کے اردگرد بہت مضبوط فولادی قلعہ ہے جسے زیان عبیث نے "فتح" کیا ہے۔ اس راجدھانی پر صرف زیان عبیث کا قبضہ تھا۔ عنوہ کے دل کی سپاٹ، ملائمت کی مانند نم زمین پر وہ اپنی محبت کی جو فصل بوئے گا وہی زیان عبیث کی پوری زندگی کا حاصل تھا۔ اس کا اصل سرمایہ، اس کی ذاتی جاگیر عنوہ کا خالص، سچا، کھرا نایاب دل۔ یہ درِ ناسفتہ خدا نے اسے عطا کیا تھا۔ وہ ایک ایسا "دیا" تھی، ایک ایسا روشن منور چراغ تھی جس نے زیان عبیث کے ظاہر باطن ہر طرف چراغاں کر دیا تھا۔ دل کے طاقچے پر کئی ننھے منے دیے ٹمٹمانے لگے تھے۔ وہ خوشی و انبساط کے عالم میں جنونی انداز میں پلٹا اور قدرے گم سم اور پشیمان سی عنوہ کو جھنجوڑ ڈالا۔

"کیا چیز ہو تم عنوہ! اتنا خالص پن کہاں سے لیا ہے تم نے۔ میں قسمت کا دھنی ہوں مگر آج تو مجھے سچ مچ اپنے "خوش بخت" ہونے کا یقین آگیا ہے۔ تم بے پانی کا بادل ہو جس نے سنہری دھوپ میں مجھ پر سایہ کر دیا ہے۔ تم میری روح کی آسودگی، اطمینان اور سکون ہو۔ یار! آج دل خوش کر دیا ہے۔ ایسی معصومیت اور بے خبری پر قربان ہو جاؤں۔ جی چاہ رہا ہے کہ سچ مچ اپنی ڈیئر ساس کو ایسا اسپیشل "پیس" پیدا کرنے پر کوئی تحفہ، سوغات یا نذرانہ پیش کروں۔" وہ خوشی سے لبریز بھرپور انداز میں جگمگاتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ وہ بہت زیرک نگاہ رکھتا تھا۔ اس کے دوست اسے "دراک" یعنی بہت ہی ذہین، ہوشیار اور بات کی تہ تک جانے والا سمجھتے تھے۔ وہ عنوہ کی جھجک اور بات کے مفہوم تک پہنچ گیا تھا۔ اب وہ بہت محبت پاش نظروں سے عنوہ کی طرف دیکھ رہا تھا جو بے حد گھبرا، بوکھلا کر انگلیاں چٹکا رہی تھی۔ اس کے خوبصورت چہرے کی ساری تابندگی، درخشندگی، چمک اور روشنی اسی سادگی میں تھی جس نے زیان کو اپنا اسیر کر رکھا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کی نیت بدل گئی ہے۔ ڈنر کروانے کا ارادہ نہیں لگتا۔" عنوہ جز بز سی ہو کر بولی تھی۔ زیان نے گہری خوشگوار سانس کھینچ کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"نیت میں تو واقعی فتور آچکا ہے مگر ڈنر کروانا بھی لازمی ہے۔" وہ مسکرا کر بولا تھا اور پھر مزید اس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ فائیو اسٹار کے وسیع ہال میں وہ مطلوبہ ٹیبل کی طرف بڑھ گئے تھے۔

زیان نے اپنی فیورٹ ڈشز کا آرڈر دے کر مینو کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"اس ہوٹل کے تھرڈ فلور پر میوزک کنسرٹ ہو رہا ہے۔ اگر تم شوق رکھتی ہو تو ایمرجنسی ٹکٹ خرید لیتے ہیں۔"

"اونہہ۔ مجھے نہیں اچھل کود کرتے لوگ پسند۔" اس نے ناگواری سے کہا تھا۔

"سنگرز میں کون فیورٹ ہے؟" زیان نے پوچھا۔

"کوئی بھی نہیں۔" عنوہ نے بے نیازی سے کہا۔

"کون سی صدی سے تعلق ہے تمہارا؟" وہ بہت سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ آنکھوں میں بھرپور شرارت

کی چمک تھی۔ اسی پل دو لڑکیوں اور دو لڑکوں کا گروپ ان کے قریب سے ہوا کے جھونکے کی طرح گزرا تھا۔ ایسے ہی غیر ارادی، بالکل سرسری سی اٹھتی پڑتی نگاہ اٹھی تھی اور پھر ایک چہرے پر ٹھٹک کر ٹھہری گئی۔ عنوہ نے بھی زیان کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا۔ وہ انٹرس کے گلاس ڈور کو دھکیل کر باہر نکل رہے تھے۔ عنوہ نے زیان کو اپنی جگہ سے اٹھتے دیکھا، اس کے چہرے پر بے حد سرخی اور آنکھوں میں شعلوں کی سی لپک تھی۔ اس کے لبوں سے مغلظات کا ایک طوفان اٹھنے لگا تھا۔

"دفع ہو گئے ہیں بے غیرت، نہ جانے کس کے ساتھ گھوم رہی ہے۔" واپس آکر اس کے مقابل کھڑے ہوتے ہوئے ـــــ کہا تھا۔ عنوہ نے بے حد حیرانی سے اس کے غضب ناک تاثرات والے چہرے کی طرف دیکھا۔

"کون تھی وہ لڑکی جسے دیکھ کر آپ آگ بگولا ہو گئے ہیں۔" اس نے برفیلے لہجے میں پوچھا تھا۔

زیان اپنے حواس میں نہیں لگ رہا تھا، ایک اجنبی لڑکی کو سرسری سا دیکھنے کے بعد یوں آپے سے باہر ہونا کم از کم عنوہ کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وہ دوسری مرتبہ زیان کو اس قدر اشتعال کے عالم میں دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے گویا لہو ٹپک رہا تھا۔

"زیان! آپ ٹھیک ہیں۔" اس نے گھبرا کر پوچھا۔

"ہوں۔۔۔ اوں۔۔۔ مجھے کیا ہوا ہے؟" وہ ایکدم چونکا، ٹھٹکا اور پھر اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا جیسے گہری نیند سے جاگا ہو۔ کچھ دیر پہلے وہ اس کے وجود کو یکسر فراموش کر چکا تھا اور اب یوں حیرانی سے عنوہ کو دیکھ رہا تھا گویا اس کی موجودگی کی اسے توقع نہیں تھی۔

"آؤ گھر چلتے ہیں۔" وہ پینٹ کی جیب سے والٹ نکال کر ویٹر کو فارغ کرتے ہوئے بولا تھا۔ اس کا موڈ یکسر بدل چکا تھا۔

"دھم۔۔۔" عنوہ کچھ کہتے کہتے یکدم رک گئی تھی۔ زیان تیزی سے انٹرس کی طرف بڑھ گیا۔ وہ بھی سر جھکائے سوچوں میں الجھی اس کے پیچھے چلی آئی۔ ڈرائیونگ کے دوران بھی وہ لب بھینچے بہت خاموش اور سنجیدہ تھا۔

گھر کے گیٹ کے سامنے اسے اتار کر وہ زن سے گاڑی لے اڑا تھا۔ عنوہ حق دق سی دیکھتی رہ گئی اور پھر تھکے تھکے قدم اٹھاتی اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئی۔

"میم۔۔۔ دودھ لیں گی یا چائے؟"

بیڈ روم کی طرف اس کے اٹھتے قدم لحظہ بھر کو رکے تھے۔ مس نینی کچن کے دروازے میں کھڑی پوچھ رہی تھی۔ عنوہ بغیر جواب دیے دروازہ دھاڑ سے بند کیے اندر چلی گئی تھی۔

"انہیں کیا ہوا ہے؟" مس نینی نے حیرت سے سوچا اور پھر شانے اچکائے دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

"کون تھی وہ لڑکی؟" اگلے دن شام کو وہ کسی انگلش میوزک کی ٹیون گنگناتا مسکراتا بیڈ روم میں داخل ہوا

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے
ایم سلطانہ فخر کے 3 مقبول ناول
* برگِ گل * شام آرزو
* دل اک گلاب سا
فی ناول قیمت -/400 روپے
ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/45 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021

www.pkdigest.com

تھا۔ آتے ـــ ہی اس تھانیدارانہ انداز پر قدرے چڑ گیا۔

"آتے ساتھ ہی تفتیش ـــ نہ چائے نہ پانی۔" اس نے آنکھ دبائی اور دھپ سے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"میں کیا پوچھ رہی ہوں۔" اپنا سوال نظرانداز کیے جانے پر اسے غصہ آگیا۔

"میرے اور اپنے متعلق بات کیا کرو' اس کا جواب دوں گا تفصیلاً۔"

"مجھے ٹالنے کی کوشش مت کریں۔" اس نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا تو وہ بھرپور انداز میں مسکرایا اور بولا۔

"تم ٹلنے والی ہو بھی نہیں۔ میرا بلیک ڈنر سوٹ نکالو' شرٹ کو خوب اچھی طرح جما جما کر پریس کرو۔ منا کو ـــــ سے پہلی مرتبہ پاکستان میں وفد آئے ہیں۔ تمام سرمایہ دار حضرات انہیں "کیچ" کرنے کے چکروں میں ہیں۔ دیکھو قرعہ فال کس کے نام نکلتا ہے۔ سب سے زیادہ امریکی ڈالروں میں فی کس آمدنی کے حساب سے ان ممالک کا نام بھی سرفہرست آتا ہے۔ اس ہنگامی میٹنگ میں ملک بھر کے تمام بڑے بزنس مین شمولیت کر رہے ہیں۔ تم دعا کرنا اس ایگریمنٹ فائل پر پہلے سگنیچر میرے ہوں۔" وہ کھینچ کھانچ کر شرٹ اتارتے بڑے مصروف انداز میں تیز تیز بول رہا تھا۔ عنوہ نے جلتے بھنتے حکم کی تعمیل کی اور جواب دینا بھی ضروری سمجھا۔

"اتنی دولت اکٹھی کرکے کیا کریں گے؟" اس نے جھنجھلاتے انداز میں کہا۔

"یہ سوال قابل غور ہے۔ میں بھی "غور" کرتا ہوں' تم بھی سوچ بچار کرنا۔" وہ اس کے ہاتھ سے چھیننے کے سے انداز میں شرٹ لے کر واش روم میں گھس گیا تھا۔ عنوہ پیچ و تاب کھاتے ہوئے پھیلاوا سمیٹنے لگی۔

"بلیک شوز بھی نکالو۔" وہ دس منٹ میں شاور لے کر باہر آچکا تھا' تولیے سے بال خشک کرتے جوں ہی اس کی نگاہ ٹائی پر پڑی وہ ایکدم چیخ اٹھا تھا۔

"یہ کون سی ٹائی نکالی ہے۔ تم کیا کلر بلائنڈ ہو۔"

"او سوری۔" عنوہ شرمندہ سی ہو کر مطلوبہ ٹائی نکال کرلے آئی تھی۔ زیان مسکرا رہا تھا' شاید طنزیہ' اسے بھی غصہ آگیا۔

"اپنے کام رانیہ سے کروالیا کریں' میں کوئی فالتو نہیں ہوں۔"

"میں تو تم ہی سے سارے کام کروایا کروں گا۔ آخر کو اتنا خرچہ کرکے لایا ہوں تمہیں۔" زیان نے بھرپور شرارت سے کہتے ہوئے اس کی ناک دبائی اور مزے سے بولا۔

"رانیہ تو فری میں ملی ہے جبکہ تمہیں حاصل کرنے کے لیے وقت اور روپیہ دونوں ہاتھوں سے لٹایا ہے۔ ایک شاندار ہوٹل اور فل اسٹیبلش فیکٹری تم پر وار دی ہے جان! اب اتنا "حق" تو ہمارا بنتا ہے کہ تمہارے پیارے پیارے ہاتھوں سے دو چار ذاتی کام کروالیں۔" زیان اسے کچھ "جتا" نہیں رہا تھا۔ محض چھیڑنے اور ستانے کی غرض سے بولا تھا' تاہم عنوہ کو یوں لگا تھا اس کا دل کسی نے جلتی بھٹی میں اچھال دیا ہو۔ وہ بالکل گم سم اور ساکت سی کھڑی رہ گئی تھی جبکہ زیان تو جا چکا تھا اسے اپنی جارحانہ قربت اور لمس کا احساس دے کر۔

عنوہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا گویا اس کے گرم لمس سے پورا وجود سلگنے لگا ہے۔ وہ بے جان سی بیڈ پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔ اس کی ماں نے اسے تاحیات کے لیے زیربار کردیا تھا۔ وہ کبھی بھی اعتماد کے ساتھ زیان عبیث کے سامنے سر اٹھا کر بات نہیں کرسکتی تھی۔ اس کا تمام تر فخر اور غرور خاک میں مل چکا تھا۔ اس کی انا اور خودداری کی دھجیاں بکھر چکی تھیں۔ عزت نفس کا بت پاش پاش ہو چکا تھا۔

"ممی! آپ نے میرا اپنی بیٹی کا "سودا" کردیا ہے۔ چند مادی آسائشات کی خاطر آپ نے مجھے بیچ ڈالا' آپ نے عنوہ کی بولی لگادی' اتنی کم قیمت تھی میری کہ چند ٹکوں کے عوض آپ نے مجھے تمام عمر کے لیے میری ہی نظروں سے گرادیا ہے۔ میری ذات کا افتخار خاک

میں مل گیا ہے۔ مجھ سے بہتر تو رانیہ ہے' مجھ سے بھلی تو سوہا' ماہم اور ماریہ ہیں۔ میں کیا ہوں' میری پہچان کیا ہے' میری حقیقت کیا ہے' میں تو بالکل قلاش ہوں' نہ ماں کی محبت' نہ رشتوں کا مان اور تحفظ۔ جو اپنی ذات پر تھوڑا سا گھمنڈ تھا' وہ بھی تہہ خاک ہوا۔ آپ نے مجھے ریزہ ریزہ کردیا ہے ممی! میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ تکیے پر سر پٹختے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

✿ ✿ ✿

"کس قدر خوبصورت لہنگا ہے۔ نانو! کتنے تھاؤزنڈ کا ہوگا۔" ثمن نے فیروزی اور آنکھوں کو خیرہ کردینے والے لہنگے کے بھاری کام سے بوجھل دوپٹے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پرجوش انداز میں پوچھا۔

"قیمت نہیں دیکھتے' چیز کی خوبصورتی دیکھتے ہیں۔ میری آنکھوں کو یہی بھلا لگا تھا سو لے آئی۔ بیالیس ہزار کا ہے۔" شگفتہ بیگم نے نواسی کو محبت سے ساتھ لگاتے ہوئے جتایا اور بولیں۔

"تمہارے لیے اس سے بھی اچھا خریدوں گی۔"

"ارے نانو! میرا یہ کہنے کا مطلب نہیں تھا۔" وہ بری طرح شرما گئی۔

"اور میری دولہن کے لیے کیسا لہنگا خریدیں گی۔" وصی کے بھی فوراً "کان کھڑے ہوگئے تھے۔

"تم اتنے اتاؤلے مت ہو' شادی کے لیے' اتنی جلدی ہرگز تمہاری باری آنے والی نہیں۔" شگفتہ بیگم نے نواسے کو لاڈ سے جتایا تو اس نے رونی سی شکل بنالی۔ ثمن ہنس ہنس کر دوہری ہو رہی تھی۔

"نہ جانے تمہاری ماں کدھر ہے' ذرا اسے بھی بلا کر لاؤ' ایک دفعہ دیکھ لیتی تو تم انہیں پیک کرکے سوٹ کیس میں رکھ دیتیں۔" شگفتہ بیگم زیورات کے ڈبے کھولتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"میں امی کو لے کر آتا ہوں۔" وصی نے ثمن کو اٹھتے نہ دیکھ کر کہا اور باہر نکل گیا۔ کچھ دیر بعد ماتھے پر بل ڈالے زرین بھی آگئی۔

"مجھے دکھانے کی بھی کیا ضرورت ہے' ایسے ہی پیک کردیتیں۔" اس نے آتے ہی پتھر پھوڑے۔

"کتنا قیمتی لہنگا۔" زرین نے دیکھتے ساتھ ہی مالیت کا اندازہ لگالیا تھا اور زیورات دیکھ کر تو اس کی آنکھیں ہی پھٹ پڑیں۔

"امی یہ وائٹ گولڈ کا لاکٹ کتنا پیارا ہے اور یہ دیکھیں۔ لہنگے سے میچ کرتا ہے' کتنے سیٹ بنوائے ہیں' پہننے والی کی "اوقات" تو دیکھ لیتیں۔"

"فیروزے کا سیٹ۔" ثمن نے ماں کے تیور دیکھے بغیر جوش اور خوشی کے عالم میں ڈبے کھول کھول کر زرین کے سامنے کیے تھے۔ شگفتہ بیگم نے مخمل سے دو مخملی ڈبے زرین کی طرف بڑھائے۔

"یہ پرل کا بریسلیٹ ثمن کا اور دو کنگن تمہارے لیے ہیں۔ خود پہننا چاہو تو شوق سے پہن لینا ورنہ وصی کی دولہن کے لیے سنبھال لینا۔"

"یہ "خیرات" دینے کی کیا ضرورت تھی۔" زرین کا ازلی احساس کمتری عود آیا تھا۔

اس وقت وہ اجڈ' کم تعلیم یافتہ' حسد کی ماری عورت دکھائی دے رہی تھی۔ اسے رہ رہ کر اپنے نقصان یاد آرہے تھے۔ اپنے بہن بھائیوں میں وہ سب سے بڑی تھی۔ والد صاحب انکم ٹیکس میں اعلا عہدے پر فائز تھے۔ ان کی اچانک وفات کے بعد گھر کے حالات یکسر بدل گئے۔ وہ خود اٹھارہ سال کی تھی' نوید پندرہ اور نویز تیرہ سال کا تھا جبکہ رمیز صرف سات سال کا۔ جب زرین کی شگفتہ بیگم نے شادی کردی تھی' "اچھا رشتہ" کیا آیا انہوں نے چھان پھٹک کے بغیر اسے بیاہ دیا۔ سسرال میں جاکر تو بالکل مختلف ماحول ملا تھا۔ جاتے ہی جہیز نہ لانے کا طعنہ ملا۔

"اتنے بڑے افسر کی بیٹی اور خالی ہاتھ آئی ہے۔" ساس نندوں نے طعنے دے دے کر پورے دو سال اسے ہر طرح کی ذہنی اذیت دی تھی۔ ہر طرح سے اس پر زندگی کو تنگ کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ شوہر بھی ماں کی زبان بولنے والا کاٹھ کا الو تھا۔ نہ اپنی مرضی تھی اور نہ ہی کھلا ڈلا ماحول تھا کہ چند سانسیں ہی لی

www.pkdigest.com

فضا میں ادھار لی جا سکتیں۔ چار سال کی انتھک مشقت کے بعد اولاد نہ ہونے کا طعنہ بھی ملنا شروع ہو گیا تھا۔ نندوں کے کوسنے، جٹھانیوں کا تمسخر بھرا انداز۔ وہ ذہنی توڑ پھوڑ کا شکار ہو چکی تھی۔ خصوصاً جب سے اولاد نہ ہونے کے طعنے ملنا شروع ہوئے تھے تب سے ہی اس کی جٹھانیوں نے اس کے پاس بیٹھنے سے بھی گریز کرنا شروع کر دیا تھا۔

پانچ سال بعد وصی کی آمد کی نوید ملی تھی مگر اس کے بعد بھی حالات ویسے کے ویسے ہی تھے۔ نوے فیصد سسرالیوں کی طرح اس پر بھی ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے۔ وصی کے بعد محسن کی پیدائش پر اس کی ساس نے خود کو پیٹنا شروع کر دیا تھا۔

"ہائے ہائے میرے بے چارے بچے پر بچی کا بوجھ آن پڑا ہے۔" ابھی یہ واویلا جاری ہی تھا کہ ان کا بیچارا بیٹا خود ہی ہر طرح کے بوجھ سے آزاد ہو کر ٹریفک حادثے میں چل بسا۔ زرین کو منحوس کا خطاب دے کر دو بچوں سمیت گھر سے نکال دیا گیا تھا۔ اس قدر تنگیوں نے، معاشی بدحالی اور بیوگی کے صدمے نے زرین کے مزاج کو بھی بے حد روکھا اور تلخ کر دیا تھا۔ اسی کی شکار پہلی دو بھابھیاں شادی کے فوراً بعد الگ ہو گئی تھیں۔ اکثر شگفتہ بیگم بھی بیٹی کی تلخ کلامی کی زد میں آ جاتی تھیں مگر انہوں نے بھی اسے ٹوکا نہیں تھا۔ شاید اس لیے کہ دکھوں کی ماری بچی کا دل نہ ٹوٹ جائے اس انتہا میں دوسرے بے شک تکلیف میں رہیں۔ ان کا دل ٹوٹے یا صدمے سے پھٹے ان کی بلا سے۔

اس وقت بھی شگفتہ بیگم نے بیٹی کو سمجھانے کی بجائے اور اس سے منہ ماری کے خوف سے کچھ بھی کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ اگر انہوں نے زرین کی کیفیت کی حمایت میں کوئی بات کر دی تو پھر اگلے تین گھنٹے زرین کے لیکچر کی نذر ہو جاتے۔ سو خاموشی میں ہی عافیت تھی۔

"کم بخت سر پر چڑھ جائیں گی لے اڑے گی ربیز کو۔" زرین غصے سے بل کھا کر کہہ رہی تھی۔

"میرا انتخاب اتنا بھی برا نہیں۔" انہوں نے زرین کا معصوم سنجیدہ چہرہ تصور میں لا کر کہا۔

"ربیز کو رشتوں کی کمی تو نہیں تھی۔ ایک سے ایک اچھی لڑکی اپنے خاندان میں ہی موجود ہے۔ لاکھوں کا جہیز لاتی، گاڑی، کوٹھی، پلاٹ۔ غریب نور اور نبیہ کی بیویاں اتنا کچھ لائی تھیں۔"

"معاف کیجئے گا امی! چار دن بھی انہوں نے ہمارے ساتھ رہنا گوارا نہیں کیا اور اپنی قیمتی کاریں اور جہیز سمیٹ کر دوسرے ہی دن الگ ہو گئی تھیں۔"

وصی نے چبا چبا کر کہا تھا۔ زرین چپ سی رہ گئی۔ بات تو وصی نے ٹھیک کی تھی مگر زرین اپنے مزاج کے ہاتھوں مجبور رہی تھی۔ زبان پر کڑواہٹ اور آنکھوں سے شعلے ہی لپکتے رہتے تھے۔ اس وقت بھی جب وصی نے لاجواب کر دیا تو وہ اس بیچارے پر چڑھ دوڑی۔

"عورتوں کی باتوں میں دلچسپی لینے کی بجائے کوئی کام دھام کرو۔ بس کام کر کے میری جان پر احسان کرو۔ نواب زادے! ربیز سے کہہ کر فارم منگواؤ۔ اور یونیورسٹی میں داخلہ لو۔"

"امی! میں نے اپنے چھوٹوں پر [illegible] مجھے ایک [illegible] میں جاب مل گئی ہے۔ سیکنڈ ٹائم میں ایم کام کروں گا۔ مجھے ماما پر مزید بوجھ نہیں بننا۔" اس نے بڑے سنجیدہ انداز میں ماں کو بتایا تھا۔ زرین بیٹے کی بات کا مفہوم سمجھے بغیر چلا اٹھی۔

"اب میں اور میرے بچے بوجھ ہو گئے ہیں۔ یقیناً امی آپ نے ہی کہا ہو گا۔ ابھی تو وہ فقط اس گھر میں آئی بھی نہیں اور ہمیں بوجھ سمجھا جانے لگا ہے۔" وہ غصے سے پھنکار رہی تھی جبکہ وصی بے مطلب نگاہوں سے ماں کو دیکھ کر اس وقت کو کوس رہا تھا جب اس نے اس سے اپنے نیک خیال کا اظہار کیا تھا۔

☼ ☼

(تیسرا اور آخری حصہ آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

igest.com

نایاب جیلانی

طلوعِ سحر ہے شامِ قلندر

"آج پھر تم دیر سے آئی ہو؟" زرو نے کڑی نظروں سے سارہ کو گھور کر کہا۔

"وہ آپی میں نادیہ سے نوٹس لینے چلی گئی تھی۔"

سارہ نے گڑبڑا کر جواب دیا۔

"جھوٹ مت بولو۔"

"میں سچ کہہ رہی ہوں آپی!"

"اس گھر میں کیا پھر سے اک اور کہانی دہرائی جائے گی۔ اک نئی داستان۔ جس میں کردار بدل چکے ہوں گے۔ نئے کردار' نئے خواب' نئی کہانی۔" وہ دہل کر سوچ رہی تھی اور بڑی جانچتی نگاہ سے اس کے چہرے کا

مکمل ناول

جائزہ بھی لے رہی تھی۔

"روز روز مختلف اور گھسے پٹے بہانے بنا کر کس کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہو۔ ہم میں اور دکھ' بدنامی کے بوجھ اٹھانے کی ہمت نہیں سارہ! بس اتنا سوچ لینا کہ ہماری ماں نے بہت غم برداشت کیے ہیں۔ مزید کوئی صدمہ سہنے کی ان میں طاقت نہیں ہے۔" وہ بے حد رنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

"چار دن پہلے تم نے کرن سے نوٹس لینے تھے' ایک دن تم کالج سے بازار چلی گئی تھیں نادیہ کے ساتھ۔ کل شام تم کرن کی سالگرہ کے بہانے رات نو بجے آئی ہو۔ مبین پوچھ پوچھ کر تھک گیا تھا۔ میں اسے تسلیاں دیتی رہی یہ سب کیا ہے سارہ!" زرو نے تھک کر پوچھا۔

"آپی! میں واقعی کرن کی سالگرہ میں نادیہ کے ہمراہ گئی تھی۔" سارہ نے منمنا کر اپنی صفائی پیش کرنی چاہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے ناکہ تم کس کی بیٹی ہو' مولوی عبدالرحمان کی۔۔۔ اپنے امام مسجد' شریف اور عزت دار باپ کی لاج رکھنا۔ یہی سبق دے کر ہماری ماں نے ہمیں کالج اور یونیورسٹیوں میں بھیجا تھا پڑھنے کی غرض سے اعلا تعلیم دلوانے کی غرض سے۔" وہ سارہ کو بہت کچھ سمجھا رہی تھی۔ بہت سی باتیں بتا رہی تھی۔

"اس گھر کی دیواریں کمزور ہیں سارہ! اور ہمارے کردار کی عمارت بہت مضبوط ہے۔ اس فولادی عمارت کو ڈھنے نہ دینا کہ اس معاشی طور پر بدحال خاندان کے یہی قیمتی اور انمول اثاثے ہیں۔"

"جی آپی!" اس نے سر جھکا کر تابعداری سے کہا۔ مگر دور کہیں چمکتی دمکتی مٹی مٹی روشنیاں اسے اپنی طرف بلا رہی تھیں۔

کرن کا کزن نبیل اسلام آباد سے مائیگریٹ ہو کر لاہور آیا تھا۔ خوش شکل' چلبلا سا' بے فکرا' کھلنڈرا سا نوجوان۔۔۔ وہ مبین کا ہی ہم عمر ہو گا' مگر مبین سے یکسر مختلف۔۔۔ لیڈیز کا شوقین' بے حد چنچل' جبکہ مبین حد درجہ سنجیدہ' غصیلا اور بے حد چڑچڑا سا خود سے بھی بے زار۔

کبھی کبھی وہ سوچتی تھی کہ مبین بھائی کی بھی بھلا کیا زندگی ہے۔ سارا دن چھت کی کڑیاں گنتے رہتے ہیں یا پھر چیختے چلاتے ہیں۔ پہلے تو وہ ایسے نہیں تھے۔ بہت شوخ' ہنس مکھ اور زندگی سے بھرپور' مگر جب وہ چلی گئیں تو پھر۔

"سارہ! آٹا گوندھ لو۔" سنبل نے اس کا شانہ ہلا کر

کہا۔

"سنبہ! تم گوندھ لو آٹا' میرے ناخن ٹوٹ جائیں گے۔" اس نے اپنے ہاتھ پھیلا کر بے چارگی سے کہا تھا۔

"اچھا' پھر برتن دھولو۔"

"برتن۔ بھئی میں نہیں دھو سکتی' میرے ہاتھ کالے ہو جاتے ہیں۔"

"کیا بات ہے آپ کے ہاتھوں کی' کیا نزاکت ہے ماشاء اللہ سے۔" سنبہ طنزیہ بولی۔

"آٹا گوندھ لو مہارانی صاحبہ! آپی کپڑے سلائی کر رہی ہیں۔ آج میں نے روٹی پکائی ہے' لہٰذا دس منٹ میں فارغ ہونا چاہتی ہوں۔" سنبہ برتن دھونے کے لیے نل کھول چکی تھی۔ سارہ چارپائی پر بیٹھی ٹانگیں جھلاتی رہی۔

"آج تم سارا کام کرلو' کل میں تمہارے حصے کا کام کرلوں گی۔" سارہ نے بھرپور سستی سے انگڑائی لے کر کہا تھا۔

"سارہ! تم کچھ لاپروا نہیں ہوتی جارہیں' بلکہ کام چور کہنا بہتر رہے گا۔" اس نے برتنوں کو صاف کرتے ہوئے کہا اور مزید بولی۔

"آپی! کے جانے کے بعد تمہاری ذمہ داری میں اضافہ ہو جائے گا۔ تم آپی کی گدی پر بیٹھنے کی تیاری کرلو ابھی سے ہی۔"

"کیا مطلب آپی' کہاں جارہی ہیں؟" سارہ نے حیرانی سے پوچھا تو سنبہ نے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔

"تم کہیں رہتی ہو یا خلا میں پرواز کر چکی ہو۔"

"اوہ۔ مجھے خیال نہیں رہا۔ ویسے کیا ارادہ ہے شگفتہ آنٹی کا۔"

"ارادے تو نیک ہیں' بس ابھی فی الحال خاموش ہیں۔" سنبہ کچھ سوچتے ہوئے دھیرے سے بولی تھی۔

"کیا مطلب؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تم نہیں جانتی کیا۔ ایسی بھی بے خبری اچھی نہیں۔" سنبہ کو غصہ آگیا تھا۔

"بتاؤ بھی۔" اس نے اصرار کیا تو وہ آہستگی سے بولی۔

"ابھی حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ مطلب روپوں کا مسئلہ ہے۔"

"گویا' پیسے کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں۔"

"شاید اس دفعہ کمیٹی امی کو مل جائے تو پھر ڈیٹ فکس کریں گی امی۔" سنبہ نے دھلے برتن خشک کرتے ہوئے کہا۔

"سنبہ! بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے' پریشانیوں اور مسائل سے بوجھل۔" وہ اداسی سے کہہ رہی تھی۔

"دکھ اور سکھ زندگی کا حصہ ہیں۔"

"یہاں تو صرف دکھ ہی ارد گرد بکھرے ہیں' سکھ کہیں نظر نہیں آتا۔" سارہ کی آنکھوں میں حسرتیں کروٹ لے رہی تھیں۔ سنبہ کو بے حد حیرت ہوئی۔

"آج تم کیسی باتیں کررہی ہو؟"

"یار! خواب دیکھنے میں کیا حرج ہے۔" اس نے یاسیت سے کہا۔

"خوابوں پر پابندی ہے' نہ پہرہ' بس اتنا دھیان رکھنا چاہیے کہ خواب کس نوعیت کے دیکھتے ہیں۔" سنبہ نے سنجیدگی سے کہا تو وہ مسکرانے لگی اور بولی۔

"خوابوں کی بھی نوعیت ہوتی ہے۔"

"ہاں۔" سنبہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"وہ کیسے؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"کچھ خواب روشنی کی طرح ہوتے ہیں۔ گویا جگنو سے' راستوں اور گم شدہ منزلوں کا پتا دیتے ہیں' نشاندہی کرتے ہیں' کچھ خواب ولولہ انگیز ہوتے ہیں' بلندیوں کی طرف لے جانے والے' کچھ خواب رہنما اور پیشوا ہوتے ہیں۔ کچھ خواب غافل اور گمنام کردیتے ہیں۔ کچھ خواب عروج کی طرف لے جاتے ہیں۔ کچھ پستیوں میں اتار دیتے ہیں۔ یہ تو آدمی کی سرشت اور خصلت پر منحصر ہے کہ وہ کس قسم کے ——— تو خیر خواب ——— آنکھوں سے دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے۔" وہ بڑے جذب کے عالم میں

آنکھیں موندے کہہ رہی تھی۔

"ارے سنبہ! تم نے ایسی باتیں کہاں سے سیکھیں۔" سارہ نے حیرانی سے آنکھیں پھیلا کر اس کا کندھا ہلایا۔

"پیاری بہن! وقت سکھاتا ہے۔ حالات اور وقت سے بڑا کوئی استاد نہیں۔" سنبہ مسکرائی اور بولی۔

"ہم نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی ہے اس کے کچھ اصول ہیں۔ کچھ بہت پیاری روایتیں ہیں' جس کی پاسداری ہم پر فرض ہے۔ دیکھو سارہ! ہمیشہ ایکسٹرا ویگنٹ (حد سے نکلنے والے) خسارے میں رہتے ہیں۔"

"سنبہ کیسی خطرناک باتیں کررہی ہے۔ اس کا انداز طنزیہ نہیں سمجھانے والا ہے۔ کیا مجھ ——— میں سے بغاوت کی بو سونگھ چکی ہے؟" سارہ نے حیرت سے سوچا۔

"عورت کی سب سے قیمتی متاع اس کا کردار ہوتا ہے' عزت ہوتی ہے' عورت اپنے اچھے مضبوط کردار کے حصار میں محفوظ ہوتی ہے۔ ایسے کردار کی عورتیں مردوں کو دنگ کرتی ہیں اور وہ ایسی عورتوں کو منہدم کرنے' ڈھانے' گرانے اور مسمار کرنے کی خواہش رکھتے ہیں' ایسے مردوں ——— کہتے ہیں۔ بیمار ذہن کے سطحی سوچ رکھنے والے عام سے مرد۔"

"تمہیں تو فلاسفر ہونا چاہیے۔" سارہ نے ستائشی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ فلسفہ نہیں' آگہی ہے۔ میرے خیال میں ہر لڑکی شعور کی پہلی منزل طے کرنے کے ساتھ بھرپور عورت بن جاتی ہے۔ اس کے پاس ایک ایسی راز اور بھید ظاہر کرنے والی اور مقابل کے اندر تک اتر جانے والی آنکھ کا ہونا ضروری ہے۔ دوربین جیسی تیز نظر جو باطن تک کو اجاگر کردے۔" اس نے گیلے ہاتھ دوپٹے سے پونچھ کر آٹا گوندھنا شروع کردیا تھا۔

"تو انسان کو پرکھنے کا کوئی آلہ ہوتا ہے؟" سارہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"صاف شفاف بینائی ہو۔ مادی اشیاء اور چمک دمک آنکھ کو اندھا کردیتی ہے۔ جب آپ ظاہر چھوڑ کر باطن کو دیکھیں گے تو بہت سے راز پردہ اسکرین پر ابھر آئیں گے۔ ایک ہوتی ہے قوت ممیزہ یعنی انسان کی ایسی قوت جس سے وہ اچھے' برے' نیک' بد' اچھائی بھلائی اور برائی میں تمیز کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی حس ہے جو عورت کو الرٹ کرنے کے لیے کافی ہے۔" وہ آٹا گوندھ چکی تھی اب ہاتھ دھو رہی تھی۔

"میں پھلکے اتار لیتی ہوں' تم اب آرام کرلو۔" سارہ نے نرمی اور ہمدردی سے کہا تھا۔ سنبہ نے تشکر بھری نگاہ سے اسے دیکھا اور کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"زروہ آپی اور سنبہ دونوں میں ایک ہی روح حلول کرگئی ہے۔" وہ چولہا جلاتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"رمیز! فارغ ہو تو آجاؤں۔" زرین نے کمرے میں جھانک کر پوچھا تھا۔ وہ جو آفس کی کوئی فائل دیکھ رہا تھا ایک دم چونک کر سیدھا ہو گیا۔

"آیئے آپا۔" اس نے احترام سے کہا۔

"دفتر کا کام گھر میں بھی اٹھا لاتے ہو۔ کیا ضرورت ہے اتنی دیر تک جاگنے کی۔ صحت خراب کرلو گے۔" زرین نے فطری محبت سے مغلوب ہو کر کہا۔ چھوٹا ہونے کی وجہ سے رمیز ان سب کا بہت لاڈلا تھا۔

"تمہیں پتا ہے کہ امی کون سی کھچڑی پکا رہی ہیں آج کل۔" کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد زرین نے آنے کا مقصد بیان کرنا شروع کیا۔

"میں گھر میں ہوتا ہی کہاں ہوں جو مجھے کسی کھچڑی کا پتا چل سکے۔ آپ ہی بتادیجیے۔" اس نے بے نیازی سے کہہ کر آنکھیں میچیں اور آپا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تمہارے رشتے کی بات چل رہی ہے۔" زرین کے منہ میں کڑوے بادام آگئے تھے۔

"ہاں' کچھ سنا تو ہے اس بارے میں بھی۔" رمیز نے لاپروائی سے کہا۔

"اپنی ہونے والی سسرال کے بارے میں جاننے کا کوئی شوق اور دلچسپی نہیں ہے؟" زرین نے معنی خیزی

www.pkdigest.com

سے اس کی طرف دیکھا تو وہ سر کے پیچھے ہاتھ رکھ کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔
"جب برابر سسرال بن گیا تو پھر دلچسپی بھی لیں گے ابھی تو صرف بات چل رہی ہے۔"
"بہت ہی غریب سے لوگ ہیں۔ نہ جانے امی نے کیا دیکھا ہے۔ نوید اور نورز کے سسرال والے اتنے امیر اور خوشحال ہیں جبکہ زروہ کا میکہ۔۔۔ کس قدر سبکی ہوگی ہماری۔ نومیہ اور ثناء کو تو باتیں بنانے کا موقع مل جائے گا۔ امی نے ان کی بہنوں کو ریجیکٹ کرکے زروہ کو نہ جانے کس وجہ سے ترجیح دی ہے۔ بس ایک شکل ہی تو اچھی ہے اور معاملوں میں تو نومیہ اور ثناء کے پاسنگ بھی نہیں۔" زرین جل بھن کر کہہ رہی تھی۔
"غربت گالی تو نہیں۔ آپ نے کب سے انسانوں کو دولت کے ترازو میں تولنا شروع کردیا ہے آپا! انسان کی شرافت اور عزت نیک نامی کی کوئی ویلیو نہیں۔ جس کے پاس پیسہ نہیں کیا وہ انسان نہیں۔ اور امی نے کچھ دیکھ اور پرکھ کر ہی فیصلہ کیا ہے نا۔ مجھے امی کی پسند پر کوئی اعتراض نہیں۔ اور رہی بات نومیہ اور ثناء بھابھی کی تو آپ ان کے ساتھ زروہ کا مقابلہ نہ کریں۔ ہر انسان کی اپنی شخصیت ہوتی ہے۔ مزاج کا فرق ہوتا ہے۔ سوچ مختلف ہوتی ہے پھر سب کو ایک ہی لائن میں کھڑا نہیں کرتے۔ کم از کم میں نومیہ اور ثناء بھابھی جیسی کسی بھی عورت کے ساتھ دو پل نہیں گزار سکتا کجا کہ پوری زندگی۔ مجھے اپنے بھائیوں پر ترس آتا ہے۔ بے چاروں کی اپنی کوئی چوائس تو رہی نہیں حتیٰ کہ سوچ تک بیویوں کے پاس گروی رکھ دی ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔
"بات تو ٹھیک کر رہا ہے۔" زرین نے کچھ کچھ اتفاق کرلیا تھا مگر ظاہر نہیں ہونے دیا۔
"تمہیں اپنے سسرال کو حلقہ احباب سے متعارف کرواتے ہوئے شرمندگی نہیں ہوگی۔" اس نے چبھتے لہجے میں کہا تھا۔
"کم از کم میں ایسی سطحی سوچ نہیں رکھتا۔ نہ ہی اسٹیٹس کے لحاظ سے لوگوں سے ملتا ہوں۔" رمیز نے فائلیں اٹھا کر بریف کیس میں محفوظ کیں۔ اور کلک کی آواز کے ساتھ اسے بند کردیا۔
"ہاں میں تو وصی کے بارے میں بات کرنے آئی تھی۔" زرین نے جان بوجھ کر موضوع ہی بدل دیا تھا۔
"کیا بات کرنی ہے؟"
"مجھے بتا رہا تھا کہ اسے جاب مل گئی ہے۔" زرین نے جلے کٹے انداز میں کہا اور مزید بولی۔
"پہلے تعلیم تو مکمل کرلیتا۔ تم ہی اسے سمجھانا' خواہ مخواہ ادھر ادھر ٹانگیں اڑانے کی ضرورت نہیں۔"
"آپا! وہ جاب کر رہا ہے تو یہ بہت اچھی بات ہے۔ اعتماد اور تجربے میں اضافہ ہوگا۔ آج کل اچھی نوکریاں کہاں ملتی ہیں۔" رمیز نے اسے سمجھانا چاہا تو زرین کٹیلے لہجے میں بولی۔
"ابھی تو وہ بچہ ہے۔ میں اس پر ذمے داریوں کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی۔"
"آپا! ذمہ داری کیسی' وہ جاب شوقیہ کر رہا ہے' اور آپ تو شکر کریں کہ اس میں احساس ذمہ داری کے جراثیم موجود ہیں جو آج کل کے لڑکوں میں قطعاً نہیں پائے جاتے۔ اور پھر آوارہ دوستوں کے ساتھ پھرنے سے بہتر ہے کہ وہ مصروف رہے۔" رمیز نے گویا بات ہی ختم کردی تھی' زرین جھنجلاتی ہوئی باہر نکل گئی۔
"آپا بھی حد کرتی ہیں۔ ابھی تک اسے بچہ بنایا ہوا ہے' ماشاء اللہ وصی سمجھ دار ہے' ضرور ترقی کرے گا۔" رمیز نے سوچتے ہوئے نائٹ سوٹ نکالا اور واش روم میں گھس گیا۔

☼ ☼ ☼

درمکنون عیشہ اور عیشہ سے ہونے والی سرسری سی ملاقات کو یکسر بھلا چکی تھی۔ مگر کچھ دیر پہلے ماسی نے اسے کسی لڑکی کے آنے کی اطلاع دی تھی۔ وہ اس وقت کلاس رومز کے راؤنڈز پر تھی۔ جوں ہی آفس میں قدم رکھا نگاہ صوفے میں دھنسی عیشہ پر پڑی تو بہت پرجوش سی اس کی طرف بڑھی تھی۔

"کیسی ہیں آپ۔۔۔ آئی کیوں نہیں ہمارے گھر۔ میں نے آپ کا اتنا انتظار کیا تھا۔" وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے خفگی بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔
"ام سوری عیشہ! بس مصروفیت میں یاد ہی نہیں رہا تھا۔" درمکنون اس کے خلوص سے متاثر سی صفائیاں دینے لگی۔
"آج شام کو آئیں گی۔"
"اب آنے کی ضرورت نہیں۔ میں مجھے آدھے گھنٹے تک واپس ہاسٹل چلے جانا ہے۔ ویک اینڈ پر آؤں گی پھر آئیے گا۔" اس نے خفا خفا انداز میں کہا۔
"ابھی صرف دس منٹ کے لیے آپ سے ملنے کے لیے آئی تھی۔"
"شکریہ اس طرح یاد رکھنے کا۔" درمکنون نے پیار سے اس کا نازک ہاتھ دبا کر کہا۔
"میں نے عبدل بھائی کو پیغام بھی دیا تھا۔ یقیناً انہوں نے آپ کو نہیں بتایا ہوگا۔ کالج جا کر ان کی کلاس لوں گی۔" عیشہ نے غصے سے مٹھیاں بھینچیں۔ درمکنون چونک سی گئی۔
"میں نے عبدل بھائی سے کہا تھا کہ میں درمکنون آپی کا شام کی چائے پر انتظار کر رہی ہوں' انہیں ضرور ہماری طرف بھجوائے گا۔ مگر انہوں نے آپ کو میسج نہیں دیا۔ میں نے اتنا اہتمام کیا تھا۔ اپنے ہاتھوں سے کیک بیک کیا' کباب بنائے' پزا بھی بنایا تھا۔" وہ رنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔
"اچھا آپی! ابھی میں چلتی ہوں۔ ڈرائیور انتظار کر رہا ہوگا۔ اگلے ویک اینڈ پر ملاقات ہوگی۔" وہ اس کا گال چومتے بڑی محبت سے بائے بائے کرتی باہر نکل گئی تھی جبکہ درمکنون ششدر سی سوچتی رہی۔
"کیا میں اس محبت کے قابل تھی؟"
گھر آکر بھی وہ مسلسل عیشہ کے متعلق ہی سوچتی رہی۔ بابا صاحب' عبدالباری اور اب عیشہ۔
"میں ان سب کی محبتوں کے قابل خود کو نہیں سمجھتی۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔
"عبدل لالہ کہہ رہے ہیں اچھی سی چائے بنا کر مردانے میں مکرم کے ہاتھ بھجیں۔" بختن بی بی کی آواز پر وہ چونک کر سر ہلاتے ہوئے کچن کی طرف آگئی۔
"بابا صاحب سے پوچھ کر آؤ ان کے لیے بھی چائے لاؤں۔" اس نے برنر آن کرکے آگ جلاتے ہوئے کہا۔
بابا صاحب کی پچھلے دو دن سے طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ ویسے تو اکثر ہی انہیں تکلیف ہو جاتی تھی مگر آج کل موسمی بخار نے انہیں جکڑ رکھا تھا۔ اس نے چائے ٹی پاٹ میں ڈال کر مردانے میں بھجوائی اور پھر ان کے لیے کالی مرچوں کی گریوی تیار کی۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے سنک میں ہاتھ دھوئے اور الماری سے گرم شال نکال کر اپنے اردگرد اچھی طرح لپیٹ کر صحن میں چلی آئی۔ یہ ہل سائیڈ (پہاڑی علاقہ) تھا۔ شام کے وقت اچھی خاصی ٹھنڈ ہو جاتی تھی۔ بختن بی بی نے تو دو دن سے سوئیٹر پہن لیا تھا۔
"بابا صاحب نے چائے نہیں پی۔ وہ تسبیح پڑھ رہے ہیں۔ کیا میں چائے پی لوں بی بی صاحب۔" وہ معصومیت سے اجازت طلب نظر سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ درمکنون کو ہنسی آگئی اس نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ خوشی خوشی کچن کی طرف بڑھ گئی۔
"ہنستی رہا کریں نیک دل خاتون! اچھی لگتی ہیں۔" اپنے پیچھے بھاری مردانہ آواز سن کر وہ اچھل کر پلٹی۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے
فائزہ افتخار کے 4 خوبصورت ناول

آئینوں کا شہر	قیمت -/500 روپے
بھول بھلیاں تیری گلیاں	قیمت -/500 روپے
پگلیاں یہ چوبارے	قیمت -/300 روپے
پھلاں دے رنگ ہزار	قیمت -/200 روپے

ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/45 روپے

www.pkdigest.com

عبدالباری گرے شال کندھوں پر ڈالے مسکراتی نظروں سے اس کا جائزہ لے کر کہہ رہا تھا۔ درمکنون نے سختی سے گلابی لب یوں بھینچ لیے تھے گویا اب کبھی بھی نہ کھلیں گے۔

"اگلے ہفتے میں آؤں گا تو تمہیں عیشہ کی طرف لے کر جانا ہے۔ وہ مجھ سے بہت لڑ جھگڑ کر گئی ہے۔ ایکچوئلی! اس نے دو دن پہلے مجھے ایک میسج دیا تھا جو گھر آنے تک میرے ذہن سے آؤٹ ہو گیا تھا۔ بے چاری کیک اور پیزا بنا کر تمہارا انتظار کرتی رہی تھی۔ میں نے بھی دل میں پلاننگ کی تھی کہ اکیلے تو میں بھی درمکنون کو پیزا کھانے نہیں دوں گا۔" اس کی آنکھوں میں بھرپور شرارت تھی' درمکنون کو اس کی مکاری پر غصہ آگیا۔

"ایک معصوم بچی کو ہرٹ کر کے تمہیں کیا ملا ہے۔"

"بچی ہرٹ کہاں ہوئی تھی۔ غصے کے عالم میں تمام کھانے پینے کی چیزیں ٹوکری میں ڈال کر نیچے بستی میں اپنے نوکر کے گھر دے آئی تھی اور اس کے بچوں کے ساتھ دو گھنٹے کھیلتی رہی۔" وہ مزے سے بتا رہا تھا۔

"عیشہ اسکول میں بھی آئی تھی۔ بہت خفا تھی مجھ سے۔"

"اس کی خفگی پل دو پل کی ہوتی ہے۔ وہ پھر سے تمہیں گھر بلانے کے پلان بنا کر آئے گی۔ ویسے ایک تسلی تو ہے دل کو کہ عیشہ کا کوئی بھائی نہیں۔" اس نے شریر انداز میں درمکنون کو چھیڑا تو اس کی بھنویں تن گئیں۔

"میرے ساتھ فرینک ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"تو پھر کس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کروں۔" بڑی معصومیت سے پوچھا گیا تھا۔

"شہر کی لڑکیاں مر گئی ہیں کیا؟" اس نے غصے سے آنکھیں سکیڑ کر کہا۔

"مجھے شہر کی لڑکیوں سے کیا لینا دینا۔ ہماری تو آپ ہی سب کچھ ہیں۔" عبدالباری نے بے نیازی سے کہہ کر سفید پالش شدہ کرسی گھسیٹی اور اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

"اب پلیز بابا جان کا ڈراوا دے کر دھمکانے کی کوشش نہ کرنا۔" اس نے ڈرنے کی بھرپور ایکٹنگ کی تھی۔

"میرے ساتھ ایسی باتیں نہ کیا کرو عبدالباری!" وہ گہرے دکھ سے کہہ رہی تھی۔ آنکھوں میں بے پناہ کرب تھا۔

"میرے زخموں سے خون رسنے لگتا ہے۔ کسی کی شوخ ہنسی اور جاندار زندگی سے بھرپور آواز میرے کانوں میں زہر انڈیلنے لگتی ہے۔ میرا ماضی اژدھے کی مانند پھنکارتا ہوا میری طرف لپکنے کی کوشش کرتا ہے اور میں آنکھیں موند کر اندھا دھند بھاگنے لگتی ہوں' تاکہ کوئی آواز' کوئی یاد میرا پیچھا نہ کرے۔" درمکنون نے تھک کر سوچا اور سر کو کرسی کی پشت سے ٹکا کر گہرے سانس لینے لگی۔

"زندگی بوجھ بن کر رہ گئی ہے۔ نہ جانے کب سانسوں کی قید سے رہائی ملے گی۔ کب زندگی کی اذیت سے چھٹکارا پاؤں گی۔" اس کی رنگت متغیر ہو گئی تھی۔ عبدالباری اس کے چہرے کے تاثرات بغور پڑھ رہا تھا۔

"درمکنون! کیا تمہیں کسی ایسے ساتھی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی جس کے کندھے پر سر رکھ کر تم تمام درد کہہ دو۔"

"نہیں۔" اس کے لہجے میں پتھروں کی سی سختی تھی۔

"تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں۔" وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"تم کیوں ایک زخم زخم عورت کی رفاقت کے خواب دیکھ رہے ہو۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں تمہیں دینے کے لیے۔ نہ کوئی امنگ ہے نہ جذبہ' نہ کوئی خواہش زندہ رہ چکی ہے۔ اب تو صرف راکھ کا ڈھیر بچا ہے جس میں اگر کوئی چنگاری تھی بھی تو اب وہ بھی بجھ چکی ہے۔" اس نے تھک کر سوچا اور دھیرے سے بولی۔

"تم بابا صاحب کے بیٹے ہو میرا تم پر اعتبار قائم ہے۔"

"تھینکس گاڈ! ہماری کوئی تو خوبی آپ پر آشکار ہوئی' خواہ بابا جان کے توسط سے ہی سہی۔" عبدالباری نے دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھائے اور مزید بولا۔

"اگر تمہیں کسی نے دھوکا دیا ہے تو ضروری نہیں کہ سب کو ایک ہی پیمانے سے ناپا جائے۔"

"بغیر تصدیق کے کسی کے بارے میں حتمی رائے دینا دانشمندوں کا شیوا نہیں۔" وہ ہنسی تھی۔ ایک ٹوٹی افسردہ تھکی تھکی سی بے جان ہنسی۔

"آپ نے ہمیں دانش مندانہ تو تسلیم کر ہی لیا ہے۔" عبدالباری جاندار انداز میں مسکرایا تھا۔

"تمہاری عنایات' کرم' مہربانی' شفقت اور محبت کو بھی مان ہی لیں گی۔" اس نے پہلی مرتبہ بہت واضح لفظوں میں اظہار محبت کیا تھا۔

"تمہارے سامنے ایک واضح منزل ہے۔ وسیع جہان' اور بہت سی خوشیاں تمہاری منتظر ہیں' جبکہ میری دنیا بہت محدود ہو چکی ہے۔ میں نے اپنے گرد ایک دائرہ کھینچ لیا ہے جس کے حصار سے نکلنے کی مجھے خواہش ہی نہیں ہے۔" وہ گویا خواب کے عالم میں کہہ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"دھڑا دھڑ شاپنگ ہو رہی ہے' مگر ڈیٹ تو ابھی فکس نہیں کی۔" زرین نے ساگ کاٹتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"آج جاؤں گی فاخرہ کی طرف۔ نئے چاند کی چودہ ٹھیک رہے گی۔" شگفتہ بیگم نے سوچتے ہوئے بیٹی کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"حیرت ہے اتنی دلچسپی۔" انہوں نے سوچا تھا کہا نہیں۔

"میں بھی چلوں گی آپ کے ساتھ اسکول میں سرسری سا دیکھا تھا بھابھی جان کو۔ اک تفصیلی ملاقات تو ہونی چاہیے۔" زرین نے معنی خیزی سے آنکھیں نچائیں۔

"ہاں ٹھیک ہے' وسی سے کہیں گے لے چلے گا ہمیں۔ ریمزی کی گاڑی شام کو ورکشاپ سے آئے گی۔" انہوں نے سوچتے ہوئے پروگرام ترتیب دیا تھا۔

وسی یونیورسٹی سے آتے ہوئے گاڑی لے آیا تھا۔ ثمن بھی جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ ان کا ارادہ تھا خالہ قمری کو ساتھ لے کر جانے کا' مگر وہ اپنی کسی سہیلی کی عیادت کے لیے شادمان گئی تھیں۔

وسی بھی چونکہ آج پہلی مرتبہ آیا تھا اسی لیے وہ خود ہی اسے راستہ سمجھا رہی تھیں۔ جوں ہی وسیع سڑک کا اختتام ہوا زرین کے ماتھے پر بل پڑنے لگے۔ چھوٹی چھوٹی تنگ گلیاں' پرانی طرز کے مکان' مکینوں کی مالی پوزیشن کو واضح کر رہے تھے۔

"یہاں ہم بارات لے کر آئیں گے۔" زرین سے زیادہ دیر چپ نہیں رہا جا سکتا تھا۔ وہ ایک دم پھٹ پڑی۔

"بارات میں لوگ ہی کتنے ہوں گے۔ سادگی سے نکاح کرنا ہے' صرف گھر کے افراد ہوں گے۔ البتہ ولیمہ دھوم دھام سے کروں گی۔" انہوں نے تحمل سے جواب دیا تھا۔

"ڈیڈ میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ میری سوچ ماٹو سے ملتی جلتی ہے۔" وسی نے جوش کے عالم میں اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا۔

"تو میہ اور رشا کو تو باتیں بنانے کا موقع مل جائے گا۔" زرین نے جل بھن کر کہا۔

"میں ولیمہ کی دعوت دوں گی۔" انہوں نے نرمی سے کہا اور پھر وسی کی طرف متوجہ ہو گئیں' جو غلط ٹرن لے چکا تھا۔

"اب بیک کیسے کروں۔ اگلی گلی سے ٹرن لے لوں گا۔" وسی نے فکر مندی سے کہا۔

"دعا کرنا بچو! تمہارے ماما بھی ان گلیوں کی بھول بھلیوں میں گم نہ ہو جائیں۔" اس نے حسب توقع زہر افشانی کی۔

"اللہ نہ کرے۔" انہوں نے دہل کر بیک زبان

www.pkdigest.com

کہا۔

"اب بتائیں نانو! کہاں جانا ہے۔" وصی نے احتیاطاً پوچھ لیا تھا مبادا پھر سے وہ غلط راستے پر گاڑی نہ ڈال دے۔

"یہیں روک دو بیٹا! آگے گاڑی کہاں جائے گی۔"

"اب کیا پیدل مارچ کرنا ہے۔" زرین نے ناگواری سے پوچھا تو ثمن جھٹ سے بولی۔

"صرف پانچ منٹ کے واکنگ ڈسٹینس پر ہے زروہ مامی کا گھر۔"

"کون سا مکان ہے۔" کیچڑ اور کوڑے کے ڈھیر سے بچتے بچاتے زرین نے تنک کر پوچھا۔

"یہ رہا سبز پینٹ والا دروازہ۔" ثمن نے دھیرے سے دستک دی تو وصی جھٹ سے بولا۔

"اتنی نزاکت سے دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے۔ یوں دیتے ہیں دستک۔" وصی نے زوردار انداز میں دروازہ دھڑ دھڑانا چاہا تھا جب ایک دم ہی کواڑ کھول دیا گیا۔ وصی بے چارے کا ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا۔ اور ثمن کی ہنسی کے ساتھ ساتھ سامنے موجود لڑکی کی دبی دبی ہنسی نے اسے حد درجہ شرمندہ سا کر دیا تھا۔

"السلام علیکم خالہ جان۔" سنبہ نے شگفتہ بیگم کو دیکھ کر ادب سے سلام کیا۔ زرین نے بغور سنبہ کا جائزہ لے کر اسے اوکے کر دیا تھا۔

"اس غربت میں اتنا حسن۔" اس نے پہلی مرتبہ اچھے انداز میں سوچا۔ سنبہ نے انہیں ایک صاف ستھرے سادہ سے کمرے میں بٹھایا۔

"زروہ کہاں ہے؟" انہوں نے ہونے والی بہو سے جلد از جلد ملنا چاہا تھا۔ ثمن اور وصی بھی بے تابی سے بیٹھے تھے۔

"آپی آ رہی ہیں۔" سنبہ نفیس سی ٹرے میں کولڈ ڈرنکس کے گلاس سجائے اندر داخل ہوئی تو انہیں اشتیاق سے ادھر ادھر دیکھتے پا کر مسکرانے لگی۔

"کہاں ہیں مامی۔ کب تک آئیں گی۔" وصی نے بے چینی سے پوچھا تو ثمن نے آنکھیں دکھائیں جبکہ سنبہ مامی کے مفہوم میں قدرے الجھی سی سوچ رہی تھی جب زروہ اور امی دونوں کمرے میں داخل ہوئیں۔ ان کے پیچھے دھیرے دھیرے چلتا ہوا مبین بھی آ گیا۔

سنبہ چپکے سے باہر نکل آئی۔ گلی میں سے بچے کو پکڑ کر چائے کے لوازمات منگوائے۔ اسی اثنا میں سارہ بھی آ چکی تھی۔

"مہمان آئے ہیں آپی کے سسرال والے؟" سارہ نے اشتیاق سے پوچھا۔ سنبہ نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا پھر اسے بغور دیکھ کر دھیمی آواز میں بولی۔

"تم پھر دیر سے آئی ہو۔ آپی آج تمہاری کلاس ضرور لیں گی۔"

"یار! آج وین خراب ہو گئی تھی۔" پلیٹ میں رکھے کیک میں سے ایک اٹھا کر سارہ نے منہ میں رکھا اور منمناتے ہوئے بولی۔

"آپی لوگ کیا ڈیٹ فکس کرنے آئے ہیں؟" مہک بھی چپکے سے قریب کھسک آئی تھی۔

"کتنا مزا آئے گا آپی! تم میرے لیے شرارہ سوٹ بنا دینا۔" اس نے بچوں جیسے شوق اور تجسس سے کہا۔

سنبہ چہرے سے ہنس کر اثبات میں سر ہلانے لگی تھی۔

"یار سنبہ! آپی کے جانے کے بعد گھر کتنا سونا سونا ہو جائے گا۔" سارہ نے افسردگی سے کہا۔

"ہوں۔" سنبہ نے ہنکارا بھرا اور چائے ٹی پاٹ میں ڈالنے لگی۔

ایک گھنٹہ مزید وہ لوگ بیٹھ کر چلے گئے تھے۔ جاتے جاتے وصی نے لمحہ بھر کے لیے سنبہ کے پاس تھم کر کہا۔

"آپ نے چائے اچھی بنائی ہے' پھر نوش فرمانے کے لیے آئیں گے۔" ثمن' وصی کی اردو دانی پر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھی جبکہ سنبہ قدرے جھجک سی گئی۔

"آپی کی ساس بہت اچھی ہیں۔" سارہ نے ان کے جانے کے بعد تبصرہ کیا۔

"مگر نند بالکل روایتی نندوں والا اوریجنل ماڈل لگ

رہی تھیں۔" سنبہ نے بھی زرین کے مغرورانہ تیور نوٹ کیے تھے۔

"زرین آنٹی کے بچے بہت ہنس مکھ تھے۔ ویسے آنٹی بہت ینگ سی ہیں۔ شاید کم عمری میں ان کی شادی ہوئی ہو گی۔ بچے بالکل برابر کے لگتے ہیں۔" سارہ برتن سمیٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"سارہ! کام ختم کر کے میری بات سننا۔" زروہ کی آواز سن کر سارہ کے ہاتھوں کے تمام طوطے کبوتر اڑ گئے۔

"آپی غصے میں تو نہیں لگ رہیں؟" اس نے معصومیت سے سنبہ کی طرف دیکھ کر تصدیق کرنا چاہی۔

"مجھے کیا پتا۔" سنبہ نے بے نیازی سے کہا۔

"میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں سنبہ!" اس نے ہراساں ہو کر برتن ٹوکری میں رکھ دیے۔

"خوف کی وجہ کیا ہے؟" سنبہ نے چبھتے لہجے میں طنزیہ پوچھا۔

"میرے ہاتھ تو نہیں کانپ رہے۔" وہ غصے سے کہہ رہی تھی۔

"میں لیٹ ہو گئی ہوں۔" سارہ روہانسی ہوئی۔

"تو خیال رکھنا تھا نا۔" سنبہ نے رگڑ رگڑ کر چولہا صاف کیا۔ برتن شیلف پر رکھے اور اس کی طرف پشت کر کے بیٹھ گئی۔

"سنبہ! تم بھی ساتھ آؤ۔" سارہ لجاجت سے کہتی ہوئی گھوم کر اس کے سامنے آ گئی تھی۔

"آپی 'ہوا' تو نہیں' کمال کرتی ہو سارہ!" وہ ہاٹ پاٹ اٹھا کر مبین کے کمرے کی طرف چل دی تھی' جبکہ سارہ بے بسی سے ساتھ والے بند دروازے کو دیکھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"نئے چاند کی چودہ ٹھیک رہے گی۔" قمری خالہ نے پرسوچ لہجے میں کہا تو فاخرہ قدرے بوکھلا سی گئیں۔

"ابھی اتنی جلدی بھی کیا ہے خالہ! کم از کم ایک ڈیڑھ سال تک میں شادی کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ دراصل مبین کے علاج پر جمع حساب خرچ ہو گیا ہے۔"

"کیسی احمقانہ باتیں کر رہی ہو فاخرہ!" خالہ نے خفگی سے کہا۔

"رفی کے تیور اچھے نہیں دکھائی دے رہے۔ اسے بھی رشتے کی سن گن مل گئی ہو گی۔ آج کل میں وہ کینو کا ٹرک لے کر کراچی گیا ہوا ہے۔ دو' تین ہفتوں بعد واپسی ہو گی۔ یہی دن مناسب ہیں۔ سادگی سے نکاح کر کے زروہ کو رخصت کر دو۔ اس بدمعاش سے کیا بعید' خواہ مخواہ بد مزگی پھیلائے گا۔"

"خالہ! یہ نئی مصیبت گلے آن پڑی ہے۔ پہلے کیا پریشانیاں کم تھیں۔" فاخرہ نے دہل کر کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ تھوڑا بہت انتظام کر لینا۔ چار پانچ مرد اور گھر کی خواتین ہوں گی۔ میں نے شگفتہ سے بات کر لی ہے۔ بڑی نیک اور بھلی طبیعت کی معاملہ فہم عورت ہے۔ بات کی کرید نہیں کرتی۔" خالہ نے پان کی گلوری منہ میں رکھی اور ہاتھ چادر کے پلو سے صاف کیے۔

"خالی ہاتھ رخصت کرنے کو دل نہیں مانتا۔" وہ اپنے خدشات کو زبان نہیں دے پا رہی تھیں۔ زرین کے ڈھکے چھپے الفاظ کا مفہوم ان پر بخوبی آشکار ہو گیا تھا۔ اس نے باتوں ہی باتوں میں بہت کچھ کریدنا چاہا تھا۔

"یہ لوگوں نے نہ جانے کیسے اصول بنا لیے ہیں۔ پلی پلائی لڑکی لے کر جی نہیں بھرتا۔ لاکھوں کی مالیت کا جہیز چاہیے۔ پہلے زمانے کے جب سادگی لوگوں کا معیار ہوتی تھی۔ نمود و نمائش کے جراثیم نہیں پھیلے تھے۔ نہ ٹی وی تھا' نہ ریڈیو' نہ ہی موا فیشن تھا۔ اب تو لڑکیاں ہزاروں روپے بیوٹی پارلر پر ضائع کر آتی ہیں۔ نہ جانے کون کون سی کریموں کے مساج کیے جاتے ہیں۔ شوہروں کی جیبوں کا کباڑا کر کے رکھ دیتی ہیں۔

ہمارے وختوں (وقتوں) میں یہ خرافات نہیں تھیں۔ کینو کے چھلکے کا غازہ بنا کر منہ پر مل لیا جاتا تھا۔

www.pkdigest.com

مہندی، سرمہ اور خوشبو میں زعفران، عطر —— استعمال کیا جاتا تھا۔ ہار سنگھار میں زیادہ نہیں بس باندھ کڑے، بالی، ہار، انگوٹھی ہی تھا جامع سنگھار۔ مگر اب تو آوے کا آوا ہی بگڑ گیا ہے۔ تومیہ اور ثنا کے بھی یہی چھن تھے۔ آئے دن بیوٹی پارلروں کے چکر۔ میرے من کو تو ایسی باتیں نہیں اچھی لگتی ہیں۔ اسی لیے تو ایسی ہیرا لڑکی ڈھونڈ کر دی ہے، ساری زندگی سنور جائے گی شگفتہ کی، اتنی سگھڑ، سلیقہ مند، سمجھ دار، چراغ لے کر بھی ڈھونڈتی تو نہ ملتی۔ جب اپنے دل کا ٹکڑا دے رہے ہیں تو پھر مادی اشیاء کی کیا حیثیت۔"

خالہ کی طویل گفتگو کا اصل متن واضح ہو گیا تھا مگر فاخرہ پھر بھی کشمکش میں مبتلا تھیں۔

"خالہ! لوگ کیا کہیں گے۔"

"ارے بھاڑ میں گئے لوگ اور ان کی باتیں۔" خالہ نے تنک کر کہا اور سنیہہ کو آواز دی۔

"بچے! تیز پتی والی چائے تو لاؤ۔"

"اچھا، خالہ جان!" سنیہہ نے برآمدے میں کپڑا لگاتے ہوئے احترام سے جواب دیا۔ قمری خالہ نہال ہی ہو گئیں۔

"فاخرہ! بچیاں تمہاری سب ہی نیک اور بھلی مانس ہیں مگر سنیہہ کی عادتیں سب سے اچھی ہیں۔"

"شکریہ خالہ جان!" سنیہہ نے ہانک لگائی تو خالہ قل قل ہنسنے لگیں۔

"شکریہ کاہے کا، تم تو میری سب سے اچھی بیٹی ہو۔" انہوں نے محبت سے کہا اور فاخرہ کے کان میں بولیں۔

"کسی کی بھی فکر نہ کرنا۔ سارہ کے بعد اس کا نمبر ہے نا۔"

"جی خالہ!" فاخرہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھیں، چونک کر اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

"سین کا مزاج کیسا ہے؟ بچہ بے چارا کملا کر رہ گیا ہے۔" خالہ نے تاسف سے ہاتھ ملے اور سنیہہ کے ہاتھ سے چائے کی پیالی تھام لی۔

"بس خالہ! پریشانیوں نے گھر جو دیکھ لیا ہے۔ جوان بیٹے کو اس حال میں دیکھ کر دل کٹتا ہے میرا۔" فاخرہ کی آواز بھرا گئی۔

"اگر مناسب علاج اور اچھی دوا میسر آتی تو اب تک بھلا چنگا ہو چکا ہوتا۔ فاخرہ! ایک بات کہوں، تمہارا دل تو ضرور دکھے گا مگر اپنے ہی کام آتے ہیں برے وقت میں۔ تمہارے دل کا ٹکڑا، تمہارا خون ہے، وہ اتنا پتھر دل نہیں، تم بات تو کر کے دیکھو، شاید اب حالات مختلف ہوں۔" انہوں نے جھجکتے ہوئے کہہ دیا تھا۔ ویسے بھی وہ دل میں بات رکھنے والی نہیں تھیں۔

"مجھے خیرات اور بھیک نہیں چاہیے۔ نہ میں کشکول لے کر اس کی منتیں کروں گی۔" فاخرہ نے سرد آواز میں کہا۔

"وہ کوئی غیر یا اجنبی تو نہیں۔" انہوں نے چائے پی کر ہونٹ چادر سے صاف کیے اور کپ تخت کے نیچے کھسکا دیا۔

"میرے لیے قطعاً اجنبی ہے۔" وہ زہرخند ہوئی تھیں۔ اگرچہ اس کے ذکر سے دل پر آرے سے چل گئے تھے مگر آنکھوں میں مکمل سختی تھی۔

"فاخرہ! دل بڑا کر کے ایک مرتبہ کوشش کر دیکھو، یقیناً تمہاری کچھ پریشانیاں تو کم ہو جائیں گی۔" وہ اپنے موقف پر ہنوز قائم تھیں۔

"میں اس کے زہر میں بجھے لفظوں اور طعنوں کو سچ نہیں کرنا چاہتی۔ وہ تو یہی کہے گا کہ مجھے ضرورت اس تک کھینچ لائی ہے۔" فاخرہ نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"تمہارا اس پر پورا حق ہے۔" خالہ نے اپنی عینک صاف کی اور ناک پر ٹکائی۔ وہ فاخرہ کی دلی کیفیات سے واقف تھیں۔ جانتی تھیں کہ بہت سے صدمات فاخرہ نے اپنے ناتواں دل پر جھیل لیے ہیں۔ ماضی کریدنے سے محض دل ہی دکھے گا بے چاری کا۔

"خالہ! درخت کا پھل وہی کھانے کا حق رکھتا ہے جس نے اس درخت کی دیکھ بھال کی ہو، کانٹ چھانٹ کر کے اپنی محنتوں اور محبتوں کا پانی دیا ہو۔ اس کی

بھرپور حفاظت کی ہو۔" فاخرہ کی آواز رندھ گئی تھی۔ انہوں نے دوپٹے کے پلو سے نم آنکھیں پونچھیں۔

"میں اس درخت کی گھنی چھاؤں کے نیچے بیٹھنے کا کوئی حق نہیں رکھتی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔

"میرے مقدر میں کڑی دھوپ میں جلنا لکھا ہے۔"

"فرض کرو، کبھی وہ خود آ گیا تو۔" خالہ نے کچھ سوچتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"کبھی نہیں آئے گا۔ بڑا انا پرست ہے، اور پھر وہ اسے آنے بھی کہاں دے گی، جسے ہم سے نفرت ہے، ہمارے ماحول اور رہن سہن سے نفرت ہے۔" فاخرہ تلخی سے بولیں۔

"پالنے پوسنے کا یہ صلہ دیا ہے۔" خالہ کو بھی نہ جانے کیا کچھ یاد آ گیا تھا۔ اسی پل سارہ کالج سے آئی تھی۔ خالہ کو دیکھ کر سلام کیا اور بیٹھ کر جاگرز اتارنے لگی۔

"تمہارے امتحان کب تک شروع ہوں گے۔" اب وہ سارہ کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

"دو ماہ تک۔" اس نے مختصر جواب دیا اور جھک کر جاگرز اٹھانے لگی۔

"آج کیا پکایا ہے؟" سارہ نے کتاب میں سر دیے بیٹھی سنیہہ سے آہستگی سے پوچھا۔

"آلو کا پراٹھا ہاٹ پاٹ میں رکھا ہے۔ اچار بھی موجود ہے، چائے بنا لو۔ اور مزے دار چیز سے لطف اندوز ہونے کے بعد برتنوں کے ڈھیر کو بھی دھو لینا۔ کل بھی تم نے برتن نہیں دھوئے تھے۔ آپی تھکی ہاری اسکول سے آتی ہیں اور پھر بکھرے پھیلاوے کو دیکھ کر انہیں سب کچھ سمیٹنا پڑتا ہے۔" سنیہہ نے کتاب پر نگاہیں جمائے جواب دیا۔ خلاف توقع سارہ نے منہ بنائے بغیر لو کے میڈم کہہ کر سب سے پہلے برتن دھوئے اور پھر پراٹھا گرم کر کے پیٹ پوجا کی۔ سنیہہ حیران سی تمام کارروائی دیکھ رہی تھی، پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"سارہ! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"کیوں؟ مجھے کیا ہوا ہے؟" سارہ نے حیرانی سے کہا۔

"بغیر ماتھے پر بل ڈالے برتن دھوئے ہیں۔ خاموشی سے آلو کے پراٹھے کو من و سلویٰ سمجھ کر کھا لیا ہے۔ میری حیرت تو بجا ہے نا۔" سنیہہ نے وضاحت کی تو وہ مسکرانے لگی تھی۔

"میں کیا اتنی بری ہوں؟"

"نہیں تم تو بہت اچھی ہو۔ سب سے اچھی، مگر تمہاری کچھ عادتیں در مکنون آپی سے ملتی ہیں۔" سنیہہ سادہ سے انداز میں کہہ رہی تھی مگر داخلی دروازے سے اندر آتی زرہ کے قدم گویا زمین نے جکڑ لیے تھے۔

☆ ☆ ☆

"میری جان! تم بھی بھولنے کی چیز ہو کیا؟ تمہاری کھلکھلاتی ہنسی تو ابھی تک کانوں میں رس گھول رہی ہے اور یار! تمہاری قربت کا خمار تو چھ سال بعد بھی نہیں اترا ہے۔ نہ اب ایسی آفرز پر میں کان دھرنے والا نہیں۔ سارے وہ تو بھی سیریس ہے۔ پتا چل گیا نا اسے تو میری اور تمہاری ایسی کی تیسی کر ڈالے گی۔ سنو یار! میں تو بھی توبہ کر چکا ہوں۔ جب اپنا مال موجود ہو تو ادھر ادھر منہ نہیں مارتے۔ تم بھی کوئی حتمی فیصلہ کر کے اپنا یار لگاؤ۔ کب تک ہمارے جیسوں سے جی بہلاؤ گی۔ ویسے بھی سیٹھ حاکم نے تمہارے لیے کافی کچھ چھوڑ کر دنیا کو گڈ بائے کیا تھا۔ کوئی قسمت کا مارا اسٹیٹس کا شیدائی دام میں پھنس ہی جائے گا۔ ذرا ہم سے نگاہ ہٹا کر ادھر ادھر نظر دوڑاؤ۔ کوئی کاٹھ کا الو تمہیں مل ہی جائے گا۔ نہ جی ہم تو اسیر عشق ہو کر بالکل بے کار ہو چکے ہیں۔"

"حد ہو گئی بے شرمی کی۔ اتنی عامیانہ گفتگو۔" ستوہ کے رخسار تپ اٹھے۔ دھاڑ سے دروازہ کھولے وہ خونخوار تیور لیے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"تو آ گئے ہمارے جان کے دشمن۔" اس نے

www.pkdigest.com

موبائل آف کر کے صوفے پر پھینکا اور خود بیڈ پر نیم دراز ہو کر بغور عنوہ کے تاثرات کا جائزہ لینے لگا۔

"کس سے ایسی گھٹیا گفتگو فرمائی جا رہی تھی۔" عنوہ نے آگ بگولا ہو کر کہا۔ اور موبائل اٹھا کر نمبر چیک کرنے لگی۔ ماریہ کا نام اسکرین پر جگمگا رہا تھا۔ عنوہ تڑپ کر چیخ اٹھی۔

"کیوں کیا تھا اس فسادن' بے شرم' بے حیا' بے غیرت نے فون۔"

"کوئی اور بھی بے رہ گئی ہے تو کہہ ڈالو۔ غصہ دل میں نہیں رکھتے۔ خواہ مخواہ بی پی شوٹ کر جائے گا۔" وہ نہایت اطمینان سے ٹی وی آن کر کے ریموٹ اچھالتا بولا۔

"آئندہ اگر اس لومڑی سے بات کی تو پھر دیکھیے گا۔" اس نے وارننگ دینے والے انداز میں بھڑک کر کہا تو زیان عش عش کر اٹھا۔

"اس ادا پر قربان ہو جاؤں۔ اس کے منہ پر لومڑی کہہ دینا۔ قسم سے ایوارڈ دوں گا۔"

"میں ہی پاگل ہوں جو چیخ چلاتی رہتی ہوں۔ ان محترمہ کو تو پروا نہیں۔ آپ جسے چاہے پہلو میں بٹھائیں' جس سے چاہے 'جان' کہہ کر گفتگو کریں۔ جس کا دل چاہے منہ اٹھا کر گھر آ جائے۔" وہ غصے سے پھنکار رہی تھی۔

"اسی بات سے اندازہ لگاؤ۔ اس کے نزدیک میری کوئی ویلیو نہیں اور مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ویری سمپل' نہ اسے مجھ سے لگاؤ ہے نہ مجھے رانیہ سے انسیت۔" زیان نے سوچا لگے ہاتھوں عنوہ کی کچھ غلط فہمیاں دور کر دے۔ جو خدشات اسے رانیہ سے تھے سب بے بنیاد اور بودے تھے۔ وہ صرف ایک کاغذی تعلق تھا جسے آج کل وہ قانونی طور پر ختم کرنے کا سوچ رہا تھا۔ وہ مزید اسے اپنے کھونٹے سے باندھ کر اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اپنے کیے کا کفارہ ادا کر چکی تھی۔ اس کے اندر بھی نفرت اور انتقام کی چنگاریاں بجھ گئی تھیں۔ اس نے بہت منظم طریقے سے اپنی لائف کو سیٹ کیا تھا۔ اب مزید کوئی نقصان برداشت سے باہر تھا۔

"وہ آپ کی بیوی تو ہے نا۔"

"تب ہی نہیں رہے گی۔" اس کا اطمینان قابل دید تھا۔ عنوہ ٹھٹک سی گئی۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔"

"وہ ہی جو تم سمجھ چکی ہو۔" زیان ٹی وی پر تھرکتی حسینہ کو بغور دیکھتا سنجیدگی سے بولا تھا۔ عنوہ نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور پھر غصے سے ریموٹ اٹھا کر چینل بدلنے لگی۔ زیان حیران پریشان عنوہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کیا بات ہے جلن اور حسد کی۔ ڈیئر بیگم! اس حسینہ نے اچھلتے کودتے ٹی وی سے باہر تو نہیں آ جانا تھا۔ خود چھ فٹ دور بیٹھ کر گولا باری کرنا اور مجھے ٹی وی پر ناچتی حسیناؤں کو دیکھنے کی بھی اجازت نہیں۔"

"وہ۔ میں نے ڈراما دیکھنا ہے۔" عنوہ قدرے خجل سی ہو کر بے ربط بولنے لگی۔

"آپ نے کب سے ڈراموں میں دلچسپی لینا شروع کر دی ہے۔" زیان کو اسے ستانے' چڑانے میں مزا آنے لگا تھا۔

"تمہارے جلنے اور حسد کی رفتار دیکھ کر مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم تو میرے موبائل' لیپ ٹاپ' سیل اور گاڑی سے بھی جیلس ہونا شروع کر دو گی۔ کیونکہ یہ 2009ء کے نئے ماڈل مجھے کافی عزیز ہیں۔ میرے دوستوں سے تو تم آل ریڈی جلتی ہو۔ اب سیکرٹری سے حسد کرنا شروع کر دینا۔ یہ علامات محبت کو ظاہر کرتی ہیں۔ تم مان جاؤ کہ زیان حبیب سے تمہیں گہری' بے تحاشا' بے حساب محبت ہو گئی ہے۔"

"ہونہہ' خوش فہمی بہت ہے اپنے بارے میں۔" عنوہ چڑ سی گئی۔ زیان کے درست اندازے اکثر اسے خجل کر دیتے تھے۔

"عنوہ! میں بہت کونفیڈنٹ ہوں۔ مجھے یقین ہے میری محبت کی آخر جیت ہو گی۔ تم میری محبت کی شدتوں کے آگے سرنگوں ہو جاؤ گی۔ میں لوگوں کو بیک آؤٹ نہیں کرتا۔ اور تمہیں دغا دینے کا سوچ بھی نہیں

سکتا۔ کبھی میری چاہتوں کو شک کی نگاہ سے نہ دیکھنا۔ میں تمہارے ساتھ فیئر ہوں۔ سر سے پاؤں تک تمہارا' اس دل میں سوائے تمہارے کسی کی شبیہہ نہیں۔ میں ماضی میں رہنے والا انسان نہیں۔ جو بیت گیا اسے یاد کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ میرا اور رانیہ کا کوئی ریلیشن نہیں تھا' نہ کل تھا نہ آج ہے' شادی شدہ ہو' جان چکی ہو گی کہ میری بات کا مفہوم کیا ہے۔ بار بار وضاحتیں نہیں دوں گا۔ یہ ایک پیپر میرج ہے۔ حالات ہی کچھ ایسے تھے کہ مجھے اس پیپر میرج کو نبھانا پڑا۔ وہ اس گھر میں موجود ہے' ضرورت کی تمام چیزیں اسے میسر ہیں۔ اس کے علاوہ میں رانیہ کو کچھ نہیں دے سکتا۔ کبھی اس کی وکالت کرنے کی کوشش بھی نہ کرنا۔ تم وہ نہیں جانتیں جو کچھ میں جانتا ہوں۔

میری زندگی میں تمہاری جو اہمیت ہے وہ کسی کی بھی نہیں ہو سکتی۔ اپنے ذہن سے تمام خدشات جھاڑ پھونک دو۔ مجھے فریش عورت خصوصاً" بیوی دل کو بھاتی ہے۔ اب اپنا موڈ بہتر کرو۔ اور ہمارا دل بہلانے کا سامان کرو۔ ذرا اچھی سی تیار شیار ہو کر میرے سامنے بیٹھو' تاکہ تمہیں دیکھ کر میں اپنی خوش بختی پر مغرور ہو جاؤں۔" اس نے بات کے اختتام پر کشمکش میں مبتلا عنوہ کا ہاتھ تھام کر اپنی طرف گھسیٹا۔ وہ توازن برقرار نہیں رکھ سکی تھی۔ کٹی ہوئی شاخ کی طرح لہراتی اس پر آن گری تھی۔ زیان نے اس کے نازک وجود کو جھٹکا دے کر زور سے بھینچا تو وہ چلا اٹھی۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے زیان!"

"اسے بے ہودگی نہیں محبت کہتے ہیں۔ تمہاری کچھ باتیں ناقابل برداشت ہوتی ہیں' مگر کچھ ایسی حرکتیں مثلاً" ماریہ سے جلنا کڑھنا' اور رانیہ سے جیلسی' یہ چیزیں مجھے بہت اٹریکٹ کرتی ہیں۔ میرا تمام تر غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔ اب جو تم نے ٹی وی کی ماڈلز سے جلنا شروع کیا ہے تو مجھے تم پر ٹوٹ کر پیار آ رہا ہے۔ اب اس پیار بھری مشقت کو تو سہنا ہی ہے۔ ہماری جنوں خیزی کے کچھ عملی مظاہرے تو آپ دیکھ چکی ہیں کچھ اب دیکھ لیجیے گا۔"

اس نے عنوہ کے بالوں کو جھٹکا دے کر بھرپور شرارت کر ڈالی تھی۔ وہ حیا اور شرم سے جھنجلا اٹھی۔ یہاں تو سسرال والوں کا بھی کوئی ڈر رہا نہیں تھا اور نہ ہی زیان صاحب کسی سے ڈرنے جھجکنے والے تھے۔

"ابھی کچھ دیر پہلے آپ نے جم جانا تھا۔" وہ گھبرائی' بوکھلائی سی دھیمی آواز میں بولی۔

"ہاں تو جائیں گے نا۔ تیار ہو کر۔" زیان اس کے چہرے پر جھکا تو وہ کھسک کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر جاندار شریر گدگدانے والی مسکراہٹ تھی۔ عنوہ شرم سے سرخ پڑ گئی اور دونوں ہاتھوں سے اسے پیچھے دھکیل کر کھڑی ہو گئی۔

"آپ نے بے شرمی میں پی ایچ ڈی کر رکھی ہے۔" وہ بے ترتیب دھڑکنوں کو ہموار کرتے ہوئے کھلے بال سمیٹ کر بولی۔

"ارے۔ ارے جا کہاں رہی ہو۔ ہمیں تڑپا کر۔" زیان نے غیر محسوس طریقے سے کھسکتی عنوہ کی کلائی موڑی اور ایک مرتبہ پھر اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

"زیان! آپ بہت خراب ہوتے جا رہے ہیں۔" اس نے زیان کے مضبوط سینے میں منہ چھپا کر بھنچی بھنچی آواز میں کہا۔ اس کی تمام تر مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔ وہ خود کو زیان کی پناہوں میں بہت محفوظ' بہت مطمئن محسوس کر رہی تھی۔ ایک دم مسرور اور سرشار۔ محبتوں کی بارش میں بھیگتی شب دھیرے دھیرے سرک رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"میں نے پہلی ملاقات میں تم سے جھوٹ بولا تھا۔ تمہارے چہرے پر تفاخر' خوشی اور خماری کا احساس دیکھ کر میرے اندر کہیں کانٹا سا چبھا تھا۔ شاید اسی لیے ایک کمینی سی وقتی خوشی حاصل کرنے کی غرض سے میں نے تمہیں ڈبل مائنڈڈ کرنا چاہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ زیان کا بیڈ روم شیئر کرتی ہوں۔ عنوہ! ہمارے درمیان ایسا کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔" وہ

www.pkdigest.com

بہت پشیمانی سے سر جھکائے گویا اعتراف جرم کررہی تھی۔ عنوہ کے دل سے آخری چانس بھی چھلکے سے نکل گئی۔ تاہم کچھ ایسی الجھنیں ضرور تھیں جو ہلکی سی چبھن کا احساس دے رہی تھیں۔ زیان کا رویہ رانیہ کے ساتھ ناقابل فہم تھا۔ اس نام نہاد تعلق کے پیچھے کون سی وجہ تھی۔

"جب تم دونوں ہی ایک دوسرے کو ناپسند کرتے تھے تو پھر شادی کیوں کی؟"

"بعض حقیقتیں بہت تلخ ہوتی ہیں۔ جان کر کیا کرو گی۔" رانیہ نے اداسی سے کہا۔

"میں پھر بھی جاننا چاہوں گی۔" اس نے اصرار کیا۔

"میں تمہیں کچھ بھی نہیں بتا سکتی۔" رانیہ نے بے بسی سے کہتے ہوئے کنپٹیاں دبائیں۔

"مگر کیوں' کیا وجہ ہے نہ بتانے کی؟" وہ حیرانی سے بولی۔

"تمہیں سب کچھ بتانا ہوگا رانیہ!" اس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"مجھے اجازت نہیں' اگر کچھ بولوں گی تو اس آخری پناہ گاہ سے نکال دی جاؤں گی۔" اس کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی کرچیاں ترخ رہی تھیں۔

"مگر میں زیان کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔" عنوہ نے اسے یقین دلانا چاہا۔ رانیہ پھیکی سی ہنسی لبوں پر سجا کر بولی۔

"کیوں اپنی ازدواجی زندگی کو تباہ کرنے پر تلی ہو۔ سب جانتے ہوئے بھی کہ تمہارے پاس بھی میری طرح کوئی آپشن نہیں ہے۔ تمہاری ممی نے تمہارے ہاتھ پاؤں جکڑ دیے ہیں۔ ابھی صرف زیان کی محبت دیکھی ہے' نفرت کا ذائقہ نہیں چکھا۔ غصے میں بپھرا ہوا نہیں دیکھا تم نے' اسی لیے کہہ رہی ہوں خاموشی میں ہی عافیت ہے۔ آئندہ زبان پر ایسی بات لانا بھی مت ورنہ یہ جو مس نبی ہے نا' چلتا پھرتا ٹیپ ریکارڈر ہے۔ اس گھر کے تمام نوکر اپنے مالک سے انتہائی وفادار ہیں۔ اب تم جاؤ اور پلیز آئندہ اوپر مت آنا' اسے میری درخواست سمجھ لو یا پھر خواہش۔" وہ آنکھوں پر بازو رکھ کے تمام تاثرات محفوظ کرچکی تھی۔ عنوہ نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر پھر لب بھینچ کر سست قدموں سے پلٹ آئی۔

زیان اور رانیہ کا تعلق کیوں اتنا مشکوک تھا' وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے بے زار تھے اور دونوں فریق ایک دوسرے کی کوئی بات کرنا نہیں چاہتے تھے۔ نہ جانے کیا بات تھی' کیا راز تھا' کون سی ایسی حقیقت تھی جو عنوہ کو وہ بتانا نہیں چاہتی تھی۔ بات کا کوئی بھی سرا ہاتھ نہیں آرہا تھا۔ ایسی گتھی تھی جو سلجھنے کی بجائے مزید الجھتی جارہی تھی۔

"تم نہ بتاؤ' میں پھر بھی جان کر رہوں گی۔" اس نے زیر لب بڑبڑا کر کہا' اسی پل حنا کی آمد کی اطلاع ملی تھی' وہ بال سمیٹ کر کچن میں جلدی باہر آگئی۔ حنا نے اسے دیکھتے ہی شکوہ کیا۔

"عید کے چاند کی طرح مغرور ہوگئی ہو' لاکھ کوششوں سے بھی نظر نہیں آتیں۔"

"حنا یار! گھر سے نکلنا ہی نہیں ہوتا۔ میں سارا دن فارغ ہوتی ہوں اور پھر بھی میرے کام ختم نہیں ہوتے۔" وہ حیرانی سے حنا کو بتا رہی تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی' فارغ بھی ہوتی ہو اور مصروف بھی۔ یہ کہو نا زیان بھائی اپنے کاموں میں الجھائے رکھتے ہیں۔" حنا بہت دور کی کوڑی لائی تھی' عنوہ بے ساختہ مسکرادی۔

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" اس نے خندہ پیشانی سے اعتراف کرلیا تو حنا نے مارے حیرت کے پوری آنکھیں کھول لیں۔

"عنوہ! میں کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہی' یہ تم کہہ رہی ہو۔ ذرا یاد کرنا اپنے الفاظ اور وہ باتیں جو شادی سے پہلے تم کرتی تھیں۔ مجھے زیادہ اچھا نہیں لگتا بہت دو نمبر آدمی ہے' بہت ہی واہیات اور بے باک ہے' انتہائی چالاک اور مکار ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔"

باقی آئندہ شمارے میں

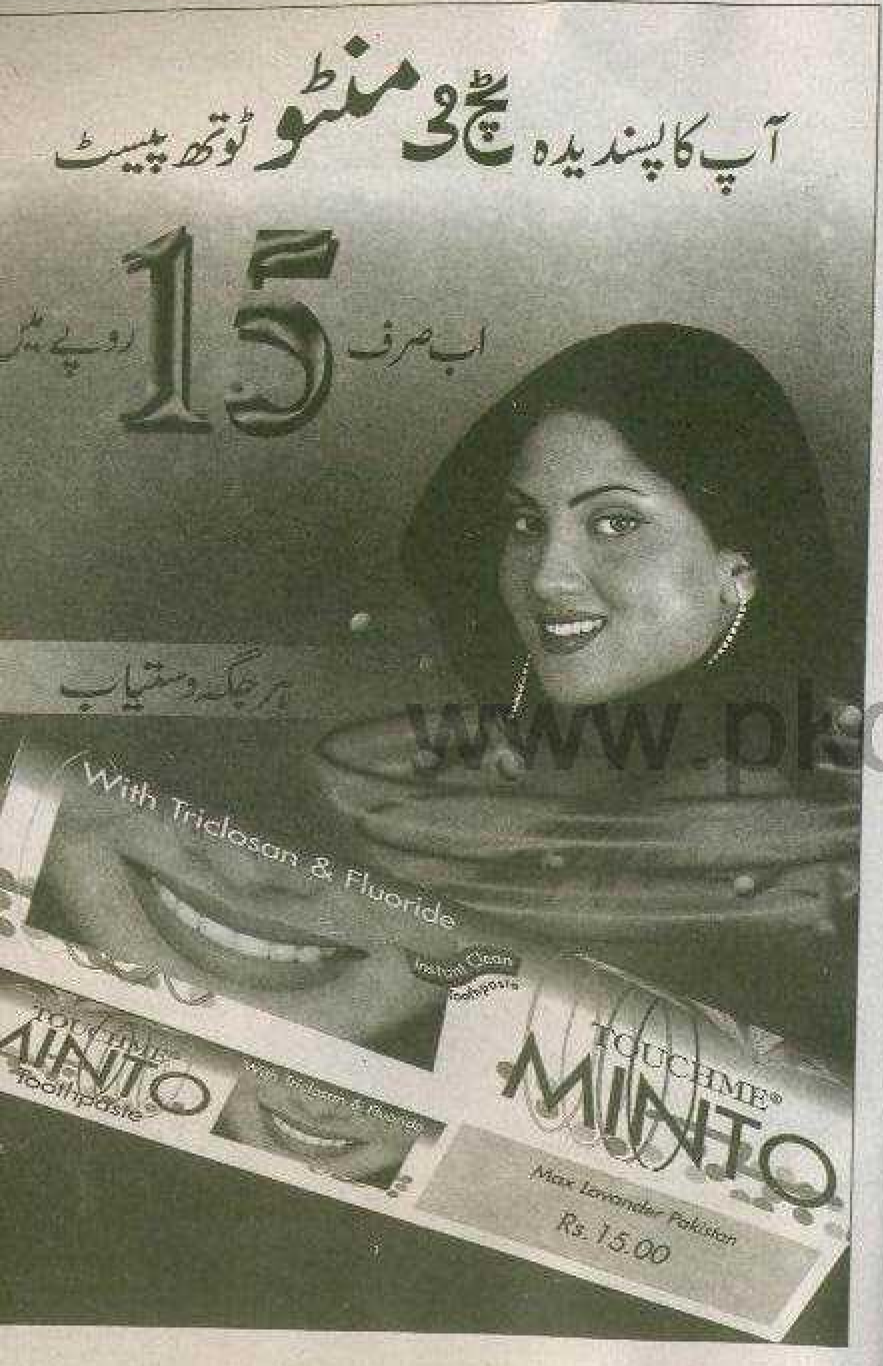

www.pkdigest.com

پوچھا تو اس نے آزردگی سے بتایا۔

"میں اپنی آپی کو مس کر رہا ہوں۔"

"تمہاری آپی بھی ہیں رمیز!" عنوہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ہاں' آپی بھی ہیں اور دو بھائی بھی۔ لیکن وہ تینوں مجھ سے بہت بڑے ہیں۔" وہ اسے تفصیلاً بتانے لگا تھا۔ اس پل عنوہ کی آنکھوں میں حسرتیں کروٹ لے رہی تھیں۔ ایک گھر' بہن' بھائیوں کا تصور۔ وہ گویا ذہنی طور پر رمیز کے گھر اس کے بہن' بھائیوں کے درمیان پہنچ چکی تھی۔

"تمہاری آپی پڑھتی ہیں؟" اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں پوچھا۔

"ارے نہیں تو' ان کی شادی ہو چکی ہے اور تمہارے جتنے تو ان کے بچے ہوں گے۔" رمیز چونک کر ہنستے ہوئے بتانے لگا۔ اگر رمیز اس سے اپنی ہر بات شیئر کرلیتا تھا تو وہ بھی ممی کے لی ہیویئر کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کر دیتی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی رمیز کو بتانے لگی۔ ننھے ننھے سے دکھ' چھوٹی چھوٹی محرومیاں' رمیز اس کا بہت خیال رکھتا تھا' اسکول میں کسی کی جرات نہیں تھی کہ عنوہ سے کوئی الٹا سیدھا مذاق یا چھیڑ چھاڑ کرتا۔

اکثر رمیز اسے چڑانے کی غرض سے کہتا۔

"عنوہ! مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں تمہاری "ماں" ہوں۔ میرے کلاس فیلوز بھی یہی کہتے ہیں مگر اب تم مجھے "ممی ممی" نہ کہنا شروع کر دینا۔"

صرف ایک سال تک رمیز کا اور اس کا ساتھ رہا تھا' پھر رمیز کسی اور کالج میں چلا گیا' اپنی بہت سی اچھی یادیں چھوڑ کر۔ اگر وہ حقیقت پسندی سے پچھلے ایک سال پر نگاہ ڈالتی تو اسے رمیز کا رویہ صرف اپنے ساتھ غیر معمولی نہیں محسوس ہوتا تھا' وہ بہت نرم دل رکھنے والا ہمدرد لڑکا تھا۔ اسے سب کا احساس اور خیال رہتا تھا' وہ ان لوگوں میں سے تھا جو خود تکلیفیں اٹھا لیتے ہیں مگر اپنے سے وابستہ لوگوں تک کسی بھی آنچ کو پہنچنے نہیں دیتے۔ زندگی کے پلیٹ فارم پر بہت سے لوگ ملتے ہیں مگر کچھ اپنی یادوں کی وجہ سے انمٹ نقش چھوڑ جاتے ہیں' ذہن میں محفوظ رہ جاتے ہیں۔ رمیز بھی انہی لوگوں میں سے تھا۔

اسکول میں رمیز کو سب پسند کرتے تھے۔ کلاس فیلوز' فرینڈز' ٹیچرز اور وہ فخریہ کہا کرتا تھا کہ اس کی تربیت اور اس میں موجود خوبیوں کا سارا کریڈٹ اس کی مدر کو جاتا ہے۔ ایک دن وہ اپنے فرینڈز سے کہہ رہا تھا۔

"مجھے سنبھالنے اور میری تعمیر کرنے والے ہاتھوں میں محبت کی گرمی' ایثار کے جذبے موجود تھے' اس لیے ایک اچھی عمارت تعمیر ہونے کا امکان ہے۔ میں نے بہت ہی محبت کرنے والی اور خود کو فنا کرکے دوسروں کی خوشیاں سلامت رکھنے والی عظیم ماں کی گود میں پرورش پائی ہے۔ لوگوں کی نظر میں وہ ہماری اسٹیپ مدر ہیں مگر میں کہتا ہوں' ماں صرف ماں ہوتی ہے' سگی یا سوتیلی نہیں۔"

"ایسی مدر کہاں ہوتی ہے۔" عنوہ یاسیت سے کئی پہر سوچتی رہتی۔

اور کل شام اتنے سالوں بعد اس نے نیو فیشن بوتیک میں بالکل اچانک غیر متوقع رمیز کو دیکھ لیا تھا اور نا صرف دیکھا بلکہ اس میں ظاہری تبدیلیوں کے باوجود پہچان کے مراحل بھی طے کرلیے تھے۔ اس کے ساتھ ایک بزرگ خاتون اور ایک خوش شکل لڑکی بھی کھڑی کسی ڈریس پر دلائل دے رہی تھی اور بزرگ خاتون قدرے تحمل سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

"زرو ایسے کپڑے نہیں پہنتی' پھر لینے کا فائدہ' تم کچھ اور دیکھ لو۔"

"رمیز۔" اس نے کچھ جھجکتے ہوئے رمیز کو مخاطب کر ہی لیا تھا۔ وہ اپنا نام سن کر چونکا' پلٹا اور پھر ٹھٹک کر بغور اسے دیکھنے لگا۔ آنٹی اور لڑکی بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

"نہیں پہچانا۔" عنوہ نے مایوسی کے عالم میں دائیں

بائیں سر ہلاتے ہوئے پوچھا۔

"عنوہ۔" ایک دم ہی کچھ فلیش ہوا تھا۔ پونی ٹیل جھلاتی' روتی دھوتی گلابی گلابی سی بچی گھاس پر پھسکڑا مارے بیٹھی تھی۔ رمیز کو بہت کچھ یاد آگیا اور عنوہ کی یادداشت پر بھی شدید حیرانی ہوئی' جبکہ عنوہ اس کے منہ سے اپنا نام سن کر خوشی سے کھل اٹھی تھی۔

"تم نے مجھے پہچان لیا ہے رمیز۔" ایک بہت اچھا' پرانا اور گمشدہ دوست اچانک سامنے دیکھ کر فطری سی خوشی نے عنوہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

"یقیناً۔" رمیز نے مسکرا کر کہا اور پھر ماں کی طرف متوجہ ہو کر تعارف کی رسم نبھائی۔

"امی! یہ عنوہ ہے' مری میں ہم ساتھ تھے مگر یہ مجھ سے کافی جونیئر تھی۔ پہلی ملاقات میں یہ مجھ سے روتی دھوتی ملی تھی مگر وہ بات کافی پرانی ہے۔ اس عنوہ سے آج کی عنوہ مختلف لگ رہی ہے۔ خوش باش اور پراعتماد۔ امیزنگ یار! یہ کس کا کمال ہے عنوہ!"

"آپ نے تعارف کروایا ہے یا نہیں مطلع کیا ہے کہ عنوہ پہلے بہت رویا کرتی تھیں۔" ثمن نے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور قدرے تپ کر بولی۔

"میں ثمن ہوں' بدقسمتی سے ان کی بھانجی۔ اکثر اپنے جاننے والوں سے میرے ماما جان میرا تعارف کروانا بھول جاتے ہیں۔ مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔" ثمن نے بہت پرجوش انداز میں اس سے ہاتھ ملا کر کہا۔

"کیا کر رہی ہو آج کل؟" اب وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔

"فارغ۔" عنوہ نے ہاتھ جھاڑے اور اس کی طرف یوں دیکھا گویا کہہ رہی ہو۔

"تم لیڈیز بوتیک میں کیا کر رہے ہو؟" وہ کچھ بتانا چاہ رہا تھا' جب ثمن جھٹ سے بولی۔

"ارے آپ فارغ ہوتی ہیں' پڑھتی وڑھتی نہیں ہیں۔ میری نانو کہتی ہیں' خالی دماغ شیطان کا گھر ہوتا ہے۔ بے شک پوچھ لیں نانو سے۔ پاس ہی تو کھڑی ہیں۔" ثمن' رمیز کے آنکھیں دکھانے کے باوجود پٹر پٹر بول رہی تھی۔ شگفتہ بیگم کپڑوں کی طرف متوجہ تھیں۔

"میں نے ماسٹرز کیا ہے اور میری شادی ہو چکی ہے۔"

"ارے سچ۔" ثمن نے ایک دلفریب چیخ ماری۔ رمیز نے بھی اس کے پراعتماد انداز کو خوشگوار حیرت سے ملاحظہ کیا تھا۔

"آپ شاپنگ کرنے آئی ہوں گی یقیناً؟" ثمن نے اس کے ہاتھ میں موجود شاپنگ بیگ دیکھ کر اندازہ لگایا۔ وہ رانیہ کے لیے کچھ ڈریسز خریدنے کی غرض سے مارکیٹ آئی تھی۔

"ہوں۔ میں نے تقریباً" شاپنگ کرلی ہے' اب واپس جانے لگی تھی جب رمیز پر نظر پڑی۔ رمیز! آپ بھی بہت چینج ہو گئے ہیں۔" وہ بھرپور صحت مند نوجوان مرد کے روپ میں کھرا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"ماما! آپ انہیں نوائٹ نہیں کریں گے۔" چلبلی سی ثمن نے رمیز کو شوکا دے کر کچھ یاد کروانا چاہا تھا۔

"کیوں نہیں' نکاح تو سادگی سے ہو رہا ہے۔ البتہ ولیمہ کا کارڈ تمہیں مل جائے گا' اپنا ایڈریس تو بتاؤ۔"

"تمہاری شادی ہو رہی ہے' فنٹاسٹک۔" وہ خوشی سے بھرپور لہجے میں بولی تھی۔

"میں ضرور آؤں گی' تم ایڈریس نوٹ کرلو۔"

"عنوہ بیٹے! کتنے بچے ہیں آپ کے؟" شگفتہ بیگم اپنی خریداری مکمل کرکے اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔ عنوہ ان کے سوال پر بے حد جھینپ گئی۔

"ابھی تو نہیں ہیں۔" اس نے سرخ چہرے کے ساتھ سر جھکائے جواب دیا۔ انہوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولیں۔

"اللہ جلد گود ہری کرے۔ عورت ماں بن کر ہی مکمل ہوتی ہے۔" ان کے لہجے میں شفقت اور نرمی تھی۔ عنوہ حد درجہ متاثر ہوئی۔

www.pkdigest.com

"میری امی بہت گریٹ ہیں۔" بہت پہلے رمیز کے بولے گئے چند الفاظ ذہن کے پردے پر لہرائے تو عنزہ کو سچ مچ ان کے "عظیم" ہونے کا یقین آگیا۔ اس نے پہلی مرتبہ ایک سوتیلی ماں کا اپنے بچوں سے والہانہ انداز ملاحظہ کیا تھا۔

"یہاں تو اپنی کوکھ سے پیدا کرنے والی مائیں اولاد کو کسی "سزا" کی طرح قبول کرتی ہیں۔" اس نے تنفر سے سوچا۔

☼ ☼ ☼

"یہ نبیل نے تمہارے لیے موبائل دیا ہے۔" کرن ایک خوب صورت پیکنگ میں لپٹے موبائل فون کو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ سارہ یوں اچھل کر دو فٹ دور ہوئی گویا ریڈ کلر کے گفٹ پیک کی بجائے کوئی زہریلا خطرناک اژدھا ہو۔ اس کو کاٹنے، ڈسنے کے لیے بے تاب۔

"مم۔ مجھے۔ مگر کیوں۔۔۔؟" اس نے خوفزدہ انداز میں آنکھیں پھیلائیں۔ ایک سرسری سی ملاقات کے بعد یہ تحائف کا لین دین کم از کم اس کی سوچ سے بالاتر تھا۔ کرن کی سالگرہ میں اسے دیکھا تھا، بظاہر خوش شکل، شوخ اور ذہین۔ کھلنڈرا نوجوان۔ مجموعی تاثر اچھا تھا، مگر اب اس چیپ حرکت پر اسے اپنی سوچ میں ردوبدل کرنا پڑا۔ کچھ دیر ہنسنے بولنے کا شاید انعام تھا، گفٹ پیک۔

"اتنی انجان مت بنو، میری کزن کی راتوں کی نیندیں اڑا دی ہیں اور اب بھولی بن کر مجھے چکر دینے کے "چکر" میں ہو۔" کرن نے ہنسی دبائی تو سارہ کو غصہ آگیا۔

"اس کے منہ پر مارنا یہ تحفہ۔"

"اتنا ہینڈسم لڑکا کسی اور کو ایسی "آفر" کرتا تو شاید وہ لڑکی خود کو کچھ اور ہی مخلوق سمجھنے لگتی اور ایک تم ہو۔" کرن نے حد درجہ تاسف سے اسے گھورا تو وہ زیرِ خند ہوئی۔

"میں "ان" گھٹیا لڑکیوں میں سے نہیں ہوں۔" اس نے نوٹس بناتے ہوئے رکھائی سے کہا تو کرن اپنے لہجے کو بدلتے ہوئے بولی۔

"دوستی کی آفر ہی تو کی ہے اس نے، تم خوامخواہ غصہ کرنے لگی ہو اور فرینڈز کو گفٹ وغیرہ تو دیتے ہی رہتے ہیں۔"

"اول تو میں اسے اپنے دوستوں کی فہرست میں شامل ہی نہیں سمجھتی اور دوم دوستی کے لیے میرا معیار کچھ اور ہے۔" سارہ نے بے نیازی سے کہا تو کرن چبھتے لہجے میں بولی۔

"میں آپ کا "معیار" جاننا چاہ رہی ہوں۔"

"مگر میں آپ کو بتانا نہیں چاہتی۔ دیکھو کرن! ہم اچھی فرینڈز ہیں، تم کیوں ایک غلط بات پر مجھے قائل کرنے کی کوشش میں وقت ضائع کر رہی ہو۔ تم جس طبقے سے تعلق رکھتی ہو، وہاں ایسی باتیں معیوب نہیں سمجھی جاتیں، مگر میرا ماحول، تربیت اور ماں کی نصیحتیں جو مجھے گھٹی میں پلائی گئی ہیں، ان کا تقاضا یہ ہے کہ میں ان چھچھوری گھٹیا باتوں سے گریز کروں۔" وہ اس ایک سرسری ملاقات میں نبیل کی آنکھوں سے لپکتے پیغام کو سمجھ چکی تھی۔ اس نے بہت سوچا تھا، ہر پہلو کو سامنے رکھ کر آدھی رات تک جاگتی رہی اور اس کا نتیجہ انکار کی صورت میں سامنے آچکا تھا۔

وہ اپنی روایات سے بغاوت کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اگرچہ اچھی زندگی کے خواب کس کو برے لگتے ہیں، مگر یہ بھی نہیں تھا کہ وہ اپنی موجودہ زندگی سے بے زار تھی یا اپنے گھر کے مسائل، معاشی پریشانیاں اسے زہر لگتی تھیں بلکہ اپنی ماں کے "تفکر" کا احساس اسے اپنی دوسری بہنوں جتنا ہی تھا۔ بس وہ اظہار کے طریقوں سے نابلد تھی۔ کرن شاید اس کی باتوں سے قائل ہو چکی تھی، لہٰذا اس کے گال پیار سے تھپتھپا کر گفٹ اٹھائے واپس چلی گئی۔ سارہ نے اس آزمائش میں کامیابی پر اللہ کا شکر ادا کیا اور کتابوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔

وہ کرن کو جواب دے کر اور مایوس لوٹا کر ہلکی پھلکی ہو چکی تھی۔ ان کی دوستی پہلے طرح قائم دائم تھی۔ اکثر وہ کرن اور نادیہ کے ہمراہ پراٹھے اور آئس کریم پارلر تک چلی جاتی تھی، اسے اپنی دوستوں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا اچھا لگتا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس پر دقیانوسی خیالات کی مالک گنوار پن اور اجڈ لڑکی کا لیبل لگ جائے۔ وہ سب شوخ، چنچل، آزاد خیال لڑکیاں اسے تحقیر بھری نظروں سے دیکھیں اور اس کا مذاق بنانے کی کوشش کریں۔ اسے اپنی عزت نفس اور انا بہت عزیز تھی۔ بہت سے دن کوئی انوکھا واقعہ رونما ہوئے بغیر گزر گئے تھے، جب ایک دن کرن پھر سے نبیل کا پیغام لے آئی۔

"سارہ یار! وہ ایک مرتبہ تم سے ملنے کو بے چین ہے۔ وہ تم سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔ اس نے میری بہت منتیں کی ہیں کہ ایک مرتبہ میں تمہیں اس سے ملوا دوں۔ یار! میں بھی تو تمہارے ساتھ جاؤں گی، بات سن لینے میں کیا حرج ہے۔" وہ لجاجت سے کہہ رہی تھی۔

"سوری کرن!" وہ آخری سیڑھی سے اترتے ہوئے بولی۔

"میں اس سے ایک دفعہ بھی ملنے کی خواہش نہیں رکھتی۔" اس کا انداز حتمی تھا، گویا وہ مزید بات سننے کی خواہش نہیں رکھتی تھی۔ اب وہ دونوں گراؤنڈ میں آچکی تھیں۔ سنہری دھوپ کی حرارت نے قدرے پر سکون کیا تھا، ورنہ لائبریری میں تو مسلسل دانت بج رہے تھے۔

"تو گویا تم نبیل کے سامنے کمزور ہونے سے ڈرتی ہو۔ مان لو سارہ! کہ اس کی پرسنالٹی بہت چارمنگ ہے۔" کرن نے مختصر الفاظ میں بہت گہری بات کہہ دی تھی۔ چند لمحوں کے لیے سارہ بالکل گم سم سی رہ گئی۔

"میں اس کی باتوں کے سحر سے خوف زدہ ہوں۔" اس نے چپکے سے اعتراف کر لیا تھا، مگر بظاہر مضبوطی سے بولی۔

"ایسی بات نہیں۔"

"اوں۔۔۔ ہوں۔۔۔ اکیچوئلی، اتم اندر سے گیلی نرم مٹی کی طرح ہو چکی ہو، مگر ظاہر نہیں کر رہیں۔ تمہیں وہ اچھا بھی لگتا ہے اور اپنے ماحول اور اسٹیٹس کی وجہ سے اس سچائی کو تسلیم نہیں کرنا چاہتیں۔ اگر تمہیں وہ انتہائی ناپسند ہی تو کیوں بات اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ دیتا، اپنی نفرت کا اظہار اس کے منہ پر کرنا۔ میں مان جاتی کہ سارہ عبدالرحمن بہت سچی کھری اور مضبوط لڑکی ہے۔" کرن کی آنکھوں میں بھرپور چیلنج کی چمک دکھائی دے رہی تھی۔ سارہ کو ایکدم جلال آگیا تھا اور اس نے اس چیلنج کو قبول کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ آج کے دور کی سمجھ دار، باشعور اور پراعتماد لڑکی تھی، مگر اس کے ساتھ ساتھ اس میں جذباتیت بھی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اس نے اپنی جلد بازی اور غصے کی بدولت ایک غلط فیصلہ کر لیا تھا۔

"تعجب ہے لوگ میت پر روتے ہیں۔ جس کا جسم مردہ ہو چکا۔۔۔ بے حس، بے جان اور اس پر نہیں

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
زخم کو ضد تھی مسیحائی سے
فوزیہ یاسمین
قیمت۔۔۔ -/250 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

www.pkdigest.com

روتے۔ جس کا دل مردہ ہو جائے' اللہ کی یاد سے غافل رہنے والا مردہ ہی تو ہے۔ زنگ آلود' کھردرا' بے رنگ بے کار لوہے جیسا دل..... اور یہی دل کی موت ہی تو تشویش ناک ہے ورنہ جسم اور روح کی جدائی کا معاملہ تو سب کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ موت کوئی تکلیف یا پریشانی کا باعث نہیں۔ موت اللہ کی طرف سے مومن کے لیے تحفہ ہے۔ جنہوں نے قلم پکڑے ہیں وہ بھی غلط تو نہیں لکھتے۔" بابا صاحب کی آواز بیٹھک سے باہر تک آرہی تھی اور درمکنون کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

"اس تحفے سے اللہ مجھے کیوں نہیں نوازتا وہ تو جانتا ہے میرے اندر اب جینے کی تمنا نہیں رہی۔ پھر مجھے مزید آزمائش میں کیوں ڈال رکھا ہے۔ میں ان آتی جاتی بوجھل' پشیمان اور ندامتوں کے بوجھ سے بھاری سانسوں سے آزادی چاہتی ہوں۔ میری ان تھکی تھکی غمزدہ نم آنکھوں کو گہری پرسکون اور طویل نیند کی آرزو ہے۔ مجھے گہری نیند سونا ہے۔ ان آنکھوں میں رتجگوں کے عذاب اترے ہیں۔ صحراؤں کی ریت اڑ رہی ہے' اس قدر چبھن ہے۔ اتنی اذیت ہے۔ یہ وجود اب مٹی کا ڈھیر بن جانا چاہتا ہے۔ مجھے مٹی کی سوندھی باس اور گیلی گیلی پر نم خوشبو اپنی طرف بلا رہی ہے مگر بیچ میں نہ جانے روح اور جسم کا تعلق ٹوٹنے میں کتنا فاصلہ اور وقت درکار ہے۔

میں نے اندھیروں سے اجالوں تک کا کٹھن' طویل اور صبر آزما سفر طے کرلیا ہے۔ میں آج ایسے ہی بے خوف اور نڈر ہوں جیسے روشنی اور میٹھی' ٹھنڈی دودھیا چاندنی میں ہوتی ہوں۔ کیونکہ اب میں جان گئی ہوں' پہچان گئی ہوں اور اس حقیقت کو پالیا ہے میں نے کہ میرا پروردگار خاموشیوں میں' تنہائیوں میں' ظلمتوں کے بھیانک سائے میں بھی میرے ساتھ ہے۔ اس دل نے اب ظاہری اور نفسانی لذتوں سے منہ موڑ لیا ہے۔ اس مردہ دل میں اک نئی روح نے جنم لیا ہے۔ مردہ دلوں کے لیے تصوف مشکل ترین ہوتا ہے۔ اس لیے کہ تصوف روح کی غذا ہے۔ جس سے نفس باطل شرمندہ ہوتا ہے۔ دل زندہ ہوتا ہے اور روح باطن کی آنکھ سے دیکھنے والی بن جاتی ہے۔ تصوف سے انسان اللہ کا برگزیدہ بن جاتا ہے۔ نفسانی لذتیں زہر بھرے پیالے کی مانند لگتی ہیں۔" وہ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس نے بھی تصوف کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کہاں جانے کی تیاری ہے؟" وہ ابھی ابھی آفس سے آیا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ریڈ سوٹ میں ملبوس بنی سنوری سی عنوہ کو دیکھ کر زیان نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ سے مطلب؟" بال سلجھاتے ہوئے اس نے آئینے میں نظر آتے زیان کے عکس کو دیکھ کر کہا اور دوبارہ سے اپنے سنہری گچھے دار چمکیلے بالوں میں برش چلانے لگی۔ بھرپور ناراضی کے طور پر زیان کی طرف پشت بھی کرلی تھی۔ زیان کے لبوں کی تراش میں ایک خوب صورت مسکراہٹ چمک اٹھی۔ وہ دبے پاؤں دبیز کارپٹ پر دھیرے دھیرے چلتا ہوا عنوہ کے بالکل قریب آن پہنچا اور پھر اس کے نازک شانوں پر ہاتھوں سے دباؤ ڈالتے ہوئے قدرے آگے کی طرف یوں جھکا کہ نازک سی عنوہ اس کے پورے وجود میں گویا چھپ سی گئی تھی۔ اس نے بانہوں کی زنجیر سے بنا کر اسے اپنے حصار میں جکڑ لیا تھا۔ عنوہ نے مچل کر حصار توڑنا چاہا۔ زیان نے اس کا ارادہ بھانپ کر بازوؤں کے گھیرے کو مزید تنگ کرکے اسے خوب بھینچا تو وہ خفگی کے اظہار کے طور پر خواہ مخواہ چلانے لگی۔

"چھوڑیں مجھے..... ورنہ مار ڈالوں گی۔"

"تو مار ڈالو۔" زیان نے اپنا چہرہ اس کے گال سے رگڑا تو وہ تنتنا اٹھی۔

"مجھے چھونے کی ضرورت نہیں۔" عنوہ پھنکاری۔

"کیوں غصے سے بل کھا رہی ہو؟" اس نے ایک اور بھرپور شرارت کروالی تھی۔ عنوہ کو رونا آگیا۔

"یعنی میری خفگی' ناراضی کوئی معنی نہیں رکھتی۔" وہ دکھی دل کے ساتھ سوچ رہی تھی۔

"ارے... ارے یہ کیا... بن بادل کے برسات' عنوہ جان' جانم... کیا ہوا ہے؟" اپنے سینے پر آنسوؤں کی نمی اور وہ شفاف قطرے ہاتھوں پر گرتے محسوس کر کے وہ چونکا' ٹھٹکا اور پھر عنوہ کو اپنی طرف گھما ڈالا۔

"کیوں رو رہی ہو؟" زیان پریشان سا ہوگیا تھا۔ عنوہ کچھ نہیں بولی تھی۔ بس خاموشی سے آنسو بہاتی رہی۔

"بولتی کیوں نہیں' ہو کوئی تکلیف ہے؟ درد ہے؟ بی پی تو لو نہیں۔" وہ تفکر کے عالم میں اسے جھنجوڑ کر سختی سے بولا تھا مگر عنوہ نے رونے کا شغل جاری رکھا بلکہ اتنی توجہ پاکر مزید آنسوؤں میں روانی آگئی۔

"بتاتی کیوں نہیں ہو؟ کیا جان لوگی۔" وہ کس قدر پریشان لگ رہا تھا۔ عنوہ کو دل ہی دل میں حد درجہ خوشی محسوس ہوئی۔

"اچھا ہے... کچھ دیر ہوتے رہیں پریشان' مجھے اتنا انتظار کروایا ہے۔ اب میں بھی تھوڑی دیر تک یوں ہی ستاؤں گی۔"

"تمہاری ممی کا تو فون نہیں آیا؟" اب وہ رونے کی وجہ تک پہنچنا چاہ رہا تھا۔ عنوہ خاموشی سے سوں سوں کرتی رہی۔ زیان نے بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ آنکھیں رونے کی وجہ سے اور بھی شفاف اور گلابی مائل ہوگئی تھیں۔ ننھی سی ناک سرخ کرلی تھی اس نے رگڑ رگڑ کر... زیان نے اس کے شانوں سے ہاتھ ہٹائے اور پھر بلند آواز میں مس نینی کو بلانے لگا۔ عنوہ ایک دم گڑبڑا سی گئی۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں مس نینی کانپتی' لرزتی بیڈ روم میں داخل ہوئی۔

"کیوں رو رہی ہے یہ' کیا کوئی گھر میں آیا تھا یا پھر کسی کا فون آیا ہے؟" مس نینی کی بے وجہ ہی درگت بننے والی تھی۔ عنوہ فوراً" ہی سنبھل گئی۔ آنسو سرعت سے پونچھے اور مس نینی سے مخاطب ہوئی۔

"آپ جائیے مس نینی! میں ٹھیک ہوں۔ انہیں تو بس وہم ہو جاتا ہے۔" اس نے بے ربط انداز میں کہا تھا۔ مس نینی نے اجازت طلب نظروں سے زیان کی طرف دیکھا اور پھر جانے کا سگنل پاکر باہر نکل گئی۔ عنوہ اطمینان سے آنکھیں پونچھ رہی تھی۔

"اب بتاؤ کیوں مگرمچھ کے آنسو چھم چھم برسائے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" عنوہ چلائی اور پھر کلاک پر نگاہ پڑی تو اس کا پارہ مزید چڑھ گیا۔

"شرم نہیں آتی دیر سے گھر آتے ہوئے۔ صبح ایک سو بیس مرتبہ یاد دہانی کروائی تھی کہ شام کو جلدی تشریف لے آئیے گا۔ ایک فرینڈ کے ولیمے میں شرکت کرنی ہے مگر آپ....."

"او سوری یار!" زیان نے سر پر ہاتھ مار کر اپنے جھلکڑ پن کو کوسا اور پھر عنوہ کی طرف بغور دیکھنے لگا۔

"آپ جلدی سے تیار ہو جائیے۔ رمیز اور ثمن نے دو مرتبہ فون بھی کیا ہے۔" عنوہ وارڈ روب سے اس کے کپڑے نکالتے ہوئے بولی تھی۔ اب مزید ناراضی میں وقت ضائع کرنے سے بہتر تھا خود بخود ہی صلح کرلی جائے۔

"ایسا ہے عنوہ! کہ تم اکیلی ہی چلی جاؤ۔ آج ایک ہنگامی میٹنگ کی وجہ سے سارا دن مصروفیت رہی ہے۔ بچی بہت تھک چکا ہوں میں۔ بہت نیند آرہی ہے۔" زیان نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی اور جوتوں سمیت بیڈ پر ڈھے گیا۔

"تم ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤ۔ تمہاری خفگی کی وجہ سے اجازت دے رہا ہوں ورنہ دل تو نہیں چاہ رہا تمہیں اس وقت بھیجنے کو۔ گھر میں رہتیں۔ کوئی ہماری خدمت شدمت کرکے ثواب کماتیں۔"

"تو آپ نہیں جائیں گے۔" عنوہ نے مایوسی سے کہا اور دوبارہ سے وارڈ روب کھول کر کپڑے ہینگ کرنے لگی۔

"سوری جانم! غصہ مت کرنا۔ اچھے موڈ کے ساتھ ولیمے کی دعوت اڑا کر آؤ۔" وہ تکیہ منہ پر رکھ

www.pkdigest.com

چکا تھا۔ عنوہ نے بے دلی سے لائٹس آف کیں اور دھیرے سے دروازہ بند کرکے باہر آگئی۔ کوریڈور کے آخری سرے پر مس نینی کھڑی تھی۔ عنوہ اک لمحے کے لیے مس نینی کے قریب رکی اور بولی۔

"صاحب کھانا نہیں کھائیں گے۔ تھوڑی دیر بعد ان کے کمرے میں ٹھنڈا دودھ پہنچا دیجیے گا۔"

"اوکے میم۔" اس نے تابعداری سے سر ہلایا۔

عنوہ تیز تیز چلتی پورچ تک آئی۔ ڈرائیور پہلے سے ہی گاڑی نکالے منتظر کھڑا تھا۔ اسے آتا دیکھ کر بیک ڈور کھولنے لگا۔

ولیمے کی ارینجمنٹ مغل اعظم میں تھی۔

ولیمے کی دعوت چونکہ وسیع پیمانے پر تھی اسی لیے دونوں ہال کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ عنوہ کو ایک چیز بہت پسند آئی تھی۔ مردوں اور خواتین کا انتظام الگ الگ کیا گیا تھا۔ ثمن اسے دیکھتے ہی لپک کر آگئی۔ آج تو اس اول جلول حلیے والی ثمن کی سج دھج بھی دیکھنے کے قابل تھی۔

"عنوہ آپی! اتنی دیر سے آئی ہیں آپ' اور وہ بھی اکیلی۔ آپ کے ان کو دیکھنے کا بہت اشتیاق تھا۔"

"زیان بہت بزی تھے۔" اس نے شرمندگی سے کہا۔

"ننانوے فیصد عورتوں کی طرح جھوٹ مت بولیے وہ مصروف تھے انہیں کام تھا۔ بے چارے تھکے ہوئے تھے۔" ثمن کھلکھلائی تو عنوہ جھینپ سی گئی۔

"آیئے میں آپ کو اپنی پیاری سی ماہی سے ملواتی ہوں۔" ثمن اس کا ہاتھ تھامے اسٹیج کی طرف لے گئی تھی جہاں پیاری سی کامنی سی تیکھے نقوش اور گورے رنگ والی سجی سنوری سی شرمائی لجائی دلہن لڑکیوں کے جھرمٹ میں بیٹھی تھی۔

"ہٹیے ہٹو بھئی' ہمیں بھی دیکھنے دو۔" ثمن نے جھنجلا کر ایک دو لڑکیوں کو ٹھوکے دیے اور پھر زروہ کے قریب پہنچ کر بولی۔

"ماہی! ان سے ملیے یہ عنوہ آپی ہیں۔ ماما کی فرینڈ۔ اب ہماری بھی پکی فرینڈ بن چکی ہیں۔"

"بیسٹ وشز فار آلانگ اینڈ ہیپی میرڈ لائف۔" عنوہ نے اپنا ملائم ہاتھ اس کے نازک گداز حنائی ہاتھ کی طرف بڑھا کر نرمی سے دبایا اور بہت خلوص سے نیک تمناؤں کا اظہار کیا تھا۔ وہ زروہ کے برابر صوفے پر بیٹھ گئی۔

"آپ رمیز کی چوائس ہیں یا پھر اس کے گھر والوں کی؟" کافی دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس نے پوچھا۔

"یہ نمیرہ چوائس ہماری نانو کی ہے۔ پھر باقی سب کی بھی پسندیدگی شامل ہو گئی تھی۔" ثمن نے جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ وہ صوفے کے پیچھے کھڑی تھی۔ اسی پل دو خوب صورت لڑکیاں ایک ساتھ اسٹیج پر آئی تھیں۔ ان میں سے ایک نے بہت غور سے عنوہ کی طرف دیکھا۔ شاید پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ دراصل وہ کب سے زروہ آپی کے ساتھ محو کلام اس لڑکی کو نظروں کے حصار میں لیے ہوئے تھی۔

"کہاں دیکھا ہے میں نے انہیں۔" منیبہ مسلسل سوچ رہی تھی۔ لیکن آخر اس نے ذہن پر زور ڈالنا ہی چھوڑ دیا۔

"یہ زروہ ماہی کی بہنیں ہیں۔" ثمن نے ایک مرتبہ پھر اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"ہیلو۔ السلام علیکم۔" دونوں نے بیک زبان مختلف الفاظ ادا کیے۔ عنوہ نے دلچسپی سے سارہ اور منیبہ کو دیکھا۔ پھر ثمن نے ان سب سے عنوہ کا تعارف کروایا۔ زروہ کی امی' بہنیں' شگفتہ آنٹی' زرین اور اپنی تمام فرینڈز سے۔

"ارے یہ تو احمق ہے۔ تم کیوں اس کے ساتھ گھسٹتی جا رہی ہو۔" چونکہ مووی بن رہی تھی اسی لیے رمیز کو بھی بلوایا گیا تھا۔ جوں ہی وہ اسٹیج سے اترا عنوہ کو ثمن کی سہیلیوں کے جھرمٹ میں دیکھ کر چکرا گیا۔ وہ گھبرائی' بوکھلائی ان کے تابڑ توڑ سوالوں کے جواب دے رہی تھی۔ رمیز نے ان کے قریب آکر اچھا خاصا انہیں ڈپٹ کر کہا تھا۔ اور ساتھ اسے بھی گھرکا۔

"تم بس مروت میں ہی ماری جانا عنوہ! میں تو سوچ رہا تھا کہ تم بدل گئی ہو مگر تم تو بالکل پونی ٹیل جھلانے والی عنوہ ہو۔ ویسی ہی بامروت اور گھبرائی بوکھلائی سی۔ انہیں ٹکا کر دو تین جواب دو۔ خود بخود منہ بند ہو جائیں گے۔"

"رمیز! یہ مجھے ماڈلنگ کے مشورے دے رہی ہیں۔ اگر زیان یہاں ہوتا تو ان مشورے دینے والیوں کی خیر نہیں تھی۔" اس نے مسکراتے ہوئے رمیز کو دیکھا اور شادی کی مبارک باد دی۔

"تمہارے زیان صاحب نہیں آئے۔؟"

"اکچولی! ایک ایمرجنسی میٹنگ کی وجہ سے وہ آفس سے لیٹ آئے تھے۔ چونکہ تھکے ہوئے تھے اسی لیے میں نے زور نہیں دیا۔ تمہاری شادی کی پہلی دعوت ہماری طرف ہوگی میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔ تمہیں ضرور آنا ہوگا زروہ کو لے کر۔" اس نے زروہ اور رمیز دونوں کو خلوص سے انوائٹ کیا تھا۔ زروہ نے مسکرا کر ہامی بھری تھی۔ یعنی عنوہ نے اس کی مسکراہٹ سے اندازہ لگایا تھا کہ وہ اس کی دعوت قبول کر چکی ہے۔

"اللہ حافظ آنٹی!" وہ رمیز اور زروہ کو وش کرنے اور گفٹ اور کیش دینے کے بعد شگفتہ بیگم کی طرف بڑھ آئی۔

"جا رہی ہو بیٹے!"

"جی آنٹی! کافی ٹائم ہو گیا ہے۔ ساڑھے بارہ تو بج چکے ہیں۔ پوری زندگی میں پہلا لیٹ نائٹ فنکشن اٹینڈ کیا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے بتایا تو شگفتہ بیگم کے برابر بیٹھی فاخرہ بھی مسکرا دی تھیں۔

"اوہ بیٹی! ابا کے ساتھ آئی ہو یا بھائی کے ساتھ۔" خالہ قمری پان کی گلوری چپکے سے منہ میں رکھے قریب آگئی تھیں۔

"میں ڈرائیور کے ساتھ آئی ہوں۔"

"اتنی رات ہو گئی ہے۔ زیور گہنا پہن رکھا ہے۔ احتیاط سے جانا اور ہاں آیت الکرسی کا ورد بھی کرتی رہنا پورے سفر کے دوران۔" انہوں نے عادتاً سمجھایا تو عنوہ کو اس غیر عورت کی اپنے لیے فکر مندی بہت اچھی لگی تھی۔ اور جب وہ گاڑی میں بیٹھ رہی تھی تو اچانک کچھ فلیش ہوا۔

"آیت الکرسی کا ورد کرتی رہنا۔" عنوہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ان چند الفاظ نے اسے گویا اپنے سحر میں جکڑ رکھا ہے۔ وہ سحر زدہ سی انہی لفظوں میں کھوئی رہی۔

"کیا بہت ہی طاقت ہے ان لفظوں میں۔" اس نے حیرانی سے سوچا اور آیت الکرسی کو ذہن میں دہرانے لگی۔

گو بہت بچپن میں قاری صاحب سے لیا گیا سبق حافظے سے نکل گیا تھا مگر عنوہ کو ان چند لمحوں میں گویا جستجو بے تاب کر رہی تھی۔ ان لفظوں کو اپنی زبان سے ادا کرنے کے لیے وہ بے حد بے چین تھی۔ اسے گھر جا کر کچھ کتابوں کا مطالعہ کرنے کی جلدی تھی۔

☼ ☼ ☼

اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے قدم بے ساختہ نسوانی قہقہے اور گمبھیر مردانہ ہنسی کی آواز سن کر ٹھٹک گئے تھے۔

"زیان۔" اس کے لبوں سے اک سرد آواز نکلی "ساتھ کون ہے؟" وہ گیلی لکڑی کی طرح سلگنے لگی۔ شدید غصے کے عالم میں اس نے سٹنگ روم کے آبنوسی دروازے کی ناب گھمائی اور ہلکا سا دروازے کو پش کیا۔ سامنے کاوچ پر نیم دراز بے حیائی کا نمونہ ماریہ جلوہ افروز تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر رکھے صوفے پر زیان بیٹھا تھا۔ عین وسط میں رکھی گلاس ٹیبل پر محفل کے تمام لوازمات ترتیب سے رکھے تھے۔ عنوہ کے اندر آگ بھڑک اٹھی۔ اس نے خوب سانس کھینچ کر اس بدبو کو محسوس کیا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ بو کس چیز کی ہے۔ یوں بھی اس انتہائی غلیظ بدبو سے اس کی بچپن سے ہی آشنائی تھی۔ اس کی ماں کا یہ فیورٹ ڈرنک تھا۔

عنوہ کو اس پل :- جانے کیا ہوا۔ منہ پر ہاتھ رکھے

www.pkdigest.com

سسکیاں روکتی وہ بھاگتی ہوئی اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی۔ ضبط کی تمام تر طنابیں چھوٹ گئی تھیں۔ وہ بیڈ پر اوندھی لیٹ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

نہ جانے کتنے پل، کتنے لمحے اور کتنے گھنٹے بیت گئے تھے۔ جب کلک کی آواز سے دروازہ کھلا اور کوئی سست قدموں سے چلتا ہوا اس کے برابر بیٹھ گیا۔ عنوہ نے شدت گریہ سے سرخ آنکھیں کھول کر اپنے قریب لیٹے زیان کی طرف دیکھا جو نجانے کیا کیا بڑبڑا رہا تھا۔ ان تین مہینوں میں پہلی مرتبہ عنوہ نے اسے یوں مدہوشی کی حالت میں دیکھا تھا۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ زیان نے پینا پلانا چھوڑ دیا ہے مگر اس کے اکثر اندازے غلط ہی ثابت ہوتے تھے۔

"ماریہ تو سالوں سے بھڑکتی آگ کو پھر سے دہکا گئی ہے۔" زیان نے نفرت سے اونچی آواز میں کہا اور پوری قوت سے شرٹ کو اس طرح کھینچا کہ تمام بٹن ٹوٹ کر جا بجا بکھر گئے تھے۔ پھٹی ہوئی شرٹ کا گولا بنا کر اس نے کارپٹ کی طرف اچھال دیا تھا۔ عنوہ سمجھ رہی تھی کہ اسے بہت چڑھ گئی ہے مگر زیان پورے ہوش و حواس قائم رکھے ہوئے تھا۔ وہ بیڈ سے اٹھا اور بغیر لڑکھڑائے روم فریج سے ایک لیٹر کی پیپسی کی بوتل نکال کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ صرف تین منٹ میں اس نے پوری بوتل خالی کر کے اچھال دی تھی اور خود صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے پوری سرخ انگارہ آنکھیں کھولے عنوہ کی طرف دیکھنے لگا۔ جو حق دق سی مسلسل اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"عنوہ! تم گھبرا رہی ہو؟" وہ ہولے ہولے لرز رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں کی کپکپاہٹ زیان سے پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی۔ وہ یقیناً "بہت خوفزدہ سی دکھائی دے رہی تھی۔

"تمہیں مجھ سے ڈر لگ رہا ہے؟" زیان دھیرے سے مسکرایا۔ نہ جانے کیوں عنوہ کو یہ مسکراہٹ زخمی سی لگی تھی گویا بہت ہی مشکل مرحلے سے گزر کر محض کسی دوسرے کو بہلانے کی غرض سے مسکرا دیا۔

"تم جانتی ہو "خندہ مینا" کے کیا معنی ہیں۔" اب وہ بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔

اس کے سیاہ بالوں کی جڑوں میں سے اچھی خاصی ٹھنڈ کے باوجود پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ اس کی سفید صحت مند گردن پر بھی پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔

"تم کہاں جانتی ہو گی؟" وہ ہولے سے مسکرایا۔ ویسی ہی اذیت ناک زخمی سی مسکراہٹ۔

"ایسی باتیں اس ماریہ کو پتا ہوتی ہیں یا پھر دریہ کو معلوم تھا۔ تم جانتی ہو عنوہ! دریہ کو خندہ مینا کی آواز بہت پسند تھی۔ وہ مجھ سے زیادہ پیگ پہ پیگ چڑھاتی تھی۔ میں چٹخارہ رہ جاتا تھا مگر وہ پیے جاتی تھی۔ اسے شیشے کے گلاس میں شراب انڈیلتے وقت جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ بہت پسند تھی۔ صرف اس آواز کو سننے کے لیے وہ پیگ پہ پیگ بنائے جاتی۔ نہ جانے کیا کشش تھی اس آواز میں۔ اسے مجھ سے زیادہ شراب کی آواز سے دلچسپی تھی۔" وہ گردن سے پھسلتے پسینے کے قطروں کو ہاتھوں کی پشت سے پونچھتا کہہ رہا تھا۔ عنوہ کی الجھنوں میں ایک اور الجھن کا اضافہ ہو چکا تھا۔

www.pkdigest.com

"دریہ۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

"نہ جانے کتنی پرتیں ہیں تمہاری زیان! اتنے دبیز پردوں میں تمہاری ذات چھپی ہے۔" اس نے اذیت سے اپنے نچلے لب کو دانتوں سے چبایا یہاں تک کہ اک ننھی سی خون کی بوند ٹپک پڑی تھی۔

"نہ جانے میں کیوں اس کو یاد کر رہا ہوں۔ میری زبان پر اس ناپاک غلیظ دریہ کا نام آیا بھی کیسے؟" اب وہ حیرانی سے خود کو مخاطب کر کے دو چار گالیوں سے نواز رہا تھا۔

"بڑی بے شرم اور بے غیرت عورت تھی۔ میری روح کا ناسور۔ میری زندگی کا عذاب، پہلے میری محبتوں کا محور تھی پھر نفرتوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا اور اب میں نے اس نفرت کے پودے کو بھی جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے۔ اچھا کیا ہے نا عنوہ! اب دیکھو نا محبت ہو یا نفرت انسانوں سے کی جاتی ہے مگر میں تو سرے سے اسے انسانوں کی لسٹ سے خارج کر چکا ہوں۔ بلکہ وہ تو عورت بھی نہیں۔ اک خونخوار بلی

تھی۔ جس نے میری زندگی کے نو سالوں کا رس چوس لیا۔ اگر تم نہ ملتیں عنوہ! تو میں ... سانسوں کے اس کھیل کو ہی ختم کر ڈالتا۔" اب وہ اٹھ کر اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا تھا۔ پھر اس نے عنوہ کا ہاتھ تھامنا چاہا۔ مگر وہ چہرے پر دونوں ہاتھ رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ زیان اپنی دھن میں مگن کہہ رہا تھا۔

"وہ زہریلی ناگن تھی۔ کوبرے جتنا زہر تھا اس میں۔ میں نے ہاتھ لگایا اور نیل نیل ہو گیا۔ گندی عورت۔" وہ تنفر سے پھنکارا اور پھر اس کی طرف رخ کر لیا۔

"مگر تم ایسی نہیں ہو، سب سے مختلف ہو، سب سے الگ۔ بہت خالص، شفاف، بہت ہی پاکیزہ، مقدس۔ تمہیں خاص طور پر اللہ نے میرے لیے بنایا ہے۔ تم گوہر، موتی، لعل یا گلیم ہو۔ جی چاہتا ہے اک خوشبو سے بھری ڈبیا میں بند کر کے تمہیں اپنے دل کے نہاں خانوں میں چھپا لوں۔ تم جوہی ہو یا روبیل... یا پھر گل ماں ہو یعنی پھول کی جان... کسی پہاڑ کے بیچ وسط سے نکلنے والی آبشار، پانی کے صاف شفاف چادر ہو۔ ٹھنڈا ٹھنڈا گھنٹیاں بجاتا جھرنا ہو۔ میری روح کا اطمینان ہو۔ میرے دکھتے دل کو تمہاری قربت کی ٹھنڈک نے گلزار کر دیا ہے۔ عنوہ! میں تمہیں پا کر بہت خوش ہوں۔ مجھے لگتا ہے میں نے سارے جہان کی خوشیاں سمیٹ لی ہیں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں تم کیوں رو رہی ہو عنوہ!" وہ لرز رہی تھی کانپ رہی تھی۔ اس کے آنسو ایک تواتر سے بہہ رہے تھے۔ زیان چونک گیا تھا اور پھر نیند سے بوجھل، بمشکل آنکھیں کھولے اسے دیکھنے لگا۔

"تمہارے آنسو تو بہت قیمتی ہیں عنوہ!" وہ دھیرے سے بڑبڑایا۔

"رانیہ روئے، دریہ بھی روئے۔ دنیا کی ساری عورتیں دھاڑیں مار مار کر روئیں مگر عنوہ تم کبھی بھی نہ رونا۔ مجھے عورت کے آنسو وحشت میں مبتلا کر دیتے ہیں اور تمہارے آنسو مجھے تکلیف دیتے ہیں۔ جب تم روتی ہو تو میں پریشان ہو جاتا ہوں۔ میرا دل پریشان ہو جاتا ہے۔" زیان نے اس کے بھیگے گلابی چہرے کو ہاتھ سے چھو کر کہا۔ اس نے تنفر سے زیان کے ہاتھ جھٹکے اور خود کھسک کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ زیان کا منہ کسی مضبوط شے سے باندھ دے یہاں تک کہ اس کی آواز نہ نکلے۔

"تمہیں سمجھ آرہی ہے نا۔ اس کی سمجھ ہوتی ہی بری ہے۔ مجھے بھی اب اچھی نہیں لگتی مگر اس نے نہ جانے کون کون سے زخموں سے کھرنڈ اتار ڈالے ہیں کہ مجبورا" غم بھلانے کے لیے مجھے تھوڑی سی پینا پڑی ہے۔ یہ آخری مرتبہ پی ہے۔ اب کبھی نہیں لگاؤں گا۔ میں جانتا ہوں تمہیں ڈرنک کرنے والے لوگ برے لگتے ہیں۔ میں تمہاری نظروں میں صرف اچھا رہنا چاہتا ہوں۔ مگر سمجھو نا عنوہ! تمہاری ممی بھی تو چین ڈرنکر ہے۔ وہ بھی غم بھلانے کے لیے پیتی ہیں۔

تم تئیس سال اپنی ماں کے ساتھ رہی ہو اور تمہیں پتا بھی نہیں کہ تمہاری ماں بھی بہت روگی تھی۔ انہیں بھی محبت کی چاہ تھی۔ وہ بھی دریہ جیسی ہیں۔ بے حیا اور بدبخت۔ ان کے ماتھے پر بھی ندامت کے داغ ہیں۔ جنہیں وہ شراب کے نشے میں بہت رو کر دھونا چاہتی ہیں۔ بھلانا چاہتی ہیں۔ انہیں ضمیر کے کوڑے چین نہیں لینے دیتے۔ تمہیں پتا ہے، تمہاری ماں کو کس سے محبت تھی؟" وہ آنکھیں مسل کر نیند کو بھگانا چاہ رہا تھا۔ اب کے عنوہ چونکی تھی پہلی مرتبہ اس کے دل میں خواہش جاگی کہ وہ بولتا رہے۔ شاید کچھ راز کچھ بھید کھلنے والے تھے۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"تمہارے باپ سے ہاشم فریدی سے۔" وہ بہت زور سے ہنسا تھا۔

"تمہاری ماں کو ہاشم فریدی سے اس وقت محبت ہوئی جب وہ امبرین (گالی) کو اس کی خواہش کے مطابق طلاق دے کر ہمیشہ کے لیے کہیں چلا گیا تھا۔ سننے میں آیا تھا ہاشم فریدی نے خودکشی کر لی تھی۔" وہ خاموش ہوا تو عنوہ کو لگا اس کے دل کی دھڑکنیں بھی رکنے لگی ہیں۔

"بولو زیان! ورنہ میرا دل رک جائے گا۔" وہ چلا کر بولی تھی۔ زیان نے اس کی بڑبڑاہٹ نما التجا کو نہیں سنا تھا۔ اب وہ اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل سے پرفیوم اٹھائے خود پر اسپرے کر رہا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ دوبارہ سے بیڈ پر آبیٹھا۔

"اب تو سمجھ نہیں آرہی۔" وہ بہت معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔ عنوہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"تمہیں اپنی ممی سے بھی سمجھ آئی ہو گی۔ وہ تو بہت ڈرنک کرتی ہیں۔ اسموکنگ بھی کرتی ہیں۔" اس نے کنپٹیاں دبانا شروع کیں تو عنوہ نے میکانکی انداز میں قدرے اس کے قریب کھسک کر اپنے نرم ہاتھوں سے زیان کے سر کو دبانا شروع کر دیا۔

"تمہاری ممی کے سارے گناہ معاف' انہوں نے تمہیں میرے حوالے کر کے مجھ پر عظیم احسان کیا ہے۔ عورت کی وفا اور محبت پر یقین سا آنے لگا ہے۔" اپنی پیشانی پر عنوہ کے ہاتھ کا مہربان لمس محسوس کر کے اسے اپنی خوش قسمتی پر ناز ہونے لگا تھا۔

"دریہ اور تمہاری ممی میں ذرہ بھر فرق نہیں۔" اس کی ذہنی رو پھر سے بھٹک گئی تھی۔ عنوہ کا رواں رواں کان بن گیا تھا۔ اس نے سرگوشی نما آواز میں پوچھا۔

"دریہ کون تھی زیان!"

"ہے ایک بھولی بسری یاد عورت کے نام پر دھبا تھی۔" اس نے حقارت سے کہا اور آنکھیں موند لیں۔

"تمہاری ممی ایک جینٹلمین ڈرنکر ہے شرابی عورت' ایسی غلیظ کردار کی عورتوں کی کون عزت کرتا ہے۔ وہ جو تمہارا باپ تھا نا غیرت کے مارے دنیا سے پردہ پوش ہو گیا تھا۔ عجیب بات ہے نا دریہ تمہاری ماں جیسی اور میں تمہارے باپ جیسا۔" عنوہ کو یوں محسوس ہوا تھا کہ زیان کی آنکھیں بھیگ رہی ہیں۔ حالانکہ اس کی آواز میں ذرہ برابر آنسوؤں کی آمیزش یا لڑکھڑاہٹ نہیں تھی۔

"میرے تمہارے ساتھ بہت سے رشتے بنتے ہیں عنوہ! اسی لیے میں نے سوچا تمہیں امبرین جیسی عورت کے ساتھ نہیں رہنا چاہیے۔ اس لیے تو پروائی کے ساتھ تمہارے رشتے کی بات کرلی تھی۔ مجھے بروقت خبر پہنچی تو میں نے امبرین کو باتوں میں الجھا کر شیشے میں اتار لیا۔ مجھے بہت سالوں بعد پتا چلا تھا کہ میرے تمہارے ساتھ دوہرے تعلق ہیں۔ امبرین بھی جانتی تھی۔ بس تم بے خبر ہو۔ کتنی معصوم ہو تم۔ کتنی شفاف آنکھیں ہیں تمہاری۔ کتنے نرم ملائم ہاتھ ہیں تمہارے گویا روئی کے گالے۔ تم ایک مقدس راز کی طرح معلوم ہوتی ہو۔ میں نے تمہیں بہت چاہا ہے عنوہ! یوں لگتا ہے مجھے صرف تم ہی سے محبت تھی۔ تم ہی سے محبت ہے۔ باقی سب سراب تھے' وہم تھے تم ہی صرف حقیقت ہو۔ میری زندگی کا سب سے بڑا سچ۔" اب اس پر غنودگی طاری ہو رہی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ عنوہ کے زانوؤں پر سر رکھے گہری نیند سو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"صبح بخیر۔" وہ عنوہ کو واش روم' سٹنگ روم' ڈائننگ ہال ہر جگہ تلاش کرنے کے بعد کچن کی طرف آیا تو وہیں کرسی پر اسے بیٹھے دیکھ کر مسکراتا ہوا اندر آیا۔ وہ ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ جمائے سوچوں کے سمندر میں ڈوبی' بہت افسردہ سی بیٹھی تھی۔ زیان کو فریش اور مسکراتا کھلکھلاتا دیکھ کر حیران سی ہوئی۔ غیر ارادی نگاہ کلاک کی طرف اٹھی تھی۔ دن کے دو بج رہے تھے۔

"مس نینی! بریک فاسٹ ملے گا۔" وہ کپ بورڈ میں چاول اور دالوں کے جار ترتیب سے رکھتی مس نینی سے مخاطب ہوا تھا۔

"یس سر! مگر اب تو لنچ بھی ریڈی ہے۔"

"ٹھیک ہے' ابھی صرف انناس کا جوس دے دو۔" زیان سر ہلاتا اسے مکمل نظر انداز کرتا واپس بیڈ روم میں جا چکا تھا۔ مس نینی نے پندرہ منٹ میں جوس تیار کیا اور عنوہ کی طرف دیکھ کر بولی۔

"میم! آپ لے کر جائیں گی؟"

"مجھے کوئی شوق نہیں خدمتیں کرنے کا۔" اس نے

دل میں سوچا اور بظاہر مسکرا کر کہا۔

"آپ ہی لے جائیں میں ذرا لان میں جا رہی ہوں۔" وہ لان میں کچھ دیر بے مقصد ٹہلتی رہی اور مسلسل زیان کی ان تمام باتوں کو سوچتی رہی جو اس نے مدہوشی میں کہہ دی تھیں۔

"جو کچھ زیان نے ممی کے بارے میں کہا ہے یقیناً سچ ہو گا۔" وہ تھک کر نرم و ملائم گھاس پر بیٹھ کر لمبے سانس لینے لگی۔

"یہ دریہ کون ہے؟" اچانک خیال آنے پر وہ زیر لب بڑبڑائی۔

"شاید رانیہ کو اس کے بارے میں پتا ہو؟ مگر وہ بھلا مجھے کیوں بتائے گی۔ یہ لڑکی بھی ایک معمہ لگتی ہے۔" اس کی نگاہیں اوپر کو اٹھیں۔ سفید ریلنگ کے پیچھے ایک چہرے نے جھلک دکھائی تھی۔ یقیناً رانیہ اسے دیکھ کر پھر سے گوشہ نشین ہو چکی ہو گی۔

"اس لڑکی کا سارا دن کمرے میں بند رہ کر دل نہیں گھبراتا۔" وہ بے ساختہ ہی رانیہ کے بارے میں سوچے جا رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اسے رانیہ سے بے حد ہمدردی محسوس ہوتی تھی۔

وہ لاؤنج سے ہوتی ہوئی کچن کے قریب آرکی۔

"کوئی ڈش ٹرائی کر کے دیکھتی ہوں۔ مگر بناؤں گی کیا؟ مجھے تو کچھ پکانا آتا ہی نہیں۔" اس نے کھانا بنانے کا ارادہ ترک کیا بیڈ روم میں جانے کا سوچا۔ مگر زیان کی موجودگی کی وجہ سے وہ تذبذب کا شکار تھی۔ پھر کچھ سوچ کر وہ اندر داخل ہو گئی۔

"آیئے جناب! آپ کا ہی انتظار ہو رہا تھا۔" بڑے ہی خوشگوار لہجے میں کہا گیا تھا۔ عنوہ کو سخت غصہ آیا۔

"آپ کے ترکش میں جتنے بھی تیر ہیں۔ سب ایک ہی دفعہ آزما دیجیے میرے ناتواں دل میں۔ کیوں قسطوں میں مارنا چاہتے ہیں۔" اس کی آنکھوں سے دھواں سا نکلنے لگا تھا۔ وہ بیڈ روم پر اک طائرانہ نگاہ ڈال کر پھیلاوا سمیٹنے لگی۔

زیان گھر میں موجود ہو تو پھر کوئی چیز اپنے ٹھکانے پر نظر نہیں آسکتی تھی۔ زیان چونک سا گیا۔ اس کے لہجے میں چھپے طنز کو وہ با آسانی سمجھ چکا تھا۔ وہ یقیناً گزری رات کا حوالہ دے رہی تھی۔

"میں نے نہ جانے کیا کیا بکواس کی ہو گی۔ دھت تیرے کی زیان خبیث سنبھل جا اب خیر نہیں۔ موڈ تو کافی بہتر لگتا ہے مگر طعنے تشنے سہنے کی تیاری کر لینی چاہیے۔" اس نے سوچتے ہوئے سر جھٹکا اور گلا کھنکھارتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"آپ کون سے تیروں کا ذکر فرما رہی ہیں؟"

"میری ممی' رانیہ اور اپنی زندگی کے جتنے ابہام ہیں ایک ہی دفعہ واضح کر دیں۔ تمام حقیقتوں سے پردہ اٹھا دیں تاکہ جو میرے اندر اضطراب اور بے چینی ہے اسے تو کنارہ ملے۔" اس نے سگریٹ کے ٹکڑوں سے بھری ایش ٹرے ڈسٹ بن میں الٹی۔ اور ٹیبل کو اچھی طرح رگڑ رگڑ کر صاف کیا۔

"یہ کون سے بے ہودہ کلام کر رہی ہو؟" زیان نے ناگواری سے ٹوکا۔ عنوہ دلجمعی سے میز صاف کرتی رہی۔ پھر ہاتھ دھونے واش روم میں چلی گئی۔ واپس آئی تو زیان کو گہری سوچوں میں گم پایا۔

"اس کلموہی' واہیات ماریہ کے آنے سے آپ کی تمام تر تھکاوٹ دور ہو گئی تھی اور میں نے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا تو سخت نیند کا بہانہ بنا کر مجھے ٹال دیا تھا اور میرے جانے کے بعد اس لومڑی کو گھر بلوا کر محفل فرمانے لگے۔" عنوہ نے گہرے کاٹ دار لہجے میں کہا تو زیان کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"میں نے اس کلموہی' واہیات ماریہ کو نہیں بلوایا تھا بلکہ وہ خود ہی آفس کی کوئی فائل لے کر آئی تھی۔ الٹا میرا بھیجا کھاتی رہی۔ منحوس نے ایسا دل جلایا ہے کہ ابھی تک دھواں نکل رہا ہے۔ رو رہا ہوں اس وقت جب اس کے ساتھ پارٹنر شپ کا فیصلہ کیا تھا۔ حشام کے سمجھانے کے باوجود۔"

"آئندہ اس گھر میں شراب' شباب کی کوئی محفل سجائی تو ہر شے کو آگ لگا دوں گی۔" عنوہ نے وارننگ دینے والے انداز میں سختی سے کہا تو زیان نے اس کلائی پکڑ کر قریب بٹھایا اور بولا۔

www.pkdigest.com

"میں لعنت بھیجتا ہوں شباب 'شراب پر اور تم بھی ایک دفعہ جانے دو' آپ صرف اتنا بتاؤ نشے میں کچھ الٹا سیدھا تو نہیں بول دیا تھا میں نے۔"

"آپ میری ممی 'پاپا کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟ پلیز زیان مجھ سے کچھ مت چھپائیے گا۔ میں رات بھر جاگتی رہی ہوں۔ آپ نے میرے پاپا کا ذکر کر کے میرے اندر کب سے کنڈلی ماری حسرتوں کو جگا دیا ہے۔ والدین کا ساتھ 'ان کا شفقت بھرا سایہ کتنا ضروری ہوتا ہے۔ ایک محبت بھرا ماحول اور پیرنٹس کی سچی توجہ و محبت کیا معنی رکھتی ہے۔ یہ کوئی مجھ سے پوچھے۔ ایک ٹوٹے خاندان کے بچے کی شخصیت بہت سے حصوں میں بٹی ہوتی ہے اور ماں جس کے دم سے گھر بنتا ہے اگر اس کی زندگی کے شرمناک پہلو آپ کی زندگی کے ساتھی کو معلوم ہوں تو پل پل ایک نہ ختم ہونے والی اذیت رگوں میں اترتی محسوس ہوتی ہے۔ آپ شاید میرے احساسات تک نہیں پہنچ سکتے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں خودکشی کرلوں۔" اس نے ایک دم زیان کے شانے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا تھا۔ زیان نے بوکھلا کر اسے بہت نرمی اور محبت سے اپنی بانہوں میں سمیٹا۔

"لعنت ہو تم پر زیان عبث! نہ جانے کیا کیا بکتے رہے ہو۔" اس نے خود کو لعن طعن کرتے ہوئے عنوہ کے آنسو پونچھے۔

"عنوہ جان! تمہیں اتنا حساس ہونے کی ضرورت نہیں۔ بھاڑ میں گئیں ممی 'خبردار جو تم نے آنسو بہائے۔ ایسی ماؤں کو تو شوٹ کر دینا چاہیے۔ اگر تم بہت سی محرومیوں کا شکار رہی ہو تو ادھر بھی معاملہ ویسا ہی تھا۔ یوں سمجھو میں تمہاری ممی کو جانتا تک نہیں۔ ہمارے پیرنٹس نے ہمیں کچھ بھی نہیں دیا مگر ہم اپنے بچوں کو بہت کچھ دیں گے اب تم اور کتنا انتظار کروانے کے چکر میں ہو۔ سنا دو ہمیں بھی کوئی خوشخبری کان ترس گئے ہیں مگر کسی اچھی خبر کے دور دور تک آثار نظر نہیں آرہے۔" اس کا انداز بڑا ہی بھرپور گدگدانے والا تھا۔ عنوہ کو ڈھیروں شرم نے آن گھیرا

کسی ننھے منے بچے کی قلقاریاں۔ اس کی معصوم سی مسکان 'دودھ میں بھیگے گلابی ہونٹ خوابوں کا اک جہان اس کی سنہری آنکھوں میں آبسا تھا۔

☆ ☆ ☆

ایک ہفتے بعد شگفتہ بیگم کے نہ چاہنے کے باوجود زرین نے زروہ کا ہاتھ کھیر میں ڈلوا کر گویا رسم پوری کی اور نیا ارشاد بھی ساتھ ہی جاری کر دیا۔

"اپنی گھر گرہستی خود سنبھالو بہو! امی سے اب چولہا چوکی نہیں سنبھالا جاتا اور کام والیوں کے ہاتھ کا پکا نہ تو امی کو پسند ہے نہ رمیز کو۔"

"جی اچھا آپا!" اس نے تابعداری سے سر ہلایا۔ وہ خود بھی فارغ بیٹھنا پسند نہیں کرتی تھی۔ پورے گھر کا جائزہ تو وہ پہلے بھی لے چکی تھی۔ تین منزلوں پر مشتمل یہ کوٹھی جدید اور قدیم طرز کا اچھا خاصا نمونہ تھی۔ باقی گھر کی تو قدرے بہتر حالت تھی۔ رانی صفائی 'دھلائی وغیرہ کر دیتی تھی البتہ کچن میں آکر اس کا دماغ اچھا خاصا گھوم گیا تھا۔ اس قدر گندگی اور بے ترتیبی! ان کا گھر اگرچہ بہت چھوٹا اور معمولی سا تھا مگر صفائی ستھرائی کی وجہ سے سب میں ممتاز نظر آتا تھا۔ اپنے اردگرد کے تمام مکانوں میں زروہ کو اپنا صاف ستھرا مکان ماں کی سلیقہ مندی کا منہ بولتا ثبوت لگتا تھا۔ یہی نفاست فاخرہ نے سب بچیوں کو گھٹی میں گویا پلا دی تھی۔ صفائی نصف ایمان ہے اس بات پر ان کا پورا پورا یقین تھا۔ زروہ کے چہرے پر ایسے تاثرات ابھرے تھے کہ شگفتہ بیگم قدرے شرمندہ سی ہو گئیں۔

"بیٹی! اصل میں زرین کا اکثر بی پی ہائی رہتا ہے اور میں بھی گھٹنوں کے درد کے باعث بالکل ناکارہ ہو گئی ہوں اور رہ گئی ثمن تو آج کل کی بچیوں کا تو کچن کے نام سے ہی جی گھبرانے لگتا ہے۔۔۔۔ اسی لیے۔"

"امی! پلیز آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ میں نے کچھ کہا تو نہیں ابھی دیکھیے گا میں کیسے ہر شے چمکا دوں گی۔" زروہ ان کے شرمندہ انداز پر خود بھی شرمندہ ہو گئی تھی۔ پھر جو اس نے کمر کسی تو شگفتہ بیگم کے منع

www.pkdigest.com

کرنے کے باوجود کچن کی حالت بدل کر رکھ دی۔ مگر اس کی اپنی حالت پہچانی مشکل ہو رہی تھی۔

آج ڈنر پر خوب اہتمام کیا تھا اس نے۔ مونگرے گوشت 'کچے قیمے کے کباب 'چائنیز پلاؤ 'میتھی اور پالک کی بھجیا اور میٹھے میں کھوئے کی پڈنگ۔ وصی اور ثمن کی تو گویا عید ہو گئی تھی۔ رمیز نے بھی ستائشی نظروں سے میز کی طرف دیکھا اور زروہ کے نکھرے روپ کو دل ہی دل میں سراہا۔

"مامی! جیو ہزاروں برس۔" وصی نے نعرہ لگایا تھا۔

"ہائے۔۔۔ بڈھا تو نہ دو۔" زروہ نے مصنوعی خفگی سے کہا تو ثمن قل قل ہنسنے لگی تھی۔

"مونگرے گوشت خالہ کے بہت فیورٹ ہیں۔ کیا خیال ہے انہیں لے نہ آؤں۔" امی نے نانو کی طرف دیکھ کر کہا تو انہوں نے بخوشی اجازت دی اور بولیں۔

"شکر ہے میرے بچے کو بھی نیکی کا خیال آیا۔" کچھ دیر بعد خالہ بھی آگئی تھیں اور ڈنر بہت ہی خوشگوار ماحول میں کیا گیا۔

"رمیز! شکرانے کے نفل پڑھ۔۔۔ کیسی نیک صورت 'نیک سیرت بیوی ملی ہے۔ عورت گھر بنانے والی ہو تو مرد کے بھاگ جاگ اٹھتے ہیں۔" خالہ نے نہال ہو کر زروہ کا ماتھا چوما۔

"ایسی نیک صورت 'نیک سیرت خاتون میرے لیے بھی ڈھونڈ لیں۔ ابھی سے ہی کوشش کریں گی تب ہی گوہر مطلوب ملے گا نا۔" وصی کی زبان پر کھجلی ہونے لگی تھی۔ خالہ نے اسے محبت بھری دھپ لگائی۔

"تو فکر نہ کر۔ میری نظر میں ہے ایک لڑکی۔"

"ہائے۔۔۔ خالہ! کون ہے وہ بتائیے نا۔" ثمن اور وصی تو پیچھے ہی پڑ گئے تھے۔ زرین کب سے دیکھ رہی تھی مگر خاموش صرف خالہ کی وجہ سے تھی جن کے سامنے بول کر بے عزتی کروانے کا کوئی شوق نہیں تھا اسے۔ ویسے بھی خالہ کے سامنے کس کی چلتی تھی۔

اگلے دن رمیز آفس جانے لگا تو زروہ نے میکے جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔

"آج جانا ضروری ہے۔۔۔ کل چلی جانا۔"

"میں امی سے بھی اجازت لے چکی ہوں۔" زروہ نے ٹھنک کر کہا۔

"اوکے 'ریڈی ہو جاؤ۔۔۔ تمہیں آفس جاتے ہوئے چھوڑ جاؤں گا اور واپسی پر تیار رہنا۔ ماش کی دال کی طرح اینٹھنے کی ضرورت نہیں۔" رمیز نے وارننگ دینے والے انداز میں کہا تو زروہ نے خوشی کے عالم میں چادر اوڑھی 'پرس پکڑا۔۔۔ سینڈل پہن کر بالکل تیار ہو کر آئینے میں خود کو دیکھا اور رمیز کے پیچھے باہر نکل آئی۔

"اوہو رمیز! مجھے یاد نہیں رہا آپ کو بتانا کہ عنوہ کا فون آیا تھا۔ وہ ہمیں ڈنر پر انوائٹ کر رہی تھی۔" گاڑی میں رمیز کے برابر بیٹھ کر زروہ نے اچانک خیال آنے پر اسے بتایا تھا۔

"ہوں 'چلیں گے کسی دن۔" رمیز نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

"عنوہ آپ کی فرینڈ ہے؟"

"مری میں ہم ساتھ تھے اس وقت میں اے لیول کر رہا تھا جبکہ یہ تو ففتھ اسٹینڈرڈ میں ہو گی شاید۔ پھر میں تو آپا کے ہزبینڈ کی ڈیتھ کے بعد ادھر آگیا تھا۔ اس کے بعد ہمارا کوئی رابطہ نہیں رہا بیچ کے سالوں میں۔ تمہیں مزے کی بات بتاؤں شادی سے ایک ہفتہ پہلے میری عنوہ سے اتفاقاً" ملاقات ہوئی تھی اور مجھے ابھی تک حیرانی ہے کہ اس نے مجھے پہچان کیسے لیا ہے۔"

"بہت اچھی نیچر کی لڑکی ہے۔" زروہ نے اس کی نرم طبیعت کی تعریف کی۔

"بروکن فیملیز کے بچے یا تو اپنے ماحول سے متنفر ہو کر بگڑ جاتے ہیں یا سنور جاتے ہیں۔ عنوہ دوسری طرح کے لوگوں میں شمار ہوتی ہے۔" رمیز نے احتیاط سے موڑ کاٹا اور زروہ کو گاڑی سے اتر کر گھر تک چھوڑنے آیا۔

"آپ اندر نہیں آئیں گے۔"

"نہیں' ابھی تو میں لیٹ ہو جاؤں گا۔ واپسی پر بیٹھیں گے کچھ دیر کے لیے او کے تم اپنا خیال رکھنا اور شام کو تیار رہنا۔" رمیز واپس چلا گیا تھا اور وہ رمیز کو اس وقت تک دیکھتی رہی تھی جب تک وہ گاڑی میں بیٹھ کر چلا نہیں گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آغا کے گھر میں نہ جانے کون لڑکی رہنے کے لیے آئی ہے۔" بیگم افراسیاب نے اخبار میں گم شوہر کو مخاطب کیا تھا۔

"ہوں... مجھ سے کچھ کہا ہے آپ نے۔" خان افراسیاب نے چونک کر بیگم کے بگڑے تاثرات والے چہرے کی طرف دیکھا۔

"نہیں' دیواروں سے باتیں کر رہی ہوں۔" پلوشہ بیگم جل کر بولی تھیں۔

"آغا کے گھر میں تو اکثر و بیشتر مہمان آتے رہتے ہیں۔ اور پھر اس کے اسکول کی ٹیچرز کا بھی آنا جانا لگا رہتا ہے۔ تم کس کی بات کر رہی ہو۔" انہوں نے لاپروائی سے اخبار سمیٹ کر چشمہ بھی اتار کر میز پر رکھا۔

"میں اس لڑکی در مکنون کی بات کر رہی ہوں۔" پلوشہ بیگم کے لہجے میں خدشات بول رہے تھے۔ جوان بیٹیوں کی ماؤں کو اکثر ایسے خدشے لاحق رہتے ہیں خصوصاً" جب کوئی اچھا لڑکا بھی بطور داماد کے نظر آ رہا ہو۔ عیشہ کے بھی کان کھڑے ہو گئے تھے۔

"در مکنون۔" وہ زیر لب بڑبڑائے تھے۔

"ہاں آغا ذکر تو کر رہا تھا اس بچی کا۔ بڑی نیک اور بھلی طبیعت کی لڑکی ہے۔"

"میں نے اس کی اچھائیوں کے قصے سننے کے لیے نہیں بات چھیڑی۔" انہوں نے بھنا کر کہا۔

"آپ ذرا ڈھکے چھپے لفظوں میں بات کریں آغا سے اپنی عیشہ کے لیے۔ عبدل مجھے بہت پسند ہے۔ ایسے ہیرے لڑکے کہاں ملتے ہیں۔"

"معیل بھائی سے۔" عیشہ ٹھٹک سی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے کچن میں داخل ہو کر کوکنگ رینج پر رکھے کوکر اور فرائنگ پین کے ڈھکن اٹھا اٹھا کر تمام لذیذ کھانوں کا جائزہ لیا اور پھر مطمئن سی ہو کر مس نینی کے ساتھ کھانا ٹیبل پر لگانے لگی تھی۔ آج حشام نے ان کے ساتھ ڈنر کرنا تھا مگر فیکٹری میں اچانک کچھ مسئلہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے زیان نے اسے فون کر کے آنے سے منع کر دیا تھا اور اسے فیکٹری بھیج دیا۔

"کیا مطلب؟ حشام بھائی نہیں آئیں گے۔" عنوہ نے زیان کی گفتگو سے اندازہ لگایا۔

"میں نے اسے فیکٹری بھیج دیا ہے۔ چند ورکرز کا آپس میں جھگڑا ہو گیا ہے۔ شاید ایک دو شدید زخمی بھی ہوئے ہیں۔" زیان نے موبائل آف کر کے چیئر گھسیٹی اور عنوہ کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"پھر تو پولیس کیس بن جائے گا۔" اس نے فکر مندی سے کہا۔

"حشام سنبھال لے گا۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔ ایسے چھوٹے موٹے مسئلے ہوتے ہی رہتے ہیں۔" اس نے چائنیز فرائیڈ پلاؤ کی ڈش اپنی طرف کھسکائی۔ معمول کے مطابق اس نے پہلے عنوہ کے پلیٹ میں چاول ڈالے۔ وہ اسی طرح وقتاً" فوقتاً" اس کی پلیٹ میں کچھ نہ کچھ رکھتا رہتا تھا بقول زیان کے وہ کھانے پینے کے معاملے میں حد درجہ لاپروا تھی۔

"آج حشام تم سے ایک ضروری بات کرنے کے لیے آنا چاہ رہا تھا مگر لگتا ہے بے چارے کی قسمت ٹھنڈی ہے۔" زیان نے پلیٹ پر جھکی عنوہ کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ چونکی۔

"کون سی بات؟"

"اکھجو ٹی لوہ حنا کو پروپوز کرنا چاہتا ہے۔"

"ہائے... سچ۔" عنوہ کھلکھلا اٹھی۔

"بالکل سچ۔" زیان نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ یعنی عنوہ کی ایکسائٹمنٹ دیکھ کر اسے بات بن جانے کا سگنل مل چکا تھا۔

"تو پھر حشام بھائی اپنے پیرنٹس کو حنا کے گھر بھیجیں گے۔ مگر اس سے پہلے میں حنا کی رائے لوں گی۔ ابھی کرتی ہوں اسے فون۔" وہ خوشی سے چہک رہی تھی۔

"کتنی سمجھ دار ہو گئی ہو عنوہ تم میرے ساتھ رہ کر۔" زیان نے اسے چڑایا۔

"کیا میں پہلے احمق تھی۔"

"ہاں کچھ کچھ۔" وہ مزے سے بولا۔

"آپ حشام بھائی سے کہیں اپنے ممی پاپا کو حنا کے ابو کے پاس تو بھیجیں۔ باقی معاملات تو ہوتے رہیں گے۔"

"بھئی حشام کی طرف سے تمہیں پرپوزل دینا ہو گا۔" وہ نیپکن سے ہاتھ پونچھ کر اٹھتے ہوئے بولا تھا۔

عنوہ بھی زیان کو اٹھتے دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔

"کھانا تو کھاؤ۔" زیان نے اسے باہر نکلتے ہوئے ٹوکا۔

"کھا چکی ہوں۔" اس کی بھوک تو ویسے بھی اڑ چکی تھی۔ حنا اس کی بہت اچھی فرینڈ تھی اور حشام جیسا ہینڈسم نوجوان اگر اسے پروپوز کر رہا تھا تو اس کی اکلوتی دوست ہونے کے ناتے عنوہ کا خوش ہونے کا پورا پورا حق بنتا تھا۔

"کھاتی کہاں ہو۔ سو سمجھتی ہو' اتنی کم خوراک' تو چڑیا کا بچہ کھاتا ہو گا۔"

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے اپنی ڈائٹ کا بھی خیال رکھنا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے گوشت کا پہاڑ بن جاؤں اور آپ کو ایک اور شادی کرنے کا موقع فراہم کر دوں۔" عنوہ اپنے بیڈ روم میں آ کر دھپ سے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"اچھا' تو اس لیے تم خود کو فٹ رکھنا چاہتی ہو۔" زیان کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

"تو اور کیا؟" اس نے سادگی سے کہا اور تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔

"دراصل میں چند دن پہلے رمیز کے گھر گئی تھی۔ انہیں انوائٹ کرنے کے لیے وہیں رمیز کی ایک خالہ جان سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ رمیز کی مسز زدہ کو مشورے دے رہی تھیں شوہر کو مٹھی میں کرنے کے۔ میں نے بھی ان کی باتیں ذہن نشین کر لی تھیں۔"

"مثلاً" کس قسم کے مشورے۔" زیان نے دلچسپی سے پوچھا۔

"یہی کہ عورت کو اپنے شوہر کے لیے ہر وقت بنی سنوری رہنا چاہیے۔ ورنہ باہر کی بھوتنیاں چمٹ جاتی ہیں۔" اس کی آنکھوں کے سامنے ماریہ کا چہرہ آ گیا تھا۔

"بہت ہی بے حیا ہے ماریہ! مردوں کو بہکانے کے لیے فضول قسم کی ڈریسنگ کرتی ہے اور پھر زیان جیسے شاندار بندے کے ساتھ کی خواہش بھی ہو گی یقیناً" اسی لیے بن سنور کر آگے پیچھے پھرتی رہتی ہے۔ مگر میں اس چڑیل کے دام میں زیان کو پھنسنے نہیں دوں گی۔"

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کیلئے خوبصورت ناول
یہ گلیاں یہ چوبارے
فائزہ افتخار
قیمت...-/250 روپے
اِک نکتۂ ایمان
سعدیہ حمید چودھری
قیمت...-/250 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

www.pkdigest.com

مسلسل سوچتے ہوئے منہ کے زاویے بھی بگاڑ رہی تھی۔ زیان نے کھنکار کر اسے اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو وہ ایکدم چونک سی گئی۔

"خالہ جان نے تمہیں اور کیا کیا پٹیاں پڑھائی ہیں۔" زیان کے پوچھنے پر وہ جوش سے بتانے لگی۔

"ان کا نام قمرالنساء ہے۔ سب انہیں قمری خالہ کہتے ہیں۔ اتنی پیاری اور میٹھی باتیں کرتی ہیں۔ پتا ہے زیان! انہوں نے اچانک مجھ سے پوچھا کہ میں نماز پڑھتی ہوں۔ سچی مجھے اتنی شرمندگی ہوئی کہ حد نہیں۔ شکر ہے اس وقت میں اور خالہ اکیلی بیٹھی تھیں۔ زروہ اور آنٹی نماز پڑھنے جا چکی تھیں۔ پھر جب میں نے سچ بولا اور خالہ کو بتایا کہ مجھے نماز نہیں آتی تو انہوں نے میرے سر پر بوسہ دیا۔ سچ بولنے کے انعام کے طور پر مجھے نماز پڑھنا سکھائی۔ اپنے پاس سے وہ تین اسلامی کتابیں بھی بطور گفٹ دی ہیں۔ مجھے تو ان کی باتوں نے بہت لطف دیا ہے۔ اسی لیے آج میں نے پانچوں نمازیں پڑھی ہیں اور میں آج بہت خوش اور مطمئن ہوں اور اس بات پر بہت رنجیدہ بھی کہ میں زندگی کے اتنے سال اس لذت سے محروم رہی ہوں۔ زیان! کیا آپ کو نماز پڑھنا آتی ہے۔ مثلاً" قیام، رکوع اور سجدے میں کیا پڑھتے ہیں؟" اس نے قمری خالہ کی طرح بالکل اچانک اس پر گھیرا تنگ کیا تھا۔ زیان جو بغور اس کی باتیں سن رہا تھا ایک دم گڑبڑا گیا۔

"ہاں۔۔۔ نہیں تو۔"

"اف۔ تو چلیں میں آپ کو سکھاؤں گی۔ آپ ایسا کریں، پہلے وضو کر کے آئیں کیا وضو آتا ہے؟ نہیں آتا ہوگا۔ پہلے وضو کرنا سکھاتی ہوں۔ ذرا بھی مشکل نہیں میں نے تو دو منٹ میں سب ذہن نشین کر لیا تھا۔" وہ جوش کے عالم میں بیڈ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"ابھی بھی۔"

"عنوہ! کل سے پڑھیں گے نماز۔" زیان گھبرا کر بولا تھا۔

"مگر آج کیوں نہیں۔" وہ بضد ہوئی تھی۔

"ابھی باہر چلتے ہیں۔ لانگ ڈرائیو کا مزا ہمیشہ رات کو آتا ہے۔" زیان نے اسے لالچ دینا چاہا تھا۔ مگر وہ اس کی باتوں میں نہیں آئی تھی۔

"پہلے نماز پڑھ لیں پھر باہر چلیں گے۔ میں آپ کو ضرور نماز سکھاؤں گی۔"

"اچھا! ابھی رہنے دو۔۔۔ کل فجر کی پڑھ لوں گا۔"

"مگر عشا کی کیوں نہیں۔" عنوہ کو غصہ آ گیا تھا۔

"میرے خیال میں یہ والی نماز لمبی ہوتی ہے۔" زیان کے عذر نے اسے شدید صدمہ پہنچایا تھا۔

"اور صبح والی میں آپ کی نیند ڈسٹرب ہو گی۔ مجھے پتا ہے آپ چار بجے نہیں اٹھیں گے۔ میں نے الارم سیٹ کر رکھا ہے۔ کل سے میں تہجد بھی پڑھا کروں گی۔ خالہ کہہ رہی تھیں کہ دن کے دونوں کناروں اور کچھ رات کے حصوں میں عبادت کرنی چاہیے۔ آپ کو پتا ہے زیان! نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔ رات کے تیسرے پہر کی عبادت کا اپنا ہی لطف ہے۔ یوں لگتا ہے تیئیس سالوں کی بے چینیاں ختم ہو گئی ہیں۔ اللہ کا بھی حکم ہے کہ رات کے تیسرے پہر سے کچھ دیر پہلے اپنے پہلو کو خوابگاہ سے دور کر دینا چاہیے۔ اب اٹھ بھی چکیں۔" اس نے زبردستی زیان کو اٹھا کر واش روم کی طرف دھکیلا۔

"میں آؤں۔۔۔؟" عنوہ نے پوچھا۔

"جی نہیں، مجھے وضو کرنا آتا ہے۔" زیان نے پلٹ کر جواب دیا اور پھر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

"ہاں عید کی نماز تو پڑھتے ہوں گے ضرور۔" عنوہ نے اندازہ لگایا اور زیان کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگی۔

"تم نے ابھی حنا کو فون بھی کرنا ہے۔" واش روم سے باہر نکل کر زیان نے عنوہ سے کہا۔ مقصد صرف اس کا دھیان بٹانے کا تھا مگر وہ تو مکمل تیاری کر کے بیٹھی تھی۔ جائے نماز بچھا کر اوپر تسبیح بھی رکھی تھی۔

وہ پوری دلجمعی اور خلوص نیت سے زیان کو نماز کا طریقہ بتا رہی تھی اور وہ بغیر ٹوکے خاموشی سے سمجھ رہا تھا۔

"کتنی پیاری لگ رہی ہو عنوہ! جی چاہ رہا ہے بانہوں میں بھینچ کر تمہیں پورا گھما ڈالوں۔ مگر اس وقت میں خالص اللہ کے لیے کھڑا ہوں۔ نماز پڑھ کے تم سے بنٹوں گا۔ اب تم آرام سے بیڈ پر جا کر لیٹ جاؤ۔ کیونکہ مجھے نماز پڑھنا آتی ہے اور میں صرف عید کی نہیں جمعہ کی نماز بھی اکثر پڑھتا ہوں۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے نماز کی نیت کر چکا تھا جبکہ عنوہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

✡ ✡ ✡

جب سے ممی فرانس گئی تھیں عنوہ ایک مرتبہ بھی گھر نہیں گئی تھی۔ آج نہ جانے کیا خیال آیا کہ وہ اٹھ کر عنوہ ولا میں ویرانیاں اور خالی پن دیکھنے چلی آئی تھی۔

"مکینوں کے بغیر گھر کھنڈر ہوتے ہیں۔" اس نے آزردگی سے سوچا۔ یہ وہ گھر تھا جسے ممی نے فروخت کر دیا تھا۔ جس کا خریدار زیان مغیث تھا۔ اور اس نے صرف عنوہ کی اس گھر سے جذباتی وابستگی کی وجہ سے یہ گھر نہ صرف اسے خریدا بلکہ عنوہ کی ملکیت میں بھی دے دیا تھا۔ نہ جانے وہ کتنی دیر لان کے وسط میں کھڑی رہتی۔ زینو بابا کسی کونے سے نکل کر سامنے آ گئے تھے۔

"ارے بابا! آپ ابھی تک یہاں ہیں؟" عنوہ نے حیرت سے پوچھا۔ اس کے خیال میں ممی تمام ملازمین کو فارغ کر گئی تھیں۔

"جی بیٹا۔" انہوں نے حلاوت سے جواب دیا اور بولے۔

"اندر چلیں نا۔ یہاں تو بہت ٹھنڈ ہے۔"

"نہیں بابا! اندر تو بہت گھٹن ہو گی۔ میں یہیں ٹھیک ہوں آپ بتائیں صحت کیسی ہے اور آپ کا پوتا تو اب ٹھیک ہے نا؟"

"صحت تو اب دن بدن گرتی جاتی ہے۔ اور بچہ بھی اب کچھ بہتر ہی ہے۔ زیان صاحب نے بڑے اچھے ہسپتال میں کمال کو داخل کروایا ہے۔ دن میں تین تین ڈاکٹر چیک کرنے کے لیے آتے ہیں ورنہ سرکاری ہسپتال میں تو کوئی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے۔ کسی کو کوئی پروا نہیں ہوتی۔ سرکاری ہسپتالوں کے ڈاکٹروں کو تنخواہ سے غرض ہوتی ہے۔" زینو بابا نے رنجیدگی سے کہا۔

"زینو بابا! آپ کو تنخواہ کون دیتا ہے؟" اچانک خیال آنے پر عنوہ نے پوچھا تو زینو بابا محبت اور عقیدت سے بتانے لگے۔

"زیان صاحب مجھے تنخواہ دیتے ہیں۔ حالانکہ اب تو میں بالکل فارغ ہوتا ہوں۔ مجھے خوف تھا بڑی بیگم کے جانے کے بعد مجھے نوکری سے فارغ نہ کر دیا جائے مگر زیان صاحب نے کسی کو گھر سے نہیں نکالا۔ بلکہ سب کو تنخواہیں دیتے ہیں میری طرح چوکیدار اور مالی بھی ویلے روٹیاں توڑتے ہیں اور جب میں شاہ قدوس کی حویلی بابا صاحب کے پاس جاتا ہوں تو وہ بھی بڑی امداد کرتے ہیں۔ زیان صاحب کی طرح بڑے سخی ہیں وہ۔"

"بابا صاحب کون؟" عنوہ چونکی۔

"میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا ان بزرگ ہستی کا اللہ لوک ہیں جی۔ بڑے ہی نیک اور برگزیدہ۔"

"آں۔۔۔ ہاں یاد آیا۔ آپ نے کہا تھا مجھے بھی لے کر جائیں گے ان کے پاس۔" عنوہ نے جوش کے عالم میں کہا تو زینو بابا خوشی سے سر ہلانے لگے۔

"آپ جب کہیں گی میں آپ کو لے چلوں گا۔"

"زینو بابا! اب میں چلتی ہوں پھر آؤں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے واپس گاڑی تک آ گئی۔ آج وہ زیان کی سوک لے کر آئی تھی۔ گھر جانے کی بجائے اس نے سوچا حنا سے ہی مل لیا جائے۔ مگر اس سے پہلے وہ کے ایف سی چلی آئی تھی۔ حنا کے لیے برگر پیک کروا کر جوں ہی وہ پلٹی اس کی نگاہ ریز اور زروہ پر پڑی۔ انہوں نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ عنوہ مسکراتے ہوئے ان کے قریب آئی۔

"تم ہمیں جوائن کر سکتی ہو۔" زروہ نے پرجوش انداز میں اس سے ہاتھ ملا کر کہا۔

"تھینکس! ابھی میں جلدی میں ہوں۔ گھر

آؤں گی خالہ جان سے ملے ہوئے بہت دن ہو گئے ہیں اور ویسے بھی مجھے کباب میں ہڈی بننا پسند نہیں۔" اس نے شریر لہجے میں کہتے ہوئے سر جھٹکا۔ زروہ نے بہت پسندیدہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ سرخ چمکیلا سا ریشمی اسکارف اور بڑا سا سوٹ کے ہم رنگ دوپٹہ لپیٹے وہ نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔

"تم اکیلی آئی ہو؟" رمیز نے ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا۔

"کیوں؟ پوری بٹالین کو ساتھ لانا چاہیے تھا۔" وہ شرارتاً" مسکرائی۔

"تمہارے صاحب کیا بہت زیادہ مصروف ہوتے ہیں۔ جب بھی دیکھو اکیلی دندناتی رہتی ہو۔ تمہیں خالہ نے نہیں بتایا کہ خواتین کو اکیلے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔" رمیز کے انداز میں بھی بھرپور شرارت تھی۔ اس کے ساتھ زروہ بھی مسکرانے لگی۔

"مجھے تو لگتا ہے تم اکیس توپوں کی سلامی کے بغیر نہیں آؤ گے۔" عنوہ نے بے ساختہ اس کے نہ آنے کا شکوہ کیا تو وہ فوراً" معذرت کرنے لگا تھا۔

"ابھی نئی نئی لاہور میں پوسٹنگ کروائی ہے۔ حکام بالا کو اچھی رپورٹ دینے کی وجہ سے مصروفیت حد سے زیادہ ہے۔ ان شاء اللہ کچھ دن تک لگاؤں گا چکر۔"

"او کے، چلتی ہوں میں آپ لوگوں کا کافی قیمتی ٹائم ضائع کرنے پر معذرت۔" جاتے جاتے وہ زروہ کی طرف دیکھ کر شرارتی انداز میں مسکراتی گلاس دور دھکیل کر پارکنگ کی طرف بڑھ گئی تھی اس بات سے بے نیاز کہ دو گہری سیاہ آنکھوں نے اس کا گاڑی تک پیچھا کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

حنا کے ابو فارن سروسز میں تھے آج کل ریٹائرڈ لائف انجوائے کر رہے تھے اور جب سے ان کی بہن نے منگنی توڑنے کا اعلان کیا تھا۔ اس دن سے ہی وہ بہت بیمار رہنے لگے تھے۔ اور اب عنوہ اس کے لیے ایک بہترین پروپوزل لے کر آئی تو انہیں گویا زندگی کی نوید مل گئی تھی۔ وہ پھر سے گویا جی اٹھے تھے۔

حنا کو خبر ہوئی تو اس نے اچھا خاصا ہنگامہ کھڑا کیا تھا۔

"مجھے نہیں کرنی شادی وادی۔ میں ابو کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"عمر کے ہجر میں جوگ لینے کا ارادہ ہے۔" عنوہ نے اسے چڑایا تو وہ چڑ اٹھی۔

"بھاڑ میں جائے عمر مجھے تو اس کا نام بھی بھول گیا تھا۔ خوامخواہ دل سڑانے کے لیے یاد کروا دیا ہے۔"

"یہ بتاؤ۔۔۔ حشام بھائی تمہیں کیسے لگتے ہیں۔ صرف اچھے، برے یا بہت اچھے؟"

"نہ اچھے نہ برے اور نہ ہی بہت اچھے۔" حنا بھی اسی کے انداز میں بولی۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" اس نے بدمزا سا ہو کر کہا۔

"تم نے دیکھا تو تھا اس دن پارٹی میں حشام بھائی کو۔"

"ہر کسی کی شرافت اس کے ماتھے پر تو لکھی ہوتی ہے۔" حنا نے گویا چڑ کا جواب دیا تھا۔

"حشام بھائی بہت اچھے ہیں۔ زبان کے سب دوستوں سے مختلف ہیں۔"

"اچھے ہی ہوں گے تم یہ لو۔" حنا نے ڈرائی فروٹ کی ٹرے اسے تھمائی۔ اور خود ابو کے لیے چائے بنانے لگی۔ اس نے وال نٹ اور ڈیٹس کے علاوہ باقی خشک میوہ جات کچن کی سلیب پر رکھ کر باہر کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ حنا کو ہنسی آ گئی جانتی تھی کہ اسے ڈرائی فروٹس کچھ زیادہ پسند نہیں ہیں۔

"مکہ سے انکل لائے تھے کھجوریں۔ بہت عمدہ باغ کی ہیں۔ بہت ہی لذیذ اور خوشبودار۔" حنا نے اس کی معلومات میں اضافہ کرنا چاہا تھا۔

"تم سوچ کر جواب دینا۔ قسمت بار بار مہربان نہیں ہوتی۔" اس نے سنجیدگی سے اخروٹ کھاتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"میں لنچ کی تیاری کرنے لگی ہوں۔ کھانا کھا کر جانا۔" وہ سر ہلاتے بولی تو عنوہ کو یاد آیا۔

"نہیں یار! میں نے جلدی گھر پہنچنا ہے۔ رانیہ کو

pkdigest.com

رات سے فیور تھا۔ اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤں گی۔"

"تمہاری ہمدردیاں کہیں گلے نہ پڑ جائیں۔" حنا نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"وہ بیمار ہے' تکلیف میں ہے' ہمدردی کی مستحق ہے۔ ایک انسان ہونے کے ناتے میں اتنی بے حسی نہیں برت سکتی۔" اس کا انداز دو ٹوک تھا۔ چہرے پر سنجیدگی چھائی تھی۔ آنکھوں میں پہلے کی طرح اضطراب کے سائے ہلکورے نہیں لے رہے تھے۔

"تم میں کچھ نیا پن محسوس ہو رہا ہے۔" حنا کہے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"یوں سمجھ لو' زندگی کا اصل مقصد معلوم ہو گیا ہے۔" عنوہ نے چمکتی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بتایا۔

"تم نے ابو سے بات کر لی ہے؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"کون سی بات؟" عنوہ نے جان بوجھ کر بے نیازی سے کہا۔

"یہی' حسام کے پرپوزل کی۔"

"کون سا حسام؟" اس نے حنا کو چھیڑا تو وہ بری طرح جھینپ گئی۔

"تنگ نہیں' سیدھی طرح بتاؤ۔"

"کیا بتاؤں؟" وہ اب بھی باز نہیں آئی تھی۔

"تم نے' یعنی عنوہ زیان عبیث نے ابو سے بات کی ہے حسام کے پرپوزل کی۔" حنا نے بہت ہی تحمل سے اپنی بات دہرائی تو عنوہ ہنس ہنس کر دوہری ہو گئی۔

"ہمیں گھی ٹیڑھی انگلیوں سے نکالنا آتا ہے۔" اس نے فخریہ کہا تو حنا اپنی بے ساختگی پر شرمندہ ہو گئی۔

"انکل نے بخوشی حسام بھائی کے پرپوزل کو قبولیت کی سند بخش دی ہے۔" عنوہ نے اسے مزید ستانے کا ارادہ ترک کر کے سنجیدگی سے بتایا تھا۔

"ویسے انہوں نے مجھے' تمہاری رائے جاننے کے لیے بھی کہا تھا۔ اب میں انہیں جاتے ہوئے خوشخبری سنا کر جاؤں گی کہ عنو دلہنیا بننے کے لیے دل و جان سے راضی ہے۔" اس نے شرارت سے حنا کی ناک دبائی تو وہ بری طرح شرما کر خواہ مخواہ بال سنوارنے لگی تھی۔

حنا اسے گیٹ تک چھوڑنے آئی تھی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے عنوہ کو اس زور کا چکر آیا تھا کہ وہ اگر فرنٹ ڈور پر ہاتھ نہ رکھتی تو یقیناً" اس نے پورے قد سے ڈھے جانا تھا۔ ساتھ میں اس زور سے ابکائی بھی آئی کہ اس کے رہے سے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ حنا بھی گھبرا کر تقریباً" بھاگتے ہوئے اس تک آئی۔

"عنوہ! تم ٹھیک ہو؟" حنا نے بوکھلا کر اسے دونوں ہاتھوں سے تھاما۔

"آؤ اندر چلتے ہیں۔ میں ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں۔" وہ بے حد گھبرا گئی۔

"نہیں' میں ٹھیک ہوں۔ شاید ان ڈی جیشن یا فوڈ پوائزن کی شکایت ہے۔ رات کو میں نے کچھ الٹا سیدھا کھا لیا ہو گا۔" عنوہ نے قدرے سنبھل کر ٹشو سے منہ صاف کیا اور گاڑی کی طرف بڑھی۔

"میں تمہیں ایسے نہیں جانے دوں گی۔ پہلے ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔ آؤ تم بیٹھو۔" حنا نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے ذرا تیکھا رنگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ مجبوراً" عنوہ کو دوسری طرف اس کے برابر بیٹھنا پڑا۔

"زیان بھائی کے فیملی ڈاکٹر کے پاس جاؤ گی؟"

"ہاں' ڈاکٹر خرم کے کلینک چلتے ہیں۔" اس نے کنپٹیاں دباتے ہوئے کہا تھا۔ کلینک میں کافی رش تھا۔ عنوہ نے زیان کا کارڈ اندر بھجوایا تو فوراً" ہی اسے بلوا لیا گیا۔

"خیریت تو ہے بھابھی! مجھے بلوا لیا ہوتا۔ آپ نے کیوں زحمت کی۔" ڈاکٹر خرم نے شائستگی سے اس کے سلام کا جواب دے کر کہا۔ عنوہ دل ہی دل میں اس وی آئی پی ٹریٹمنٹ پر حیران ہوئی۔

"زیان کا حوالہ کتنا مضبوط ہے۔" اس نے بے اختیار سوچا۔

ڈاکٹر خرم نے سرسری سا چیک اپ کرنے کے بعد اپنی ساتھی ڈاکٹر مریم سے کچھ بات کی۔ ڈاکٹر مریم نے سر ہلا کر عنوہ کو ایک دوسرے روم میں کچھ ٹیسٹ کروانے کی غرض سے بھیج دیا تھا۔ تقریباً" آدھے گھنٹے بعد جب وہ رپورٹس لے کر باہر آئی تو حنا کو اپنا بے چینی سے منتظر پایا۔

"کیا ہوا ہے؟ اتنی دیر لگا دی تھی۔" حنا نے بے تابی سے کہا۔

"ہوا تو کچھ نہیں' مگر ہو جائے گا۔" اس کے لبوں پر بڑی ہی پیاری میٹھی سی مسکان چمک رہی تھی۔

"کیا مطلب؟" حنا چونکی۔

"وہ کیسے بتاؤں۔" اس نے شرما کر کہا تو حنا گویا سارا معاملہ سمجھ گئی۔

"اب پھوٹ بھی چکو کہ میں خالہ بننے والی ہوں۔" حنا نے بے ساختہ اسے خود سے لپٹا کر بڑے ہی محبت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تم کے ایف سی میں کس سے ملنے گئی تھیں؟" اس نے ننھے' مسکراتے اور بے حد خوشی کے عالم میں گنگناتے ہوئے بیڈ روم میں قدم رکھا تو زیان کی سرد سی آواز نے اس کے پیروں کو گویا جکڑ لیا تھا۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے؟" ویسا ہی پتھریلا اور سرد سا انداز۔ عنوہ کی ساری خوشی ملیامیٹ ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی رپورٹس ٹیبل پر رکھیں اور خود قدرے نڈھال سی صوفے پر ڈھے گئی۔

"میں حنا کے لیے برگر پیک کروا کر جوں ہی پلٹی تو رمیز پر نظر پڑی تھی۔ سو میں نے سوچا ان سے بھی علیک سلیک کر لی جائے۔ میجر رمیز وہی ہے' جس کے ولیمے پر میں گئی تھی۔ انہوں نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا' اسی لیے مجھے رکنا پڑا۔ کتنا برا لگتا کہ میں یوں اجنبیوں کی طرح گزر جاتی۔ انہیں تو میں ڈنر پر انوائٹ بھی کر چکی ہوں۔ مگر آپ یوں کیوں غصے سے مجھے گھور رہے ہیں۔ آپ کی آنکھیں کیوں اس قدر ریڈ ہیں؟ کیا آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں؟" وہ ایک دم روہانسی ہو کر بے ربط بولے جا رہی تھی۔

"بھاڑ میں گیا شک۔۔۔۔۔ مجھے یہ بتاؤ رمیز کے ساتھ لڑکی کون تھی؟" زیان کے لہجے میں بے حد سنجیدگی تھی یوں کہ عنوہ کی ریڑھ کی ہڈی سنسنانے لگی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا گویا زیان اپنے حواسوں میں نہیں ہے۔

"اب بتا بھی چکو ورنہ مار ڈالوں گا سب کو۔" وہ وحشت زدہ سا بول رہا تھا۔ عنوہ ایک دم ٹھٹک گئی۔ پہلے بھی وہ ایک اجنبی لڑکی کو دیکھ کر یوں ہی اپ سیٹ ہو گیا تھا۔

"آخر معاملہ کیا ہے؟" اس نے حیرانی سے سوچا اور بولی۔

"وہ زروہ تھی رمیز کی مسز' بہت اچھی لڑکی ہے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ وہ اس کی بیوی تھی۔" نہ جانے زیان کیسی تصدیق چاہ رہا تھا۔ عنوہ نے زور و شور سے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں نے ان کا ولیمہ اٹینڈ کیا ہے اور اکثر ان کے گھر جاتی رہتی ہوں۔"

"اب آئندہ تم ان لوگوں سے میل جول نہیں رکھو گی۔" زیان کی آنکھوں سے سرخی آہستہ آہستہ غائب ہونے لگی تھی۔ اس کا برہم' آتش فشاں جیسا مزاج بہتر ہو رہا تھا۔ اس کے ماتھے کی پھڑکتی رگ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اب زیان کا موڈ ٹھیک ہے اور غصہ ختم ہو چکا ہے۔

"مگر کیوں؟" عنوہ کو یہ پابندی سخت زہر لگی۔

"ہر بات کی گہرائی میں نہیں جاتے۔" اب وہ اطمینان سے فریج کھولے کولڈ ڈرنک نکال رہا تھا۔

"آپ مجھے بے وقوف سمجھتے ہیں۔ میں نے آنکھیں بند نہیں کر رکھیں۔ آپ مجھ سے کیا کچھ چھپانا چاہتے ہیں۔ ایک معمہ اور رہتا ہے وہ یہ ہے' اس دن فائیو اسٹار میں بھی نہ جانے کون تھی جسے دیکھ کر آپ کا پارہ چڑھ گیا تھا۔" اس نے غصے سے چیخ کر کہا۔

"بس میں نے کہہ دیا ہے کہ تم آئندہ رمیز کی فیملی سے نہیں ملو گی۔" زیان نے دو ٹوک انداز میں کہا اور پیپسی کا ٹن خالی کر کے دیوار سے دے مارا۔ اسے عنوہ کا تفتیشی انداز زہر لگ رہا تھا۔

www.pkdigest.com

"رانیہ سے نہ ملوں۔۔۔ زروہ سے بھی نہ ملوں۔ کچھ پوچھوں بھی نہ۔ کچھ جاننے کی کوشش بھی نہ کروں تو پھر میں کروں کیا۔" اس نے غصے سے بھنا کر کہا۔

"کرنے کے اور بھی بہتیرے کام ہیں کھوجی بننے کی ضرورت نہیں۔ کلب جوائن کر لو۔ کسی این جی او کی ممبر شپ لے دیتا ہوں۔ ویسے بھی تمہیں ہمدردیوں کا بخار چڑھا رہتا ہے۔ سب سے اچھا کام تو گھر سنوارنے کا ہے۔ بچے پیدا کرنے کا ہے۔ اسی کے بارے میں سوچو۔ کوئی پلاننگ کرو۔ چھوٹا سا ننھا منا بے بی اب آجانا چاہیے۔ مجھے بچے بہت اچھے لگتے ہیں عنوہ اگر زندہ بچے جیتے جاگتے ہنستے مسکراتے۔ اگر اولاد مر جائے تو بہت دکھ ہوتا ہے نا۔" زیان کو یوں محسوس ہوا تھا بالکل اس کے قریب چھوٹا سا گلابی بچہ بہت شدت سے رویا تھا اور آخری ہچکی لے کر دم توڑ گیا۔ اس کا دل گویا چکی کے پاٹوں میں کسی نے مسل ڈالا تھا۔ ایک دم اسے نہ جانے کیا ہوا۔ وہ ٹیبل کو ٹھوکر مارتا لمبے ڈگ بھرتا باہر نکلتا چلا گیا تھا جبکہ عنوہ ششدر سی رپورٹس پکڑے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

بے مقصد لاہور کی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے ہوئے وہ مینٹلی اپ سیٹ تھا۔ اب اسے ڈولتی ناؤ کو کنارے لگ جانا چاہیے۔ اپنی زندگی کی الجھنوں اور ابہام کو وہ خود بھی ختم کرنا چاہتا تھا۔ سب سے پہلے اس نے اپنے لائر حسن سے رابطہ کیا۔ وہ اس کا دوست بھی تھا۔ حسن نے موبائل پر اسے بتایا کہ وہ فارغ ہے۔ اسی لیے اس نے گاڑی کا رخ حسن کی چیمبر کی طرف موڑ لیا تھا حسن اسے دیکھ کر اپنی سیٹ سے اٹھا اور بہت تپاک سے ملا۔

"کہاں غائب تھے۔ اتنے دنوں بعد شکل دکھائی ہے۔"

"وہ ہی مصروفیت کا ازلی رونا۔۔۔ ابھی تو حشام کا ساتھ ہے کبھی کچھ فرصت کے لمحات میسر آجاتے ہیں۔" زیان پھیکے سے انداز میں مسکرایا۔

"اوپر سے بیویاں بھی دو دو۔۔۔" حسن نے ٹکڑا لگایا تو زیان بھی سنبھل کر سیدھا ہو گیا تھا۔

"اسی سلسلے میں آیا ہوں۔" اس نے تمہید باندھی۔

"کھل کر بتاؤ میں سمجھا نہیں؟" اس نے الجھن بھری نظروں سے زیان کی طرف دیکھا۔

"پیپرز تیار کروانے ہیں۔" زیان نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیسے پیپرز؟" حسن چونک سا گیا۔

"ڈائیورس کے پیپرز تیار کرو۔"

"مگر کیوں؟ کسے طلاق دینا چاہتے ہو۔" حسن نے الجھ کر کہا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔ ٹھنڈے دماغ سے سوچو۔ ایسے فیصلے جذباتیت میں نہیں کیے جاتے۔"

"میں بہت سوچ سمجھ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔ نو سال کم نہیں ہوتے۔ میرا فیصلہ اٹل ہے۔ تم پیپرز ریڈی کر دو۔ میں سائن کر دوں گا۔"

"مگر۔۔۔" حسن نے کچھ کہنا چاہا۔

"نو' اگر مگر۔۔۔ جو کہا ہے' اتنا ہی کرو۔ مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں۔" اس نے دوٹوک انداز میں کہا تھا۔

"پھر بھی ایک مرتبہ اور سوچ لو۔ اتنا بڑا فیصلہ لمحوں میں نہیں کرتے۔"

"تمہیں کیا پتا کہ یہ فیصلہ لمحوں پر نہیں سالوں پر مشتمل ہے۔ بہت خود کو جلایا ہے۔ انتقام کی آگ نے بہت بے اطمینان رکھا ہے۔ اب مجھے بھی سکون چاہیے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ میں رانیہ کو طلاق دے دوں نہ وہ مجھے نظر آئے گی نہ ہی اس سے وابستہ یادیں لہولہان کریں گی۔ اور پھر یہ اس پر ظلم ہرگز نہیں اس بے چاری کو بھی اس نام نہاد بندھن کے بوجھ سے آزادی مل جائے گی۔ ہم سب نے اپنے اپنے حصے کی سزا بھگت لی ہے۔ ویسے بھی اب بجھی راکھ کو کریدنے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ تم طلاق کے پیپر تیار کر کے بھجوا دینا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا تو حسن چیخ اٹھا۔

"نہ چائے نہ ٹھنڈا ہمیشہ ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتے ہو۔"

"پھر کبھی سہی' ابھی جا کر میں نے ایک خاتون کی منتیں کرنی ہیں۔ جو میرے شدید رد عمل پر ابھی اور روٹھی ہوئی انتظار کر رہی ہو گی۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ حسن بھی بریف کیس اٹھا کر ہنستا ہوا اس کے ساتھ باہر نکلا۔

"ڈراپ کر دوں؟" زیان نے آفر کی۔

"نہیں' میرا ڈرائیور آگیا ہو گا۔ مجھے ڈراپ کرنے کے چکر میں تم مزید لیٹ ہو جاؤ گے اور ابھی تو تم نے منتیں کرنے کا ہوم ورک بھی کرنا ہو گا۔ الفاظ بھی ترتیب دینے ہوں گے۔ ڈائیلاگز سوچنے میں وقت لگے گا۔ میں تو حیران ہوں کہ زیان عبیث بھی اب کسی کی منتیں کرنے کے لیے کانشس ہو سکتا ہے۔ یہ دن بھی دیکھنے تھے میں نے اچھے بھلوں کے کس بل نکل گئے پھر ہم جیسے مسکین شوہروں کی بات ہی کیا ہے۔ ہماری بیگم بھی ماتھے پر بل ڈالے انتظار فرما رہی ہوں گی۔ مجھے بھی گھر جا کر صفائیاں پیش کرنی ہوں گی کہ میں کسی حسینہ کے ساتھ نہیں بلکہ تمہارے ساتھ تھا۔ پھر نصف بہتر صاحبہ نے تمہیں فون کھڑکا کر تصدیق کرنے کے بعد مجھ غریب مسکین کو کھانا پیش کرنا ہے۔ ہائے ہم جیسے مظلوم شوہر۔" جب تک حسن کی گاڑی نہیں آگئی تھی وہ اسی طرح دہائیاں دیتا رہا تھا۔ زیان مسکراتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

وہ گھر آیا تو رات کے دس بج رہے تھے۔ عنوہ بیڈ پر کمبل تانے سو رہی تھی یا پھر سونے کی ایکٹنگ کر رہی تھی۔

"عنوہ جان!" زیان نے بڑے دلار سے پکارا۔

"اونہہ' عنوہ جان کی جان ہی جلاتے رہیے گا۔" عنوہ نے جل کر سوچا اور آنکھیں سختی سے میچ لیں۔

"سونے کا ڈرامہ کس خوشی میں کر رہی ہو۔ جگا تو میں نے تمہیں لینا ہے چاہے زبردستی ہی سہی۔" زیان نے اٹھ کر کمبل اس کے منہ پر سے کھینچا تو وہ کسمسانے لگی۔

"اٹھ بھی چکو۔" اس نے نرمی سے عنوہ کے گال تھپتھپائے تو اسے مزید سونے کا ناٹک کرنا مشکل لگا۔

"جب تک میں نے آنکھیں نہ کھولیں یہ اسی طرح مجھے ستاتے رہیں گے۔ جانتے بھی ہیں میں جاگ رہی ہوں اور ناراض بھی ہوں تم۔۔۔"

"یہ ٹھنڈا پانی تمہارے اوپر گرنے ہی والا ہے۔" زیان کی دھمکی کی اثر نے عنوہ کو کچھ گڑبڑا دیا تھا۔ اس نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں اور بغور زیان کی طرف دیکھا۔ اس کے ہاتھ خالی تھے اور وہ قریب کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"ہو گئی نیند پوری۔" بڑی ہمدردی سے پوچھا گیا تھا۔ عنوہ کو بلا کا غصہ آیا مگر ضبط کر گئی۔

"کہاں کی خاک چھان کر آئے ہیں؟"

"دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں آوارہ گردی کر کے آیا ہوں۔" زیان کے درست اندازے اکثر عنوہ کو شرمندہ کر دیتے تھے۔

"یہی سمجھ لیں۔" اسے بھی مبہم گفتگو کرنا آ گئی تھی۔

"میں حسن کی طرف گیا تھا۔" زیان صوفے پر بیٹھ کر شوز اتارتے ہوئے بولا۔

"کیوں؟"

"ایک تو تم سوال بہت کرتی ہو۔" زیان نے ٹائی کا گولا بنا کر عنوہ کی طرف اچھالا پھر اچانک یاد آنے پر سیدھا ہوا۔

"تم نے حنا کے فادر سے بات کی تھی۔"

"ہاں مگر حشام بھائی کے پیرنٹس۔"

"اوف۔۔۔ کہاں سے وہ پیرنٹس امپورٹ کرے۔۔۔ بھئی اگر اس کے والدین ہوتے تو میں تم جیسی احمق کو کیوں کہتا۔ ڈائریکٹ رشتہ نہ بھجوا دیتے۔" زیان نے خفگی سے کہا تو وہ تپ اٹھی۔

"مجھے کیا خبر کہ ان کے پیرنٹس حیات نہیں ہیں اور مجھے احمق کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں خود کو بہت عقلمند سمجھتی ہوں۔" عنوہ نے فخر سے کہا۔

"اے عقلمند' دانشمند خاتون آپ گئی تھیں حنا کے

www.pkdigest.com

گھر بات کی آپ نے اس کے والد محترم سے کیا کہتے ہیں حشام کے ہونے والے سسر صاحب کہ حشام کو اپنی فرزندی میں لینے کی خواہش ہے کہ نہیں؟"

"میں نے انکل سے بھی بات کرلی تھی اور حنا سے بھی پھر جب میں گھر آنے لگی تو مجھے زور کا چکر آیا اور پھر وومٹنگ شروع ہو گئی۔ میں نے سمجھا مجھے فوڈ پوائزن ہو گیا ہے مگر حنا زبردستی مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئی۔ اور پتا ہے ڈاکٹر نے کیا کہا۔" مزید بتاتے ہوئے ڈھیروں شرم نے آن گھیرا تھا۔ اس نے تمام تر خفگی بھلائے ریورس زبان کی طرف بڑھا دی تھیں اور وہ ایسے دیکھ رہا تھا گویا بہت ہی غیر متوقع، حیرت انگیز اور انوکھا واقعہ رونما ہوا ہے۔ جب بات سمجھ میں آئی تو اس نے عنوہ کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ اس کی آنکھوں سے جگر جگر روشنیاں پھوٹ رہی تھیں۔ وہ ایک عجیب کیفیت کے زیر اثر اس کی طرف بڑھا تھا۔

☼ ☼ ☼

ادھر سے گزرتے بابا صاحب کی نگاہ در مکنون کے چہرے پر پڑی تو وہ ٹھٹک کر رک گئے۔ ان کے گہرے سانولے ملیح چہرے پر تحیر تھا۔ وہ اس کے چہرے پر کچھ کھوج رہے تھے۔ کچھ ایسا جو برسوں کی ریاضت کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ جسے حاصل کرنے کے لیے دل کا خالص ہونا ضروری ہے۔ جس کے لیے طویل صبر آزما انتظار کرنا پڑتا ہے۔ جو کسی معمولی انسان کو عطا نہیں کیا جاتا۔ جسے اللہ اپنے پیارے بندوں کے دلوں میں ڈال کر ان کے رخ اپنی طرف موڑ لیتا ہے۔

یہ عشق کا راز تھا۔ یہ معرفت کے جام تھے۔ یہ چھپا ہوا بھید تھا۔ جو در مکنون نے پا لیا تھا۔ اس نے ہجر سے وصال تک، وجود سے ذات تک، محب سے محبوب تک۔ ذلت سے عزت تک، زوال سے عروج تک کا سفر طے کرلیا تھا۔ اس پر بخشش و کرم اور رحمت بیکراں کی بارش ہو رہی تھی۔ اس نے حقیقی تصوف، شریعت کی پابندی، احکام الٰہی کی پیروی سے حاصل کرلیا تھا۔ اپنے نفس کو دنیاوی لذتوں سے پاک کرکے اس نے وہ چیز حاصل کرلی تھی جسے عام انسانی آنکھ، کچھ نہیں سکتی تھی۔

نم آنکھوں اور لرزتے ہونٹوں سے اب وہ عبدالباری سے کہہ رہے تھے۔

"باری بچے! در مکنون دنیاوی اور نفسانی محبتوں سے بہت آگے تک نکل چکی ہے۔ اب اسے کسی چاہت، الفت اور محبت کی چاہ نہیں کہ اس نے حقیقی عشق کا لطف پا لیا ہے۔"

درمیانہ سا قد۔۔۔ سانولا رنگ، معمولی نقوش اور سادہ لباس والے بابا صاحب کا دل نہیں ایک سمندر تھا۔ محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر جس میں محبت نفرت کے، حزن و ملال کے ذرات بھی جمع تھے۔ بابا صاحب! جن کے عشق میں اس بستی کا ہر فرد مبتلا تھا۔ لوگ عقیدت کی حد تک انہیں چاہتے تھے۔ کچھ لوگ محبت کے لیے ان کے پاس آتے تھے کچھ لوگ ضرورت کے لیے جنہوں نے دنیا کو اپنے دل سے نکال دیا تھا۔ وہ مخلوق کی غم خواری کرتے رہے تھے یہاں تک کہ ان کے دل سے تمام رنج اور غم ایسے دھل گئے گویا کبھی تھے ہی نہیں۔ انہوں نے اہل زمین پر رحم کیا تو آسمان والے نے ان کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے تھے۔ اس دل میں اب کوئی حسرت نہیں تھی بس ایک تمنا کے علاوہ ہر شے سے جی اچاٹ ہو گیا تھا۔ یہ تمنا ان کی زیست کا حاصل تھی۔ کبھی کبھی رات کے کسی پہر وہ خوفزدہ ہو کر اٹھ بیٹھتے تھے اور پھر پوری رات ان کی روتے اور گڑگڑاتے گزر جاتی۔ انہوں نے اپنے دل کے ٹکڑے کو بے رحم موجوں کے حوالے کردیا تھا۔

"یا اللہ! اس کی حفاظت فرمانا۔ یا اللہ! اسے محفوظ رکھنا۔" وہ سجدے میں سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

"مامی جی!" وصی کچن کے دروازے میں کھڑا بڑی معصومیت سے دھیمی آواز میں پکار رہا تھا۔ آٹا گوندھتی زروہ نے ذرا سا رخ پھیر کر وصی کی طرف دیکھا اور مسکرا دی۔

"کیا بات ہے وصی!"

"مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔" وہ جھجک کر تھوڑا سا آگے ہوا۔

"ہاں، بھئی بولو۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔" زروہ نے مصروف سے انداز میں آٹا پیالوں میں رکھا اور پھر پرز آن کیا۔

"آپ ناراض تو نہیں ہوں گی۔"

"یہ تو بات کی نوعیت کے بعد فیصلہ کیا جائے گا۔ آیا ناراض ہونا چاہیے یا نہیں۔" زروہ نے جان بوجھ کر اسے چھیڑا تو وہ قدرے گھبرا گیا۔

"نہیں پھر رہنے دیں۔"

"ارے، اب تو ضرور بتانا پڑے گا۔" زروہ نے اصرار کیا تو وصی کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا۔

"میں آپ کی خفگی افورڈ نہیں کر سکتا۔"

"یعنی معاملہ گمبھیر ہے۔" زروہ نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

"خیر اتنا بھی نہیں ہے اگر سمجھا جائے تو۔" وصی کے فلسفیانہ انداز پر زروہ ہنسا کر پلٹی۔

"پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہو، اب بتا بھی چکو۔"

"میں نے آپ کو بتانا تھا کہ کوئل آج کل لان میں بہت کوکتی رہی ہے۔"

"وصی کے بچے۔" زروہ نے کفگیر پکڑ کر لہرایا تو وہ ہنسنے لگا اور بولا۔

"اگر آپ کا تعاون حاصل رہا تو ان شاء اللہ بچے بھی جلد ہوں گے۔"

"بس فضول بولتے رہنا۔ کام کی بات نہ کرنا۔" وہ سر جھٹک کر پھلکے بنانے لگی تھی۔

"کام کی بات کی طرف ہی دھیرے دھیرے بڑھ رہا ہوں۔" وصی کا انداز ہنوز وہی تھا۔ یعنی غیر سنجیدہ۔

"اگر آپ نے میکے جانا ہو تو میں ڈرائیوری کے لیے حاضر ہوں۔"

"کیا یہی کہنے کے لیے خوفزدہ تھے اور۔۔۔" زروہ کی بے تحاشا ہنسی نے بات مکمل نہیں کرنے دی تھی۔

"نہیں کچھ اور بھی کہنا ہے۔" وصی نے خفگی سے کہا۔

"ہاں اور بھی اوٹنگیاں بوٹنگیاں مار لو۔" وہ ہنسی دباتے ہوئے بولی۔

"آپ سارا دن اکیلی کام میں لگی رہتی ہیں۔ مجھے آپ پر بہت ترس آتا ہے۔"

"تو میں اپنی خوشی سے کام کرتی ہوں۔ مجھے کوئی مجبور نہیں کرتا۔" زروہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ میری بات سمجھ کیوں نہیں رہیں۔" وصی جھنجھلایا۔

"تو سمجھا دو نا۔" اس نے مسکراہٹ دبائی۔

"کسی کو ہیلپ کے لیے لے آئیں۔"

"اپنے بونگے مشورے پاس ہی رکھو۔" زروہ نے خفگی سے کہا۔

"کام والی تو آتی ہے اور کسے لے آؤں، اور کہاں سے لاؤں۔"

"اپنے گھر سے۔" وصی نے بے ساختہ کہہ کر زبان دانتوں تلے دبالی تھی۔ زروہ ایک دم پلٹ کر وصی کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔

"سوری مامی! اگر آپ کو برا لگا ہے تو مجھے معاف کر دیں۔"

"تم نے ایسا کیوں کہا؟ اپنی امی کو جانتے ہو نا۔ پتا نہیں مجھے کیسے برداشت کرتی ہیں۔ انہوں نے طوفان اٹھا دینا ہے۔" زروہ حد درجہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

"وہ میرا ہیڈک ہے۔ ماما میرے ساتھ ہیں۔ صرف آپ کی رضامندی چاہیے۔" وہ بہت سنجیدہ اور مضبوط لہجے میں کہہ رہا تھا۔ زروہ چونکی۔

"کیا رمیز بھی جانتے ہیں۔ تم نے بات کی ہوگی رمیز سے۔"

"مامی! آپ امی کی فکر نہ کریں۔ وہ زبان کی کرخت ہیں مگر میری خوشی سے بڑھ کر انہیں کچھ بھی عزیز نہیں۔" وصی نے تسلی آمیز لہجے میں کہا تو زروہ نے

www.pkdigest.com

بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور بولی۔
"تمہاری خوشی کیا ہے؟"
"سنیہ۔" زروہ کے پکارنے کے باوجود وہ دھیرے سے بڑبڑایا اور پھر بھاگ گیا تھا۔
زروہ نے باقی کا کام بہت ذہنی کشمکش کے عالم میں بنایا تھا۔ رات کو رمیز کافی لیٹ آیا تو زروہ کو جاگتے پا کر قدرے حیران ہوا۔
"ابھی تک جاگ رہی ہو؟"
"ہوں۔۔۔ آپ کا انتظار کر رہی تھی۔" اس نے آہستگی سے کہا۔
"مگر میں نے تو تمہیں فون کر دیا تھا کہ آج میں دیر سے آؤں گا۔ تم سو جاتیں۔" رمیز نے نرمی سے کہتے ہوئے بریف کیس میز پر رکھا اور خود ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ یونیفارم چینج کر کے نائٹ سوٹ پہنے باہر آیا تو زروہ کو گہری سوچوں میں گم دیکھ کر حیران رہ گیا۔
"کوئی مسئلہ ہے؟ کہیں آپا نے تو کچھ نہیں کہہ دیا۔" رمیز آپا کے تیز مزاج سے واقف تھا اسی لیے قدرے فکر مند سا ہو گیا۔
"زروہ! کیا بات ہے؟ یہ مراقبہ کس خوشی میں۔" وہ اس کے برابر لیٹتے ہوئے اس کا رخ اپنی طرف موڑ کر نرمی سے بولا۔
"آپ سے وصی نے سنیہ کے متعلق کوئی بات کی ہے۔" زروہ نے بغیر تمہید کے بات شروع کی تو رمیز نے اک اطمینان بھری سانس خارج کی۔
"ہوں۔۔۔ وہ سنیہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"
"مگر ابھی تو وہ پڑھ رہا ہے اور سنیہ بھی اور پھر سب سے مشکل ترین مرحلہ زرین آپا ہیں۔ ہنگامہ کھڑا کر دیں گی۔ وصی سے کہیں سنیہ کے خیال کو دل سے نکال دے۔" زروہ نے جھرجھری لے کر کہا۔
"وہ سنیہ کو پسند کرتا ہے۔ شادی کرنا چاہتا ہے اور ابھی صرف منگنی کریں گے اور زرین آپا کو سمجھانا میرا کام ہے۔ تم پریشان مت ہو۔ میں ہوں نا۔" رمیز تو گویا تمام معاملہ طے کیے صرف اسے انفارم کر رہا تھا۔
"آپا کے طنز کون برداشت کرے گا۔" زروہ نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔
"ارے کچھ نہیں کہیں گی آپا! وصی ان کا بیٹا ہے۔ اس کے لیے آپا کے دل میں بہت گنجائش ہے اور اس کی بیوی کے لیے بھی ضروری ہو گی۔" رمیز نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔
"یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔ وصی آپا کا اکلوتا بیٹا ہے۔ ان کی امیدوں کا واحد مرکز۔ وہ اس کے لیے کوئی اپر کلاس سے لڑکی لائیں گی۔" زروہ نے اپنے خدشات کو زبان دی تو رمیز نے ناراضی سے اس کی طرف دیکھا۔
"تم کیوں اسٹیٹس کانشس ہو رہی ہو۔"
"آپا کی بات کر رہی ہوں۔" زروہ جھنجلائی۔
"ابھی تو فی الحال اپنی کوئی بات کرو۔ آپا سے بھی نبٹ لوں گا۔" رمیز نے ٹیبل لیمپ آف کر کے زروہ کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ وہ جھینپ کر تکیے میں منہ چھپا گئی۔

☼ ☼ ☼

پرل کانٹی نینٹل کے تھرڈ فلور سے بذریعہ لفٹ وہ سیکنڈ فلور تک آیا۔ اسے یوکوہاما (جاپان) سے آئے مسٹر وانگ اور یان سین سے ملنا تھا۔ یہ اس کی پہلی جاپانی وفد سے ملاقات تھی۔ حشام ہی انہیں ایئرپورٹ سے لے کر آیا تھا۔ جاپانی ڈیلی گیشن نے پہلا سیمینار کراچی میں اٹینڈ کیا تھا۔ زیان اور حشام نے بھی شرکت کی تھی مگر بطور خاص زیان ان سے مل نہیں سکا تھا۔ وہ "ون سیون" نمبر پوچھتا ہوا کوریڈور سے ہوتا ہوا ترتیب سے نمبرز دیکھتا ون سیون کے بند دروازے پر لکھا نمبر پڑھ کر غیر ارادی مڑا تو ایک روتی روتی نسوانی آواز سن کر چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کوریڈور کے آخری سرے پر ایک وحشت زدہ لڑکی تقریباً بھاگتے ہوئے اس کے قریب گزرنے کے چکر میں بری طرح ٹکرا گئی تھی۔ اس کے پیچھے ایک نوجوان بھی

لپکتا ہوا آن پہنچا تھا۔ وہ لڑکی اس قدر خوفزدہ اور گھبرائی ہوئی تھی کہ اس سنسان سوئے ہوئے محل میں ایک انسانی وجود کو دیکھ کر اور غیبی امداد سمجھ کر خوف کے مارے اس کے پورے وجود کے پیچھے چھپ کر بھنچی آواز میں چلائی۔
"مجھے اس بھیڑیے سے بچاؤ۔ اللہ کے واسطے مجھے بچاؤ۔" زیان کو چند لمحے ہی لگے ہوں گے پوری صورت حال کو سمجھنے میں دوسرے ہی پل وہ سامنے موجود نوجوان سے الجھ پڑا تھا۔
"کیا ہو رہا تھا یہاں؟" زیان نے سرد آواز میں پوچھا۔
"یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ آپ درمیان میں مت آئیں۔" اس نے اپنے ماتھے پر چمکتا پسینہ پونچھ کر کہا۔
"ہمارا کوئی ذاتی معاملہ نہیں۔۔۔ یہ جھوٹا بے غیرت مجھے دھوکے سے لایا ہے۔" زیان نے اپنے پیچھے کھڑی لڑکی کے چلانے کی آواز سن کر مڑ کر دیکھا تو اسے لگا گویا پرل کانٹی نینٹل کی پوری عمارت اس کے وجود پر ٹوٹ پڑی ہے۔
"سارہ۔" اس کے ساکت لبوں سے اک شعلہ نما آواز نکلی تھی۔ دوسرے ہی پل نہ جانے کتنے ہی بھرپور تھپڑ اس کے رخساروں پر زیان نے مارے تھے۔ اس کی آنکھوں سے گویا خون چھلک رہا تھا اور منہ سے گالیوں کا ایک طوفان امڈ آیا تھا۔ نبیل صورت حال کو بگڑتے دیکھ کر جان بچانے کی غرض سے بولا۔
"یہ میری بیوی ہے۔"
"جھوٹ بول رہا ہے۔ اس نے مجھے دھوکے سے یہاں بلوایا تھا اور۔۔۔" سارہ کے باقی الفاظ منہ میں ہی دبے رہ گئے تھے۔ زیان اسے چھوڑ کر نبیل کی طرف پھنکارتا ہوا بڑھا تھا۔ لاتوں اور گھونسوں سے نبیل کو مار مار کر لہولہان کر دیا تھا۔۔۔ نبیل کو بالوں سے پکڑ کر اسے گھسیٹتے ہوئے دو تین مرتبہ اس کا سر دیوار پر مار کر وہ زخمی شیر کی طرح پلٹا تھا۔ ہوٹل کی انتظامیہ بھی الرٹ ہو گئی تھی۔ نبیل کی حالت تشویشناک تھی۔ اس کے سر سے بھل بھل خون کے فوارے ابل رہے تھے اور شاید وہ بے ہوش بھی ہو چکا تھا۔
"سر! پرابلم کیا ہوئی؟" منیجر نے منمنا کر پوچھنا چاہا تھا۔ زیان اسے بھی دھکیل کر سارہ کا ہاتھ سختی سے پکڑے کھینچتا ہوا سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ وسیع و عریض ہال میں موجود کئی لوگوں نے تحیر سے انہیں اپنے قریب سے گزرتے دیکھا تھا۔
پارکنگ میں آ کر زیان نے فرنٹ ڈور کھولا اور پہلے اسے دھکا دے کر بٹھایا پھر گھوم کر دوسری طرف ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ جتنی اسپیڈ سے اس نے گاڑی پارکنگ سے نکالی تھی سارہ کا دل جو پہلے ہی سینہ توڑ کر باہر آنے کو بے تاب تھا اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ ہونٹ بھینچے، ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتا خاموشی سے گاڑی بھگائے جا رہا تھا اور سارہ مسلسل سر جھکائے آنسو بہاتی اس وقت کو کوس رہی تھی جب اس نے کرن کے سامنے نبیل کا منہ توڑ دینے کا چیلنج قبول کیا تھا۔ سارہ نے اپنے قول کے مطابق نبیل کی آفرز کو اس کے منہ پر مارا تھا اور تفاخر سے اسے اس کی اوقات یاد دلائی تھی مگر وہ بھی ایک نمبر کا خبیث تھا۔
پوری پلاننگ کر کے اس نے سارہ کو بلوایا تھا۔ اس دوران کرن کو بہانے سے واش روم میں بھیج کر اسے دھمکاتا ہوا اور لے آیا تھا اور اگر زیان نہ ہوتا تو اس بھیڑیے نے نجانے کیا حشر کرنا تھا۔ وہ مسلسل روتے ہوئے سوچ رہی تھی اور کانپ رہی تھی۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے
آسیہ سلیم قریشی کے 3 دلکش ناول

کتاب کا نام	قیمت
وہ پگلی سی دیوانی سی	-/450 روپے
آرزو گھر آئی	-/400 روپے
تھوڑی دور ساتھ چلو	-/400 روپے

ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/45 روپے

منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

www.pkdigest.com

سارہ کو اس پل اپنے اعتماد اور بولڈنیس سے نفرت محسوس ہوئی تھی جو اسے اندھی کھائی میں گرانے کو تیار تھے۔

اسے یوں لگ رہا تھا منیبہ اسے دیکھ کر روئے جا رہی ہے۔ سارہ کو اپنی چھوٹی بہن کی باتیں یاد آ رہی تھیں اور دل اتھاہ گہرائی میں ڈوب رہا تھا۔

"عورت کے پاس ایک ایسی آنکھ کا ہونا ضروری ہے جو مقابل کے اندر تک اتر جائے۔" سارہ کے سینے میں گویا کسی نے نیزے کی انی گھونپ دی تھی وہ درد کی شدت سے کراہی۔

"تم نے سچ کہا تھا منیبہ۔" اس نے گاڑی کی پشت سے سر ٹکا اور بلند آواز میں رونے لگی۔

اس کے پاس نہ وہ آنکھ تھی جو مقابل کے اندر تک اتر جاتی نہ وہ قوت تھی جو اچھے اور برے میں تمیز کرتی نہ اس نے باطن میں جھانکنے کی کوشش کی تھی۔ کتنا گھمنڈ تھا اسے کہ وہ آج کے دور کی باشعور اور بولڈ لڑکی ہے۔ اگر نبیل اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب ہو جاتا تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل رہ سکتی تھی اور پھر اس کی بیمار ماں یہ صدمہ کبھی بھی برداشت نہ کر سکتی۔

"میری بہنوں کو کون سا خوف لاحق تھا۔ کیا یہی، جس نے آج مجھے ذلتوں کے گڑھے میں اتار دیا تھا۔"

"بند کرو یہ ڈرامہ۔" زیان نے چلا کر کہا تو اس کے سوچوں کو بھی بریک لگ گئے مگر آنسو ایک تواتر سے جاری تھے۔

"میرا کوئی قصور نہیں زیان بھائی! وہ مجھے تنگ کر رہا تھا اور میں اسے بتانے آئی تھی کہ میری امی کی تربیت بہت مضبوط ہے۔ میں کسی شیطان کے بہکاوے میں نہیں آنے والی۔"

"تم وہاں لینے کیا گئی تھیں۔ میں نے پہلے بھی تمہیں فائیو اسٹار میں دیکھا تھا۔ اس وقت بھی یہی ـــــ تمہارے ساتھ تھا۔" زیان نے ایک نفرت بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

"جیسی ماں ویسی بیٹی۔" اس کے لبوں سے زہر میں بجھے الفاظ نکلے تو سارہ تڑپ اٹھی۔

"مجھے گالیاں دے لیں۔ مار لیں بلکہ جان سے ہی مار دیں مگر میری ماں کو گالی مت دیں۔"

"بتاؤ کیوں گئی تھیں تم اس کے ساتھ۔" زیان نے چلا کر کہا۔

"میری دوست کرن کی سالگرہ تھی۔ وہ ہی مجھے زبردستی لے کر گئی تھی۔ نبیل اس کا کزن ہے۔" اس نے روتے ہوئے بتایا تو زیان نے لب بھینچ لیے۔

"آپ نے مجھے پہچانا کیسے زیان بھائی!" سارہ نے سسکتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔ زیان نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ وہ اسے کیا بتاتا کہ اس گھر کے تمام مکین آج تک اس کے حافظے میں اول روز کی طرح محفوظ ہیں۔ اس کے دوست کہتے تھے کہ اگر زیان کسی شخص سے ایک مرتبہ مل لے اور پھر چالیس سال بعد دوبارہ اس شخص سے زیان کی ملاقات ہو تو وہ بغیر کسی تردد کے اسے نہ صرف پہچان لے گا بلکہ پہلی ملاقات کا پورا احوال بھی سنا ڈالے گا۔ اس نے نہ صرف سارہ بلکہ زروہ کو بھی پہچان لیا تھا اور اسے مبین اور مہک کے چہرے بھی یاد تھے اور فاخرہ کو تو کبھی وہ بھولا ہی نہیں تھا۔ اس کی زندگی کے ناسور۔

"زیان بھائی! آپ امی کو کچھ نہ بتایئے گا۔ وہ صدمے سے مر جائیں گی۔" اس نے بھنچی بھنچی آواز میں روتے ہوئے التجا کی تھی۔ زیان کچھ نہیں بولا تھا بس خاموشی سے ڈرائیونگ کرتا رہا۔

"افسوس اس بات کا ہے کہ اس گھر کی لڑکیاں اتنی آزاد خیال کیسے ہو گئی ہیں۔ تمہاری ماں نے اپنے اصول بدل لیے ہیں؟" اس کے لہجے میں بلا کی کاٹ تھی۔ سارہ اذیت سے لب کچلتی رہی۔

"جیسی ماں ویسی بیٹی۔" سارہ کو یوں لگا گویا زیان نے اس کے منہ پر تیزاب پھینک دیا ہے۔ اسے خالہ قمری کی ایک بات یاد آ گئی۔

"اولاد کے پاپ ماں کے کھاتے میں لکھے جاتے ہیں۔ قصور بچوں کا ہو۔ مجرم ماں ٹھہرائی جاتی ہے۔ کمبخت نے جنا جو ہوتا ہے۔ اری ماں کب چاہے ہے بچہ بگڑ جاوے۔"

"میری نیک 'فرشتہ صفت بھلی مانس ماں بے جرم کے معتوب ٹھہرائی جائے گی۔" اس نے بھبک بھبک کر روتے ہوئے کہا۔

ماں کا اور خود اپنا زیان کی نظروں سے گر جانے کا غم اسے کھائے جا رہا تھا۔ گاڑی اب اندرون شہر لاہور کی غلیظ اور تاریک گلیوں میں داخل ہو رہی تھی۔ سارہ نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا اور سرعت سے آنسو چادر کے پلو سے رگڑ رگڑ کر پونچھے۔ زیان نے ایک مرتبہ بھی اس سے گھر کا پتا نہیں پوچھا تھا۔

"تو کیا زیان بھائی کچھ بھی نہیں بھولے نہ یہ گلیاں نہ یہ سبز چوبارے والا ہمارا ٹوٹا پھوٹا مکان اور نہ ہی ہماری ماں سے کی جانے والی نفرت۔" وہ ڈوبتے دل کے ساتھ سوچ رہی تھی۔ گاڑی ایک جھٹکے سے اشرف کی دوکان کے قریب رکی۔ گلی میں جا بجا کوڑے کے ڈھیر گٹر کا بدبودار غلیظ پانی۔ ننگے کمزور اور میلے کچیلے بچے کواڑوں سے جھانکتی عورتیں اور بالکل عین مکان کے سامنے بے سروسامانی کی حالت میں کھڑی اس کی ماں، روتی بلکتی منیبہ اور مہک اور پوری گلی میں [illegible] ان کا بد رنگ ٹوٹا پھوٹا سامان بکھرا پڑا تھا اور اس کا نڈھال بھائی لڑکھڑاتے قدموں سے سامان کا ڈھیر لگا رہا تھا اور گالیاں بکتا چاچا رؤف۔

"تو کیا اس ذلیل نے مکان خالی کروا لیا ہے۔" اس نے لڑکھڑا کر دیوار کا سہارا لیا۔

"آؤ، آؤ، تم بھی دیکھ لو۔ میری منگ کو آگے بیاہنے کا انجام۔ میں شہر سے گیا تھا دنیا سے نہیں۔ تیری ماں نے چار دنوں میں مکاری کے ساتھ اسے بیاہ دیا۔ اب دھکے کھاتا گلیوں اور بازاروں میں یہ تیرا بیمار بھائی تو کچھ کرنے جوگا نہیں۔ بدبخت عورت تو! اپنے پیروں پر خود کلہاڑی ماری ہے۔ اتنا سستا مکان اسی لیے کرائے پر دے رکھا تھا۔ سسرال سمجھ کر قدر کی تھی مگر تم لوگ عزت کے قابل ہی کہاں تھے۔ بیس سالوں سے بٹھا رکھا تھا۔" وہ کفر بکتا چیخ چلا رہا تھا اور گلی میں تماشا دیکھتی عورتوں کا بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ ان عورتوں نے حیرانی سے چمکتی گاڑی میں سے نکلتی سارہ اور اس کے پیچھے آتے ایک خوش پوش نوجوان مرد کو دیکھا تھا۔

سارہ کی نظریں اپنی ماں کے رنگ بدلتے زردیاں گھلے چہرے پر تھیں جو ایک ٹک زیان عبیث کو دیکھے جا رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا گویا نگاہوں کے راستے دل میں اتار رہی ہیں اس وجیہہ چہرے کو۔ ان حسین سحر طراز آنکھوں کو جن میں آج بھی نفرت تھی حقارت تھی۔

آج نو سال بعد وہ پھر انہی راستوں پر کھڑا تھا۔ یہ وہ ہی گلیاں تھیں۔ ویسے ہی لوگ تھے۔ وہ ہی مکان تھا۔ اسی چوبارے کی سبز کھڑکی میں جھانکتا اس کا چہرہ زیان عبیث نے زندگی کا حاصل سمجھا تھا۔ جس سے زیان عبیث نے بے پناہ محبت کی تھی اور پھر بے شمار نفرت بھی نہ اس محبت کو کوئی حد تھی نہ اس نفرت کا کوئی شمار تھا۔

"زیان! میرا بچہ۔ میری جان۔" فاخرہ کے خشک لب پھڑپھڑائے۔ وہ دو قدم لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھیں۔ یوں کہ زیان اور ان کے درمیان چند قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

"جب چار دیواری کمزور ہو تو چور نقب لگانے آجاتے ہیں۔ مجھے تیرے مضبوط سہارے کی آج ضرورت ہے۔ دیکھ میرا سر ننگا ہو رہا ہے۔ اس بدنصیب ماں کی التجا سمجھ لے زیان! آج میرے اس یقین کو جھٹلا دے کہ تو عبیث جیسے پتھر کی اولاد ہے۔"

"میں آپ کے اس یقین پر مہر لگا کر جا رہا ہوں کہ میں اسی عبیث فریدی کا پتھر دل بیٹا ہوں۔ میرے باپ کے بارے میں اور کچھ مت کہیے گا۔ میرا باپ بدکار تھا۔ گناہ گار تھا مگر آپ کی طرح منافق نہیں تھا۔ بے درد نہیں تھا۔ اس نے مجھے محبت نہیں دی تو آپ کی طرح دھتکارا بھی نہیں تھا۔ آج جو کچھ میں ہوں اپنے باپ کی وجہ سے ہوں۔ مجھے بھی اس وقت ان بانہوں کی گرمی کی ضرورت تھی۔ اس وجود کے سہارے کی ضرورت تھی مگر اب نہیں۔ مجھے جینے کے تمام ڈھنگ معلوم ہو گئے ہیں۔ جس طرح آپ نے مجھے دھتکارا تھا اسی طرح میں آپ کو یہ باور کروا کر جا رہا ہوں کہ گزرے برسوں کے دوران یہ نفرت مزید نشوونما پاتی

www.pkdigest.com

رہی ہے۔ نفرت کا پودا جڑ پکڑ گیا ہے۔ یہ نفرت میری آخری سانسوں تک برقرار رہے گی۔ نہ آپ کو زبان کی اس وقت ضرورت تھی اور نہ زبان کو اب آپ کی چاہ ہے۔ نفرتوں کے اس سلسلے کو قبر تک میرے ساتھ جانا ہے۔ آپ کی بیٹی کو باحفاظت آپ تک پہنچا دیا ہے۔ اسے میرا احسان سمجھیے گا۔" وہ آخری حقارت بھری نگاہ ان پر ڈالتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا دور بہت دور نکلتا چلا گیا تھا۔ اپنی ماں کے دل سے بھی دور۔

"میں نے آخری مرتبہ تجھے رو دیا زبان! اب تیرے نام کا آنسو میری آنکھ میں نہیں اترے گا۔" انہوں نے مبین کا بازو تھاما اور زیر لب بڑبڑائیں۔

"اماں! پتھروں سے سر نہیں پھوڑتے۔ اس سے میری رانیہ کا تو پوچھ لیا ہوتا۔ وہ تو ہماری یاد میں تڑپتی ہو گی۔" مبین نے تھکے تھکے لہجے میں کہتے ہوئے تینوں بہنوں کو ساتھ لگا لیا۔

"بھائی! اب ہمیں یہاں نہیں رہنا۔" مہک نے مبین سے لپٹ کر کہا۔ یہ لٹا پٹا قافلہ انجانی منزل کی طرف چل پڑا تھا۔ نڈھال وجود اور غمزدہ دل لیے وہ ان گندی گلیوں سے دور ہوتے جا رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

زرین تک وصی کے ارادوں کی بھنک پہنچ چکی تھی۔ رمیز نے کل رات ہی اس سے بات کی تھی۔ جی تو چاہ رہا تھا رمیز کو کھری کھری سنا دے مگر بھائی اگرچہ وہ چھوٹا ہی تھا مگر کچھ معاملوں میں زرین اس سے دبتی بھی تھی۔

وہ صبح سے وصی کا انتظار کر رہی تھی مگر اسے بھی شاید ماں کے ارادوں کی خبر ہو گئی تھی۔ اس لیے جل دے کر نکل گیا تھا۔ مگر اب زرین اس کا انتظار کرتے ہوئے خوب بھنا بھی رہی تھی۔ جوں ہی وصی کی بائیک کی آواز آئی وہ پہلے سے ہی اٹھ کر اس کے کمرے میں پہنچ چکی تھی۔

وصی گنگناتا کمرے میں داخل ہوا اور ماں کو دیکھ کر اس کے ہاتھوں کے تمام کبوتر طوطے ہوا میں پرواز کر گئے۔

"کیا ماما نے امی کو بتا دیا ہے۔ یا اللہ خیر۔" اس نے بے ترتیب دھڑکنوں کو ڈپٹا اور فلمی اسٹائل میں زرین کے پاؤں چھو کر گنگنایا۔

"میری پیاری امی جان!
میرے سارے امتحان۔
تیرے ہی دم سے آسان ہوئے۔"

"آج پھر سے لیٹ آئے ہو؟" زرین نے کڑے تیوروں سے اسے گھورا اور اپنے پیروں سے اس کے ہاتھ ہٹائے۔

"شادی کر دیں۔ رمیز ماما کی طرح جلدی جلدی گھر آجایا کروں گا۔" اس نے خوشامدی مسکان لبوں پر سجا کر کہا۔ آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"بہت اتاولے ہو رہے ہو شادی کے لیے۔" زرین تو آگ بگولا ہو کر رہ گئی تھی۔

"یہ آج کل کے بچے نہ شرم ہے نہ حیا۔" اس نے تلخی سے سوچا اور وصی کو گھورنے لگی جو بہت معصومیت سے کہہ رہا تھا۔

"شادی کے لیے نہیں منگنی کے لیے اتاولا اور باولا ہو رہا ہوں۔"

"تمہارے لیے نومیہ کی بھانجی میں نے دیکھ رکھی ہے۔ ان شاء اللہ جلد ہی منگنی کر دوں گی۔" زرین نے لہجہ بدل کر وصی کو پچکارنے کے سے انداز میں کہا تھا۔

"نومیہ مامی کی بھانجی۔۔۔ قطعاً" نہیں، کبھی بھی نہیں۔ اس سے شادی کرنے سے بہتر ہے میں خودکشی کر لوں۔۔۔ میرے نویز ماما کی جو حالت کر رکھی ہے اس کی خالہ جان نے ویسی ہی درگت میری بھی بنا کر رکھ دیں گی۔ نویز ماما کی طرح میں بھی اپنی سدھ بدھ بھول جاؤں گا۔" وصی نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"مجھ سے خود نویز نے بات کی تھی۔ اکلوتی ہے بیٹا' اچھی خاصی پراپرٹی کی مالک۔" زرین نے اسے لالچ دینا چاہا۔

"معذرت کے ساتھ امی! ایسی ہی سطحی سوچ۔ وہ بھی میرے بارے میں اور پھر بیٹا لی بی' اکلوتی مجھے لے اڑے گی۔ گھر داماد بنائیں گے خود نومیہ مامی بھی ایک دن کہہ رہی تھیں۔" وصی نے ماں کو خوفزدہ کرنا چاہا تھا۔ زرین کو قطعاً" اس کی بات پر یقین نہیں آیا۔

"جھوٹ مت بولو۔"

"سچ کہہ رہا ہوں امی! انہوں نے بیٹا کے شوہر کو گھر داماد بنانا ہے۔ وہ قربانی کا بکرا میں بنوں یا کوئی اور۔۔۔ ان لوگوں کے یہی خطرناک ارادے ہیں۔" وصی نے پرزور لہجے میں ماں کے گھٹنوں پر دباؤ ڈال کر کہا۔

"مگر نویز نے میرے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں کی۔" زرین نے حیرت سے کہتے ہوئے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

"میری واحد پونجی' ایسے ہی اٹھا کر دے دوں۔"

"امی! مجھے کسی ڈیکوریشن پیس کو گھر نہیں لانا زروہ مامی جیسی لڑکی ہو تو ٹھیک ہے۔ ورنہ میں شادی نہیں کروں گا۔" اس کا فیصلہ اٹل تھا۔ زرین بھنا کر رہ گئی۔

"زروہ کی بہن کا بھوت جو سر پر سوار ہے مگر وصی تم جو مرضی کہہ لو بیٹا نہ سہی کوئی اور دیکھ لوں گی مگر منیبہ میری بہو ہرگز نہیں بنے گی۔"

"مگر کیوں؟ کیا وجہ ہے؟" وصی نے غصے سے کہا۔

"امی! پلیز یوں مت کہیں۔ ماما کے حوالے سے وہ سب ہمارے لیے قابل احترام ہیں۔ اور یہ خالص میری خواہش ہے۔ اس میں منیبہ کا کیا قصور۔" اس نے نرمی سے ماں کے ہاتھ تھامے اور مزید بولا۔

"امی! زروہ مامی بہت اچھی ہیں۔ یہ صرف میں ہی نہیں کہہ رہا۔ نانو بھی کہتی ہیں' ماما اور ثمن بھی ان کے گرویدہ ہیں۔ ان کی اچھی عادتوں کی وجہ سے' وہ سب کا احساس کرتی ہیں۔ سب کا خیال رکھتی ہیں۔ کم از کم وہ نومیہ اور ثنا مامی جیسی بالکل نہیں۔ اور اندر سے تو آپ بھی ان کی اچھائیوں کو تسلیم کرتی ہیں مگر زبان سے اظہار نہیں کرتیں۔ ہماری نانو کا انتخاب بیسٹ ہے۔ اب دیکھیں نا' مامی اتنے دنوں سے ہمارے ساتھ ہیں۔ آپ جو مرضی کہہ لیں' انہوں نے کبھی پلٹ کر آپ کو جواب نہیں دیا۔ ورنہ جب نویز ماما لوگ ادھر رہتے تھے تو ہر وقت ایک سرد جنگ رات دن سب کو ذہنی اذیت میں مبتلا رکھتی تھی۔" وصی نے چوٹ ٹھیک جگہ لگتی دیکھ کر گلا کھنکارا اور ماں کے ہاتھ دباتے ہوئے کہنے لگا۔

"امی جان! میں آپ پر کچھ باتیں واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ نویز اور نوید ماما اس وقت الگ ہو گئے تھے جب ہم دونوں بہت چھوٹے تھے اور رمیز ماما بھی اپنے پیروں پر نہیں کھڑے ہوئے تھے۔ آپ جانتی ہیں نانو کی تمام تر قربانیوں کو نویز ماما بھی تسلیم کرتے ہیں مگر انہوں نے اپنا گھر بچانے کی خاطر نانو کو چھوڑ دیا تھا اور یہ صرف آپ کی وجہ سے ہوا تھا۔ آپ اور ثنا مامی کی ہمہ وقت لڑائیوں کی وجہ سے ماما لوگوں نے نانو سے الگ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اب وہ لوگ نانو کو اپنے گھر لے کر جانا چاہتے ہیں مگر نانو نہیں مانتیں صرف اس لیے کہ آپ کا دل نہ دکھے۔ نانو صرف آپ کی خاطر زروہ مامی جیسی لڑکی ڈھونڈ کر لائی ہیں تاکہ ہم سب مل جل کر رہیں۔ امی! آپ زروہ مامی کی نہیں درپردہ نانو کے انتخاب کی نفی کرتی ہیں۔ نانو کو بہت تکلیف ہوتی ہے جب آپ مامی سے تلخ کلامی کرتی ہیں مگر انہوں نے کبھی آپ کو نہیں جتایا۔" وصی خاموش ہوا تو زرین بے چین سی ہو گئی اور حیرت سے سوچنے لگی کہ یہ وصی کس قدر باریک بینی سے تجزیہ کرتا رہا ہے۔

"امی! ایک بات اور میں آپ کو بتانا چاہوں گا کہ آج میں جتنے بھی آپ کے سامنے دعوے کروں انہیں سچ نہ مانیے گا اگر میری بیوی بھی آپ کی بھابھیوں جیسی ہوئی تو مجھے بھی گھر بچانے کی خاطر آپ کو چھوڑنا پڑے گا۔ اگر بیتا بیگم جیسی کوئی آگئی نا۔ تو جب آپ کو نانو کی طرح گھٹیا کا درد ہوا تو کسی نے تخت پر بیٹھا کر خدمت نہیں کرنی' احساس نہیں کرنا نہ ہی پھر آپ بیٹھ کر حکم چلا پائیں گی۔" وصی نے بات کے اختتام پر شرارتی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر کہا تو زرین گہری سوچوں میں ڈوبی بغیر کچھ کہے گم صم سی اٹھ کر چلی گئی تھی۔ اور وصی ہرا کا نعرہ لگا کے واش روم میں گھس گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

www.pkdigest.com

وہ معمول کے مطابق چیک اپ کروا کے جوں ہی کلینک سے باہر آئی تو آسمان نے موٹی موٹی بوندیں برسانا شروع کردی تھیں۔ گھر سے نکلتے وقت تو بارش کا یوں ٹوٹ ٹوٹ کر برسنے کا کوئی ارادہ نہیں لگتا تھا۔ مگر اب لمحوں میں جل تھل ہو گئی تھی۔

اس نے احتیاط سے گاڑی اسٹارٹ کی اور موبائل پر حنا کا نمبر پریس کیا۔ وہ لوگ ابھی تک ہسپتال میں تھے۔ رات کو انکل کی طبیعت خراب ہو گئی تھی جس کی وجہ سے حنا نے ان کو ایڈمٹ کروا دیا تھا۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔ حنا نے کال ریسیو کی۔

"انکل کی طبیعت کیسی ہے؟" عنوہ نے چھوٹتے ہی پوچھا تو اس کی بھیگی آواز سنائی دی۔

"اب پہلے سے بہتر ہیں۔"

"کب تک ڈسچارج کریں گے انکل کو۔" اس نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ابھی کچھ بتایا نہیں ڈاکٹرز نے۔۔۔۔ زیان بھائی اور حشام آئے تھے۔" حنا نے بتایا تو محض اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے وہ شرارتاً بولی۔

"زیان تو بھائی ہوئے۔ حشام کو کس خوشی میں بھائی نہیں بنایا۔"

"حشام کو تم بھائی بنا لو۔" حنا نے اس کی شرارت سمجھ کر کہا۔

"اف ہو' مینڈکی کو بھی زکام ہو گیا ہے۔" عنوہ نے اسے چھیڑا تو وہ چڑتے ہوئے بولی۔

"مینڈکی کسے کہا ہے؟"

"تمہیں۔"

"زیان بھائی کے ساتھ رہتے ہوئے تم بہت تیز ہو گئی ہو۔ پہلے ایسی نہیں تھیں۔ بولنا بھی نہیں آتا تھا۔ ادھر تمہارے صاحب بھی اپنے دوست کے ہمراہ آئے تھے۔ ابو کی طبیعت پوچھ کر ان کے سامنے ہی پتا ہے کیا فرمانے لگے؟" حنا خجل سی ہو کر اسے کچھ بتاتے ہوئے رکی تو عنوہ نے بے چینی سے پوچھا۔

"کیا فرمایا تھا زیان نے۔"

"بس کچھ نہ پوچھو۔" حنا کو ڈھیروں شرم نے آن گھیرا۔

"بھول بھی چکو۔" اس نے مصنوعی غصے سے حنا کو جھاڑا تو وہ جلدی سے بولی۔

"ابو کے سامنے ہی کہنے لگے تم دونوں کوریڈور میں جا کر گفت و شنید کر لو اور پھر ابو کو بطور خاص مخاطب کر کے موصوف نے بتایا کہ انکل! یہ آپ کی عیادت کرنے نہیں حنا سے کچھ بات کرنے آیا ہے باقی آپ خود سمجھ دار ہیں۔ جہاں ابو بے چارے خجل ہو کر مسکرائے وہیں حشام کا رنگ بھی اڑ گیا اور میرے بارے میں تو تم پوچھنا بھی مت۔ جی چاہ رہا تھا زمین پھٹے یا پھر جادو کی چھڑی سے میں غائب ہو جاؤں۔ سچ بہت ہی منہ پھٹ ہیں تمہارے شوہر نامدار۔"

"اللہ توبہ! زیان بھی حد ہی کرتے ہیں۔" عنوہ کی ہنسی چھوٹ گئی تھی اور دوسری طرف حنا نے بھنا کر یہ کہتے ہوئے فون بند کیا۔

"تم سے ہمدردی کی توقع نہیں کرنی چاہیے تھی۔"

عنوہ نے ہنسنے کی وجہ سے آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کیا اور موبائل ڈیش بورڈ پر پھینک کر گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔ گھر آئی تو مس نینی نے بتایا۔

"میم! آپ کے خانساماں زینو بابا کا فون آیا تھا۔ ان کے پوتے کی طبیعت خراب ہے۔"

"اوہو۔۔۔ میں نے انہیں کچھ پیسے دیے تھے۔ زیان تو اس وقت دفتر ہوں گے۔ فون کر کے پوچھتی ہوں۔" وہ سوچتے ہوئے فون اسٹینڈ کی طرف بڑھ گئی تھی۔ زیان کی سیکرٹری نے کال ریسیو کی تھی۔

"زیان سے بات کروائیں۔"

"میڈم! آپ کچھ دیر بعد فون کیجیے گا۔ سر میٹنگ روم میں موجود ہیں۔ کوئی بھی کال اس وقت ریسیو نہیں کریں گے۔" سیکرٹری نے شائستگی سے کہا تو وہ سرعت سے بولی۔

"آپ انہیں بتائیں عنوہ کا فون ہے۔"

"سوری میڈم! سر غصہ کریں گے۔"

"مس سیکرٹری! آپ انہیں بتائیے کہ مسز زیان بات کر رہی ہیں۔" عنوہ نے تنگ آ کر کہا تو سیکرٹری گھبرا

اٹھی۔

"آپ پہلے بتا دیتیں۔ آپ سر کی مسز ہیں میں ابھی بات کرواتی ہوں۔"

"کیا بات ہے عنوہ! تم ٹھیک تو ہو؟ کیوں فون کیا ہے؟" کچھ دیر بعد زیان کی آواز ایئرپیس سے ابھری تھی۔ وہ تیز تیز بول رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ طبیعت بھی فرسٹ کلاس ہے۔ ابھی ڈاکٹر کے پاس سے ہو کر آ رہی ہوں۔" عنوہ سمجھ گئی تھی کہ وہ اس کے فون کرنے کی وجہ سے پریشان ہو گیا ہے۔ کیونکہ آج سے پہلے اس نے کبھی زیان کو آفس فون جو نہیں کیا تھا۔

"مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے۔" اس نے اپنے فون کرنے کی وجہ بیان کی تو زیان نے خفگی سے کہا۔

"میری جان نکال کر رکھ دی ہے۔ پہلا خیال یہی آیا تھا کہ تم کہیں بیمار نہ ہو گئی ہو۔ تمہاری طبیعت بھی تو ایسی ہو رہی ہے آج کل' میرا تمام اندرونی نظام ہلا کر رکھ دیا ہے تم نے ابھی تک ہارٹ بیٹ نارمل نہیں ہو رہی۔ کمال کرتی ہو یار! پہلے بھی بتایا تھا اگر پیسوں کی ضرورت ہو تو بلا جھجک سیف میں سے نکال لینا۔"

"میں کیا اتنی خاص ہوں آپ کے لیے؟" اس نے بڑے شوخ انداز میں پوچھا تھا۔

"اس دلبرانہ انداز پر بے ہوش نہ ہو جاؤں میں۔ یوں مت کہو' ایسا نہ ہو کہ میں تمام فائلیں بھاڑ میں جھونک کر بھاگتا ہوا گھر آ جاؤں اور پھر دوانے۔۔۔ ارے یار آگے کچھ نہیں بولتا۔۔۔ مت گھورو مجھے۔"

"ہیں' انہیں کیا ہوا ہے؟" عنوہ نے حیرت سے سوچا۔ دوسری طرف زیان کی ہنسی سنائی دے رہی تھی۔ یقیناً" اس کے ساتھ آفس میں کوئی اور بھی موجود تھا۔ عنوہ کے رخسار تپنے لگے۔

"ایک تو زیان بھی دائیں بائیں دیکھے بغیر شروع ہو جاتے ہیں۔"

"سوری عنوہ! گھر آ کر بات ہو گی۔ یہ حشام خبیث شرم سے دوہرا ہو رہا ہے۔ اس کی گھوریوں کی مجھ میں تاب نہیں ہے۔ او کے' اپنا خیال رکھنا اور لنچ بھی ٹھیک طرح سے کر لینا میری جان پر احسان کرتے ہوئے۔"

عنوہ فون کریڈل پر رکھ کر بالوں میں ہاتھ چلاتی مسکراتے ہوئے اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔ سیف کی چابی دراز میں سے نکال کر اس نے لاک کھولا۔

"اف اتنے نوٹ۔" عنوہ نے جھرجھری لے کر ترتیب سے رکھی نوٹوں کی اونچی ڈھیری کو دیکھ کر سوچا' پیسو' فرانک' بولیوانو ـــــ پونڈز اور نہ جانے کون کون سے ملکوں کی کرنسی اکٹھی کر رکھی تھی۔

"ایک وقت ایسا آیا تھا جب مجھ پر دولت اکٹھی کرنے کی دھن سوار ہو گئی تھی۔ یہ سب میری محنتوں اور جنون کا حاصل ہے۔ ان میں بلیک منی کا کچھ حصہ نہیں۔" ایک مرتبہ زیان نے نجانے کس دھن میں اسے بتایا تھا۔ ورنہ اسے تو اپنے ماضی کے بارے میں بات کرنا سخت ناپسند تھا۔

عنوہ نے صرف بیس ہزار روپے نکال کر لاک بند کرنا چاہا مگر اس بڑے سیف میں موجود ایک اور سیف کو دیکھ کر قدرے ٹھٹک گئی۔ پہلے بھی سوچا کہ زیان کی کچھ ضروری چیزیں یا کرنسی وغیرہ ہی ہو گی مگر پھر تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے ہاتھ میں پکڑی چابیوں کے گچھے میں سے سب سے چھوٹی گولڈن کلر کی چابی سے لاک کھولا تو کلک کی آواز کے ساتھ چھوٹا سا دراز خود بخود باہر نکل آیا تھا۔ عنوہ نے اشتیاق سے دراز میں جھانکا۔ تین چار فائلیں۔ ایک موٹی سی چین جس کے عجیب سی انسانی شکل والے لاکٹ میں Durya لکھا تھا۔

اس نے فائلوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر بے زاری سے دراز میں پٹخنے لگی تو نچلی فائل سے ایک تصویر جھانکنے لگی تھی۔ عنوہ نے کھینچ کر تصویر کو نکالا اور ہاتھ میں پکڑ کر بغور دیکھنے لگی۔ اس کے دل کی رفتار معمول سے ہٹ کر تھی۔

ایک ہنستی مسکراتی لڑکی کی بہت دلکش تصویر تھی۔ خصوصاً" آنکھیں بہت خوب صورت تھیں اور نچلے ہونٹ کے پاس ابھرا سا تل بہت جاندار لگ رہا تھا۔ گویا اس تل میں اس کے پورے چہرے کی خوب

www.pkdigest.com

صورتی تھی۔ عنوہ نے تصویر کو ہر اینگل سے دیکھا تھا۔ تصویر کی بیک سائیڈ پر واضح لفظوں میں لکھا تھا۔

Durya my love۔

عنوہ نے کپکپاتے ہاتھوں سے دراز بند کیا اور تصویر اٹھا کر باہر چلی آئی۔ مس نغمی نے حیرت سے بھاگ کر سیڑھیاں چڑھتی عنوہ کو دیکھا تھا اور پھر خود بھی دھیمے قدموں سے چلتی ہوئی اس کے پیچھے آگئی۔

"رانیہ! میں تم سے کچھ پوچھنے آئی ہوں۔ پلیز سچ سچ بتانا۔ کیا زیان کی زندگی میں ہم دونوں کے علاوہ بھی کوئی عورت تھی۔"

مس نغمی کو زور کا چکر آیا تھا۔ اس نے حیرت سے بت بنی رانیہ کی طرف دیکھا تھا جو ساکت صامت اس طرح کھڑی تھی گویا کبھی دوسرا سانس لے گی ہی نہیں۔ رانیہ کے چہرے کی رنگت پہلے زرد اور پھر سفید پڑ گئی۔

بہت پہلے عنوہ کی چھٹی حس نے جو ہنٹس اسے دیئے تھے۔ وہ سب بے بنیاد نہیں تھے۔ زیان کی وہ باتیں جو اس نے عالم مدہوشی میں کی تھیں ان کی کڑی اسی نام سے کہیں نہ کہیں ضرور ملتی تھی۔

"دھندلی عورت۔۔۔" زیان کا آنکھیں انداز پردہ اسکرین پر لہرایا تو وہ خود کڑی سے کڑی ملانے لگی۔

"بے حیا اور بے غیرت عورت تھی' میری روح کا ناسور۔۔۔ میری زندگی کا عذاب۔" عنوہ کی رگیں تن سی گئیں۔

"دریہ' مائی لو۔" تصویر کے پیچھے چمکتے الفاظ۔

"دریہ تمہاری ماں جیسی۔۔۔ میں تمہارے باپ جیسا۔" وہ پھر سے الجھنے لگی۔ آخر یہ کچھ بتاتی کیوں نہیں۔۔۔ زیان اسے مار تو نہیں دے گا۔ یہ کیوں اتنی خوفزدہ ہے؟ کیا کوئی عورت اپنے شوہر کو دوسری شادی کی اجازت دے سکتی ہے؟ اور شوہر بھی ایسا جس نے کبھی اس کا نام لینا گوارا نہیں کیا۔ جو اس کی شکل تک دیکھنے کا روادار نہیں رانیہ کے پتھر وجود میں حرکت ہوئی اور وہ لرزتے قدموں سے چلتی ہوئی صوفے پر ڈھے گئی۔ اس کی سانسیں دھونکنی کی مانند چل رہی تھیں۔

عنوہ بے تابی سے اس کے قریب گھٹنوں کے بل کارپٹ پر بیٹھ کر التجائیہ بولی۔

"رانیہ! پلیز مجھ سے کچھ مت چھپانا۔ مجھے یقین ہے تم جانتی ہو گی کہ یہ تصویر والی لڑکی کون ہے؟" اس نے دوپٹے میں چھپائی دریہ کی تصویر رانیہ کے سامنے کی تو وہ وحشت کے عالم میں چلانے لگی۔

"میں نہیں جانتی یہ کون بلا ہے۔ ناسور ہے یہ' دیمک ہے۔ جس نے مجھے چاٹ لیا۔ لاؤ میں اسے پھاڑ دوں۔ آگ کے حوالے کر دوں۔ اس نے مجھے جلایا ہے۔ میں اسے جلا دوں۔" وہ بلند آواز میں دھاڑیں مار مار کر رونے لگی تھی۔

"کیا تعلق ہے اس لڑکی کا زیان سے؟" اس نے سختی سے رانیہ کو بازوؤں سے پکڑ کر جھنجوڑا۔

"مجھے نہیں پتا۔" رانیہ نے تنفر سے کہا۔

"تم سب جانتی ہو بس مجھے بتانا نہیں چاہتیں۔"

"یہی سمجھ لو۔" اس کا انداز مبہم تھا۔

"دریہ کا زیان سے کیا رشتہ ہے؟" عنوہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سختی سے پوچھا تو وہ نظریں چرا کر چلائی۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔ ہزار مرتبہ بھی یہی کہوں گی۔ چاہے تم جو مرضی کر لو۔ کسی چھینی سے میرا سر پھاڑ دو۔ کوئی خنجر میرے سینے میں اتار دو۔ کسی بھالے سے دل چیر دو۔ کسی موچنے سے آنکھیں نوچ لو یا کسی کدال سے زمین کھود کر مجھے زندہ اس میں دفن کر دو۔ میں یہی کہوں گی کہ مجھے کچھ نہیں پتا۔"

"زیان تمہارا شوہر ہے اور تم اس کا ماضی نہیں جانتیں تو سالوں سے اس کے ساتھ ہو۔" عنوہ نے حیرت سے کہا تو وہ چبھتے لہجے میں چنگھاڑی۔

"وہ میرا نہیں صرف تمہارا شوہر ہے۔" رانیہ نے چبا چبا کر ایک ایک لفظ ادا کیا۔

"اس کے نکاح میں ہو۔ کیوں؟ کس لیے؟ طلاق کیوں نہیں لیتیں اس سے' چھوڑ کیوں نہیں دیتیں اسے؟" اس نے زہریلے انداز میں کہا۔

"اپنے حصے کا عذاب بھگت رہی ہوں۔" رانیہ غصے

کے عالم میں شاید پھٹ پڑتی مگر جوں ہی مس نغمی پر نظر پڑی وہ خوفزدہ ہو کر خاموش ہو گئی۔ عنوہ نے بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا اور پھر گہری سانس کھینچ کر غصے سے پلٹی۔

"کیا لینے آئی ہیں یہاں؟ ہماری کوئی حیثیت نہیں اس گھر میں۔ اپنی مرضی سے کچھ بول بھی نہیں سکتے۔ ہمیں سانس بھی آپ سے پوچھ کر لینا چاہیے۔"

"میم! پلیز آپ نیچے چلیے۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں' بی پی لو ہو جائے گا۔ صاحب کو پتا چلا تو وہ طوفان کھڑا کر دیں گے۔" مس نغمی پر اس کے چیخنے چلانے کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"آپ جا سکتی ہیں۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"میم! غصہ مت کریں۔ رانیہ بی بی آپ کو کچھ نہیں بتا سکتیں۔ آپ نے جو پوچھنا ہے صاحب سے پوچھیے۔ ہم میں سے کوئی بھی زبان کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ نہ رانیہ بی بی نہ میں۔" مس نغمی نے معنی خیزی سے اپنی بڑی بڑی آنکھیں گھمائیں۔

"آپ اس تصویر کو جانتی ہیں؟" نتائج کی پروا کیے بغیر عنوہ نے ہاتھ میں پکڑی تصویر مس نغمی کی آنکھوں کے سامنے لہرائی تو وہ اک پل کے لیے تو ششدر رہ گئی تھی۔

"یہ تصویر آپ کو کہاں سے ملی؟"

"میری بات کا جواب دیں۔" عنوہ زچ ہو کر چلا اٹھی۔ مس نغمی نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں اور پھر بغیر کچھ کہے تیزی کے ساتھ سیڑھیاں اتر گئی تھی۔ یقیناً" زیان کو باخبر کرنے گئی تھی مگر عنوہ پر تو سب کچھ جان لینے کا بھوت سوار تھا۔ مس نغمی کے نکلتے ہی اس نے تشکر بھرا سانس خارج کیا۔

"دریہ کو نہ سہی زروہ کو تو جانتی ہو گی؟" اس نے بہت سوچ سمجھ کر رانیہ کو گھیرا تھا۔ اس کی توقع کے عین مطابق وہ چونک اٹھی۔

"تم ملی ہو ان سے؟" رانیہ کے لبوں سے سرگوشی نما آواز نکلی۔

"ہاں۔۔۔"

"کب؟ کس جگہ؟ کیسے جانتی ہو تم انہیں۔" اس نے بے قراری سے کہا۔

"جیسے تم دریہ کو جانتی ہو اور مجھے بتانا نہیں چاہتیں بالکل اسی طرح میں زروہ کو جانتی ہوں اور تمہیں بھی نہیں بتاؤں گی۔" عنوہ جان بوجھ کر مبہم سا مسکرائی تو رانیہ بے چین ہو گئی۔ اس کی بے چینی آنکھوں سے ہویدا تھی۔ کچھ ماضی کے پردوں پر لہراتی یادیں اس کی نگاہوں میں کرچیاں چبھونے لگی تھیں۔

"مبین۔۔۔" اس کے لبوں سے اک نوحہ نما آہ برآمد ہوئی اور دوسرے ہی پل وہ دوڑتے ہوئے دروازہ لاک کر کے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ نجانے کون کون سے زخموں سے ٹانکے ادھڑ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"مبین۔" عنوہ زیر لب بڑبڑائی۔

"یہ مبین کون ہے؟" اس نے جھنجلا کر سوچا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیڈ پر ڈھے گئی۔

"نو جی ایک اور نئی کہانی۔" اس نے تھک کر سوچا۔

"میں تو پاگل ہو جاؤں گی اس الجھے ریشم کو سلجھاتے سلجھاتے۔" عنوہ نے پیروں کی انگلیاں دباتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ اسی پل ماریہ دندناتے ہوئے بغیر ناک کیے اس کے بیڈ روم میں چلی آئی۔ عنوہ تو اس بدتہذیبی پر سنگ کر رہ گئی تھی۔ اس نے تمام مینرز بھلا کے یکدم چلا کر کہا۔

"کسی کے بیڈ روم میں انٹر ہونے سے پہلے ناک کر لینا چاہیے۔"

"اس وقت تو زیان آفس میں ہوتا ہے۔ اسی لیے میں۔۔۔" ماریہ نے معنی خیزی سے اونچا سا قہقہہ لگایا تو اس نے تیکھے انداز میں طنزیہ کہا۔

"اسی لیے آپ منہ اٹھا کر بغیر ناک کیے اندر گھس آئی ہیں۔"

"تم تو اچھا خاصا بول لیتی ہو۔ اس دن پارٹی میں تو بھیگی بلی بن کر بیٹھی تھیں۔" ماریہ نے شرمندہ ہونا کہاں سیکھا تھا۔

www.pkdigest.com

"مگر اس بلی کے تو پنجے بھی تیز ہیں اور دانت بھی۔" وہ بلاوجہ ہی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ عنوہ نے ناگواری سے اسے دیکھا اور بولی۔

"تم ذرا احتیاط سے رہنا۔ کہیں تم میرے ہدف کا نشانہ نہ بن جانا۔"

"میں کبھی نہیں۔" ماریہ نے آنکھوں میں آئی نمی کو ٹشو کے ساتھ نزاکت سے صاف کیا۔

"بلی کے پنجے تیز ہوں تو وہ حملہ بھی کر سکتی ہے۔" اس نے مبہم انداز میں مسکرا کر کہا۔

"پھر کچھ مشکل پسند بھی ہو۔ آخر ایک مشکل ترین مہم جو اور پتھر کے آدمی کا ساتھ ہے۔ جس کے اعصاب اس قدر مضبوط ہیں کہ کوئی حادثہ اس پر اثر نہیں کر سکتا جو ہر ڈار کیسٹ آورز (بدترین وقت) میں فولاد کی دیوار بن جاتا ہے۔ ورنہ زیان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ضرور سوسائیڈ کر لیتا۔" ماریہ اسے غائبانہ سراہتے ہوئے بولی تھی۔

"کون سا بدترین وقت۔ میرا نہیں خیال کہ زیان کی زندگی میں ایسا کوئی وقت آیا ہو گا۔" اس نے چونک کر کہا۔

"اونہہ۔۔۔ تم کتنا جانتی ہو اسے؟" ماریہ نے بھنویں اچکا کر ناقابل فہم انداز میں اسے دیکھا۔

"اور تم بتاؤ تم کتنا جانتی ہو زیان کو۔" وہ کچھ ٹھٹک کر حیرت زدہ سی بولی تھی۔

"ماریہ کچھ نہ کچھ ضرور دریہ کے بارے میں جانتی ہو گی بلکہ رانیہ کے متعلق بھی۔" اس کے ذہن میں کچھ اسپارک ہوا تھا۔

"بچپن سے جانتی ہوں زیان کو۔ امریکہ میں بھی ہم ساتھ تھے۔" اسی پل ماریہ کا سیل فون بج اٹھا تھا۔ وہ فون پر مصروف ہو گئی۔ عنوہ اسے بے زاری سے سن رہی تھی۔

"کب آئے پاکستان' اوہو یہاں لاہور میں ہو۔ کیوں نہیں' آج شام کو ملیں گے۔ تم ہوٹل میں کیوں ٹھہرے ہو' زیان کو نہیں بتایا ہو گا ورنہ وہ تمہیں کبھی بھی ہوٹل میں رکنے نہ دیتا۔ بہت ڈفر ہو تم املاک۔ کہاں سے آئے ہو؟ اچھا اچھا' عمرہ کرنے گئے تھے ابھی تک مولوی ہو۔۔۔ میں نے سمجھا کچھ بدل گئے ہو گے۔ ہاں' میں اس وقت زیان کے بیڈ روم میں موجود ہوں۔" ماریہ نے ایک آنکھ دبا کر بہت گھٹیا سا اشارہ کیا تھا۔ وہ خفت سے سرخ پڑ گئی۔

"ارے یار! ہماری ایسی قسمت کہاں۔۔۔ زیان نہیں گھاس ڈالنے والا۔" ماریہ کھلکھلائی۔ سیل فون کان سے ہٹایا اور اسے ہولڈ کرنے کا کہہ کر عنوہ کو بتانے لگی۔

"زیان کا اور میرا بیسٹ فرینڈ ہے املاک ہم اسے ملا کہتے ہیں۔"

"تو میں کیا کروں۔" عنوہ نے جل کر سوچا۔ ماریہ پھر سے فون پر مصروف ہو گئی تھی۔

"تمہارے لیے بھی ایک گڈ نیوز ہے۔ زیان شادی کر چکا ہے۔" یہ خبر کچھ حاسدانہ انداز میں دوسری طرف پہنچائی گئی تھی۔ عنوہ چونک سی گئی۔

دوسری طرف املاک اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے پر دبا دبا جوش تھا۔

"تم سچ کہہ رہی ہو۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے اتنا خوفناک جھوٹ بولنے کی۔" ماریہ نے ناگواری سے کہا۔

"تمہارے لہجے سے حسد کی بو سونگھ کر مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ زیان کی بیوی کم از کم تم نہیں ہو سکتیں۔ پھر اس کے بیڈ روم میں کس خوشی میں موجود ہو؟" املاک نے خوشدلی سے طنز کا تیر پھینکا تھا۔ ماریہ جلبلا سی گئی۔

"ہم فرینڈز بھی تو ہیں۔"

"فرینڈز صرف ڈرائنگ روم اور لاؤنج تک محدود ہوتے ہیں۔ بیڈ روم میں بیوی سوٹ کرتی ہے۔" املاک نے اپنے طنز کی وضاحت مزید طنزیہ انداز میں کی تھی۔

"جو تمہیں نہیں چاہتا اس کے پیچھے کیوں ہلکان ہو رہی ہو۔ جو تمہیں چاہتا ہے اس کی طرف توجہ دو۔"

"اور مجھے کون چاہتا ہے۔" اس کے انداز میں حد درجہ رکھائی تھی۔ عنوہ پوری توجہ سے ماریہ کی طرف متوجہ تھی۔

"تم خوب اچھی طرح جانتی ہو۔" وہ گمبیر لہجے میں بولا تھا۔

"بہت دعائیں کی تھیں خانہ کعبہ کی چھاؤں میں بیٹھ کر اللہ تمہیں ہدایت دے مگر تم ابھی تک بے ہدایتی پھر رہی ہو سنبھل جاؤ ماریہ! اور اس حقیقت کو تسلیم کر لو کہ نہ کل نہ آج اور نہ ہی آئندہ فیوچر میں زیان تمہارا ہو گا۔ تو پھر زندگی کے اتنے قیمتی سال کیوں ضائع کر رہی ہو۔"

"اتنی دور سے اپنا پیسہ اور وقت برباد کر کے مجھے لیکچر دینے آئے ہو؟" ماریہ نے تنگ کر کہا تو املاک دھیمے سے ہنس دیا۔

"میں اسلام آباد کی ایک یونیورسٹی میں بطور لیکچرار تعینات ہوا ہوں۔ مگر اس سے بھی پہلے میں زیان سے ملنا چاہتا تھا۔ لیکچرار شپ نے تو بہانہ فراہم کر دیا ہے۔ میں تو صرف زیان کو اس سوودزیاں کی بھیانک کھائی سے نکالنے آیا تھا۔ اسے صرف اتنا بتانے کہ اس کی ذات کو اندھیروں کے سپرد کرنے والے خود بھی بے اطمینان ہیں۔ ان میں سے ایک فریق تو اچھی بیروں کی کان' جاہ و جلال' شان و شوکت کو چھوڑ کر ایک ٹریفک حادثے کا شکار ہو گیا تھا جبکہ دوسرا فریق خود کو کھو کر کچھ نہ کچھ تو پا گیا ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ میں سمجھی نہیں۔" ماریہ ایک دم بے حد سنجیدہ لہجے میں بولی تھی۔ عنوہ نے اس کی آنکھوں میں ہلکورے لیتے اضطراب کو حیرانی سے دیکھا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" اس نے ایک مرتبہ پھر اپنا سوال دہرایا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ اب تو بالکل بھی نہیں۔ اگر زیان نے مشکل سے ہی سہی اپنی زندگی کو ایک دفعہ پھر سنوارنا چاہا ہے تو ہمیں اور تمہیں کوئی حق نہیں اس کے زخموں سے کھرنڈ اتار دیں۔" املاک نے گہری سنجیدگی سے کہا تو ماریہ بے چین سی ہو گئی۔

"تم دریہ کے متعلق کچھ کہنا چاہتے تھے؟" ماریہ نے پر سوچ لہجے میں کہا تو عنوہ کو یوں محسوس ہوا کہ گویا وہ سانس لینا ہی بھول گئی ہے۔

☼ ☼ ☼

بہت دنوں سے زروہ کو محسوس ہو رہا تھا کہ زرین اس سے کچھ کہنا چاہتی ہیں مگر کہہ نہیں پا رہیں۔ زروہ نے سوچا وہ خود ہی ان کی مشکل آسان کر دے مگر صبح سے ہی وہ کچن میں چکرئی ہوئی تھی۔ پہلے رمیز کو آفس بھیجا۔۔۔ پھر کچن کا پھیلاوا سمیٹنے لگی جب رمیز نے آفس سے فون کر کے اپنے کسی دوست کی فیملی کی آمد کا بتایا۔ یعنی ڈنر پر اہتمام لازمی کرنا تھا۔ کوئی کرنل صاحب اپنی نئی نویلی بیوی کے ہمراہ آ رہے تھے۔ کچن میں تین تین ڈشز سے نبرد آزما زروہ نے کوئی چوتھی مرتبہ زرین کو پلٹتے دیکھا تو پکار بیٹھی۔

"آپا کچھ چاہیے؟"

"ن۔۔۔ نہیں تو۔" زرین نے پھیکے سے انداز میں کہا تو زروہ چونکی۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی اور قدرے جھجکتے ہوئے اس کے قریب آ گئی۔

"زروہ! میں نے جو تمہیں ہفتہ بھر پہلے برا بھلا کہا ہے اس کی معذرت چاہتی ہوں۔ تمہاری خاموشی اور آنسوؤں نے مجھے احساس گناہ میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس حالت میں تمہیں ذہنی اذیت سے دوچار کیا ہے میں نے۔۔۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔ دراصل میں نے بہت کم عمری میں ہی ایسے تکلیف دہ حالات کا سامنا کیا ہے کہ میرے اندر تک تلخی اتر آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اپنی اتنی اچھی ماں سے بھی بدکلامی کر جاتی ہوں جنہوں نے ہمیں صرف جنم نہیں دیا لیکن پیدا کرنے والی ماں سے بھی زیادہ محبت دی ہے۔ دراصل شادی کے بعد۔۔۔" زرین بھرائی آواز میں سب کچھ کہتی چلی گئی تھی جبکہ زروہ نے آپا کو ساتھ لگا کر خود بھی آنسو بہانا شروع کر دیے تھے۔ آپا کے دکھ اس کے دل پر دستک دے رہے تھے اور دور کھڑی

www.pkdigest.com

شگفتہ بیگم کو اپنے انتخاب پر فخر محسوس ہو رہا تھا۔ انہیں لگا کہ تمام تر زرین کی تلخ کلامیوں اور رمیز سے زروہ کی شادی کے دوران اس کی جھڑپوں کا انعام مل گیا ہے۔

اور ادھر زروہ آپا کو مطمئن کرنے کے بعد آنسو صاف کرتی پچھلے ہفتے ان کے ساتھ لڑائی میں اپنی خاموش جنگ کو شاباش دے رہی تھی۔ بعض دفعہ خاموشی ہمیں وہ کچھ دے دیتی ہے جو ہم زبان سے مانگنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

رمیز کی محبت، ساس کی توجہ اور اہمیت کے باوجود اس کے دل میں ایک چبھن سی تھی۔ آپا اسے ناپسند کرتی ہیں یہ بات اسے بے اطمینان رکھتی تھی مگر آج وہ پورے دل کے ساتھ خوش ہو رہی تھی۔ آج اس کے بنائے کھانے پر، ڈریسنگ پر اور چھوٹی موٹی گھریلو باتوں پر آپا نے کوئی تنقید نہیں کی تھی۔ رمیز گھر کے خوشگوار ماحول اور آپا کو ہنستے دیکھ کر حیران ہوا اور پھر زروہ کے کان میں سرگوشیانہ بولا۔

"لگتا ہے آپ نے میدان مار ہی لیا ہے۔"

اور زروہ سوچ رہی تھی کہ امی کے پڑھائے سبق اصل زندگی کا حسن اور زیور تھے۔ اس نے ان تمام نصیحتوں، ماں کی انمول باتوں کو گرہ سے باندھ کر انہیں اگلی نسل میں منتقل کرنے کے لیے ذہن میں بھی محفوظ کر لیا تھا۔

حسن اخلاق، نیکی بھلائی، رحمدلی، شفقت یہی تو اصل جہیز ہوتا ہے جو ہر ماں کو چاہیے کہ وہ اپنی بیٹی کو دے کر رخصت کرے۔ تھوڑی سی تکلیف کے بعد عمر بھر کا سکھ اس کا نصیب خود بخود بن جائے گا۔

رمیز نے اس گھر میں اس کی پہلی رات کے آغاز میں ہی بہت کچھ باور کروا دیا تھا۔ اسے اپنی بہن اور اس کے بچوں سے قلبی اور جذباتی لگاؤ تھا جبکہ ماں سے والہانہ عقیدت، اس نے زروہ سے کہا تھا کہ وہ نومیہ اور شا کا رول پلے نہ کرے۔ اگر اس نے ویسا کرنے کی ذرہ بھر بھی کوشش کی تو پھر اس کا ٹھکانہ یہ گھر نہیں ہو گا۔ اور زروہ اس محبت بھری چھاؤں سے نکل کر اپنی ماں کے گھر نہیں جانا چاہتی تھی اور نہ ہی اپنی ماں کو کسی اور عظیم صدمے سے دوچار کرنا چاہتی تھی جن کا دل پہلے ہی اولاد کے دکھوں سے گھائل تھا۔ ایک ہفتہ پہلے زرین نے ایسے ایسے توہین آمیز الفاظ اس کے بارے میں اور منیبہ کے متعلق کہے تھے کہ زروہ کے پورے وجود کے پرخچے اڑ گئے۔ اس نے ایسی ذلت کا کبھی گمان بھی نہیں کیا تھا۔

اگر زرین کے مقابل کوئی اور ہوتی تو شاید رمیز کا ساتھ نہ پا کر کب کی اپنے آشیانے کو کم عقلی کی بنا پر چھوڑ کر جا چکی ہوتی۔ مگر زروہ نے بہت زیادہ ہمت، صبر اور برداشت کا درس اپنی ماں سے وراثت میں لیا تھا۔ اس کی ذات کو جب تک آپا رگیدتی رہیں، وہ کمال ہمت اور ضبط کا دامن تھامے خاموشی سے ان کی لعن طعن سنتی رہی مگر جب بات کردار اور منیبہ کے بے داغ وجود تک پہنچی تو اس سے مزید ہمت کا مظاہرہ نہیں کرنے ہوا تھا۔ وہ ایک دم صدمے کی شدت سے پھٹ پڑی۔

www.pkdigest.com

"آپا! آپ کے الزام بے بنیاد ہیں۔ منیبہ کا اس قصے سے قطعا" کوئی تعلق نہیں۔ میں اپنی بہن کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

"خوب جانتی ہوں میں ان آوارہ لڑکیوں کے لچھن بولو بن کر لڑکوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ڈھونگ رچاتی ہیں۔ تمہیں اگر خوش قسمتی سے اچھا گھر مل گیا ہے تو ضروری نہیں تمہاری دوسری بہنیں بھی اونچے محلوں کے خواب دیکھنے لگیں۔ پہلے اپنی اوقات دیکھ لو۔ اس گندے محلے اور بوسیدہ مکان میں کون شہزادہ گلفام آئے گا۔ یہ تو میری بھولی ماں کی آنکھوں پر سادگی اور شرافت کی ایسی پٹی بندھی ہے کہ وہ تم لوگوں کا اصل چہرہ دیکھ ہی نہیں سکیں۔ میں جانتی ہوں تم سب کتنی شریف اور کتنے پانی میں ہو۔" زرین نے تنفر کہا اور اپنی دھونکنی کی مانند چلتی سانسوں کو ہموار کرنے لگی۔ وصی کے کمرے میں جانے سے پہلے وہ زروہ سے دو دو ہاتھ کرنا چاہ رہی تھی۔ جس کا موقع اسے امی کے کمرے میں جانے کے فورا" بعد میسر آ گیا

تھا اور اب وہ زروہ کے زرد حقیر چہرے کو بڑے تفاخر کے عالم میں دیکھ رہی تھی۔

"آج آپ مجھ پر میری اوقات واضح کر دیجیے۔" اس نے انتہائی غصے کے عالم میں بھی ادب و احترام سے پہلو تہی نہیں کی تھی۔ اس کے لہجے میں نرمی اور حلاوت برقرار تھی۔

"بظاہر تم سب بہت نیک نظر آتی ہو؟" زرین نے معنی خیزی سے کہا تو وہ یکدم جلبلا اٹھی۔

"آپ کی مبہم گفتگو کا آخر کیا مقصد ہے؟"

"مقصد بھی واضح کر دیتی ہوں۔" اس نے جان بوجھ کر زروہ کی بے بسی اور ہلکورے لیتے اضطراب کو دیکھ کر مزا لیا۔

"منیبہ اور وصی کا رشتہ کسی صورت نہیں ہو سکتا۔ ہم لوگ مزید تمہاری ماں کے فریب میں آنے والے نہیں۔ اچھی طرح اپنی بہن کو بھی سمجھا دینا۔" زرین کا انداز آگ لگانے والا تھا۔ زروہ کو لگا وہ پورے قد سے ڈھے گئی ہے۔

"میں خود بھی نہیں چاہتی کہ میری معصوم بہن کو ناقدرے لوگوں کا ساتھ ملے۔ آپ میں وہ حس ہی نہیں پائی جاتی آپا! جو نیک اور بد میں تمیز کر سکے۔"

"ایسی فلسفیانہ گفتگو کر کے تم رمیز کو قائل کیا کرو۔ یقینا" وہ تمہاری لچھے دار باتوں میں الجھ کر میرے سامنے کھڑا ہو جائے گا۔" وہ ابھی تک اسی بات پر سلگ رہی تھی کہ رمیز نے آخر کیوں اپنی سالی کا نام وصی کے ساتھ لیا ہے۔ اسے پختہ یقین تھا کہ زروہ نے ہی رمیز سے اپنی بہن کے لیے بات کرنے کو کہا ہے۔ لہٰذا زرین کے تمام تر غصے کا رخ خود بخود زروا کی طرف مڑ چکا تھا اور زرین کے لفظوں کے تیر اس کے دل میں پیوست ہو رہے تھے۔

"تمہاری بہن سارہ کے بھی رنگ ڈھنگ بدلے بدلے لگ رہے ہیں۔ ذرا احتیاط برتنا۔ ورنہ ایک مرتبہ پھر بدنامی کی کالک چہروں کو سیاہ کر دے گی۔" زرین نے پھنکار کر کہا۔

"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟" زروہ پھٹ پڑی۔

"تمہاری ایک کزن گھر سے بھاگ گئی تھی نا؟" زرین نے بڑی معصومیت سے پوچھا تھا۔ زروہ کو یوں لگا گویا ایک پل میں ہی اس کے قدموں کے نیچے سے زمین سرک گئی ہے۔

"ایک لڑکی کا انتہائی قدم پورے خاندان کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ شکر کرو تمہارا رشتہ اچھی جگہ ہو گیا ہے۔ تم ایک عزت دار خاندان کی بہو ہو۔ ورنہ ایسی لڑکیاں جو اپنا مفاد سوچ کر گھر سے بھاگتی ہیں ان کے پچھلوں کو تمام عمر ان کی کرنی کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔" آپا اس کے بے داغ وجود پر کیچڑ اچھال کر اور اس دکھتے پیپ بھرے زخم پر نمک چھڑک کر چلی گئی تھیں۔ جس نے تاحیات یوں ہی تکلیف دیتے رہنا تھا۔ جس پر کسی مرہم کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ یہ وہ گھاؤ تھا جسے کسی کی مسیحائی سے بھرنا نہیں تھا۔ تا زندگی درد دیتا تھا۔ اذیت دیتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ در حقیقت نجانے تھی کون۔ جس کے بارے میں اس کے ارد گرد کے تمام لوگ جانتے تھے اور ایک وہی بے خبر تھی۔" اسے اپنی "بے خبری" پر رونا آ رہا تھا۔ کوئی بھی شخص اس راز سے پردہ اٹھانے کو تیار نہیں تھا۔ جو عنوہ کے نزدیک کوئی ایسی تلخ حقیقت تھی جس کا ذکر کسی کے لبوں سے اس نے ابھی تک نہیں سنا تھا۔ آخر کوئی تو ایسی بات ضرور تھی جس کی پردہ پوشی کی جا رہی تھی۔

"زیان نے کیوں اپنی زندگی کے ان پہلوؤں کو مجھ سے پوشیدہ رکھا ہے۔ کیا وہ مجھ پر اعتبار نہیں کرتا؟ اسے مجھ پر اعتماد نہیں؟ اسے کون سا خوف لاحق ہے؟ شاید یہی کہ میں اسے چھوڑ نہ دوں؟ یا پھر وہ ایک مرتبہ پھر توڑ پھوڑ کا شکار ہونے سے خوفزدہ ہے؟ اگر میں اسے اپنے اعتماد میں لوں اور وہ مجھ پر بھروسہ کر کے اپنی ماضی کے پوشیدہ رازوں سے پردہ اٹھا دے تو یہ بہتر طریقہ ہے۔ اگر میں کسی اور سے حقیقت معلوم کروں گی تو مجھے بہت [illegible] گا۔

"مان لو عنوہ کہ تم زیان کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہو۔ وہ ہی زیان جو تمہاری کرپٹ ماں کا انتخاب ہے۔ وہ ہی زیان جو تم سے عشق کا دعوا کرتا ہے اور جو دھیرے دھیرے تمہارے دل کے تمام دریچے کھول کر اس پر قابض ہو چکا ہے۔" اس نے تم آنکھوں کو چیکے سے صاف کیا۔

زیان دو دن پہلے بار باڈوس فلائی کر گیا تھا۔ مہینے میں دو دو تین تین مرتبہ اسے بیرون ملک جانا پڑتا تھا۔ مگر عنوہ سے شادی کے بعد اس نے ملک سے باہر جانا کم کر دیا تھا۔ اب حشام ہی زیادہ تر ابراڈ کے ٹورز اپنے ذمے لے چکا تھا۔ وہ یوں ہی بے ارادہ چلتی ہوئی پہلے لاؤنج اور پھر گول زینہ گھوم کر اسٹڈی روم میں آگئی۔ پہلے اس نے نماز ظہر ادا کی اور پھر کمپیوٹر آن کر کے زیان کی میل چیک کرنے لگی۔ زیان نے تو نہیں البتہ ممی نے اسے یعنی عنوہ کو ای میل بھیجی تھی۔ عنوہ حیرت سے آنکھیں پھیلائے کمپیوٹر اسکرین کو کتنے ہی پل دیکھتی رہی تھی گویا یقین کرنا چاہ رہی تھی کہ آیا یہ اس کی ممی کا نام ہی لکھا ہے یا پھر نظر کا دھوکا ہے۔

"میری پیاری بیٹی عنوہ!" اس کی نگاہیں آغاز میں ہی الجھ گئی تھیں۔ ممی اور عنوہ کو اس طرح مخاطب کریں۔ ایسا دن تو قیامت تک نہیں آسکتا تھا۔

وہ ماؤں کی اس قسم میں سے تھیں جنہیں اولاد زندگی کا سب سے بڑا جھنجھٹ معلوم ہوتی ہے۔ وہ اولاد کو اپنی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ سمجھتی تھیں۔ اسے تئیس سالوں میں ایک بھی ایسا دن لمحہ پل یاد نہیں آرہا تھا جب ممی نے اسے "میری پیاری بیٹی" کہہ کر مخاطب کیا ہو۔

"میں آج تمہیں بہت سے تلخ سچ بتاؤں گی۔ اس آگہی کے عذاب کو تمہارے حوالے کرنا تمہیں ذہنی اذیت سے دوچار کرنا ـــــ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا مگر اب حالات کچھ اور ہیں۔ تمہارے جیسی بیٹیوں کو ہمارے جیسے گھرانوں میں پیدا نہیں ہونا چاہیے۔ میں ایک ایسی بدبخت عورت ہوں۔ جس کی کوکھ سے عنوہ نے جنم لیا۔ اللہ نے صرف تجھے شکل و صورت میری جیسی دی ہے مگر تمہاری تمام تر عادتیں، مزاج اپنے باپ جیسا ہے۔

تمہیں ایسے تو ہر بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔ میں تمہیں آغاز سے بتاتی ہوں۔ لیکن اس سے پہلے میں تمہیں کچھ اور بتا دوں۔ میری انگلیاں اس وقت حرکت نہیں کر سکتیں، اس کے لیے مجھے مس ٹینا کی ہیلپ لینا پڑی ہے۔

میں اس وقت فرانس کے شہر بولین کے ایک معمولی سے ایریا میں موجود تین کمروں کے فلیٹ میں زندگی کی آخری گنی چنی سانسیں پوری کر رہی ہوں۔ آج سے ڈیڑھ ماہ پہلے پیرس سے واپسی پر "بولین" میں واقع سینٹ پیری کے گرجا گھر کے سامنے سے گزر رہی تھی جب ایک کار ایکسیڈنٹ میں دونوں ٹانگوں سے محروم ہو کر محتاجی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئی ہوں۔ اس کے علاوہ میں ایک ایسے مرض میں مبتلا ہو چکی ہوں۔ جس کا ذکر تمہارے سامنے کرتے ہوئے میرا سر شرمساری سے جھکا ہوا ہے مگر یہ تو بہت معمولی سی بات ہے۔ آگے کے انکشافات تمہیں مجھ سے نفرت کرنے پر مجبور کر دیں گے۔

کینسر کے علاوہ میرے پیٹ کے اوپر عجیب سی ہیئت کا ـــــ پھوڑا بن گیا تھا۔ شروع میں بد احتیاطی کی وجہ سے پھیلتا چلا گیا۔ جب ڈاکٹرز کو دکھایا تو اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی۔ ڈاکٹرز کی تشخیص کے مطابق یہ لیپرسی (کوڑھ) کا مرض تھا تمہیں میری بیماریوں کے متعلق جان کر کراہیت محسوس ہو رہی ہو گی ـــــ

ـــــــــــــــــــ میرا وجود گندگی کا ڈھیر ہے۔ جس پر جتنا کوڑا پھینکیں اتنی اذیت کم ہو گی۔ کفارہ ادا کرنے کا وقت گزر چکا ہے اب صرف سزا پانے کے عمل سے گزر رہی ہوں۔

میں اپنی زندگی کے ابتدائی خوشگوار ایام کا بتا رہی تھی۔ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد میں بوریت کا شکار تھی۔ چونکہ ممی پاپا تو تھے نہیں اور کوئی قریبی عزیز بھی نہیں تھا سوائے ایک پھوپھی کے۔ پاپا نے لو میرج کی تھی جس کے نتیجے میں وہ اپنی فیملی سے کٹ چکے

تھے۔ لیکن ان کی ڈیتھ پر میری ایک پھوپھی آئی تھیں ان کے ساتھ ایک نوجوان لڑکا بھی تھا۔ بہت ہی بدصورت ــــ سانولا سا رنگ' درمیانہ سا قد' اڑے اڑے سے حواس والا یہ لڑکا جس پر دوسری نگاہ ڈالنے کو جی نہیں مانتا تھا۔ یہ ہاشم فریدی تھا۔ میری پھوپھی شاہ قدوس کا دوسرا بیٹا ـــ تمہارا حقیقی باپ۔ بہت ہی کم گو' قدرے دبو سا' صوم و صلوٰۃ کا پابند۔ اس وقت ہاشم دو مرتبہ حج کر چکا تھا اور دونوں مرتبہ اپنی ماں کو لے کر خانہ کعبہ کی زیارت کرنے گیا تھا۔

پھوپھی اماں مجھے اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتی تھیں مگر میں نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔

وہ تو شکل و صورت سے ہی ملانی لگ رہی تھیں۔ میرا اور ان کا ساتھ ناممکن ہی تھا۔ یہ انہی دنوں کی بات ہے جب میرا پھوپھی اماں کے بڑے بیٹے سے تعارف ہوا۔ وہ اپنی ماں کے کہنے پر میرا حال پوچھنے کی غرض سے آیا تھا۔ پھوپھی اماں نے میرے لیے بہت سے تحائف بھیجے تھے۔

وہ عبیث فریدی تھا۔ جسے دیکھ کر میں پہلی نظر میں ہی دل ہار بیٹھی تھی۔ وہ بہت حسین تھا بہت ہی خوش مزاج۔ ہاشم اور عبیث میں مشرق اور مغرب جتنا فرق تھا۔ پھوپھی اماں ایک بہت بڑے جاگیردار کی بیوی تھیں۔ اسلام آباد سے کچھ ہی آگے ان کا خوب صورت گاؤں تھا۔ جس سے انہیں عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ ہاشم اور اس کی ماں کی عادتیں اس قدر ملتی تھیں جبکہ عبیث ان ـــ سے بہت مختلف تھا۔ دونوں ہی اعلا تعلیم یافتہ تھے۔ عبیث شہر میں اپنے بزنس کو پھیلانے میں مصروف تھا جبکہ ہاشم کو اپنی آبائی زمینوں سے دلچسپی تھی۔ اس نے زراعت کے حوالے سے تعلیم حاصل کی تھی۔ عجیب بات یہ تھی کہ پھوپھی اماں کو عبیث سے زیادہ ہاشم سے محبت تھی۔ عبیث ان کے نزدیک بگڑا ہوا نوجوان تھا۔

عبیث کی اور میری بے تکلفی ہمیں ایک دوسرے کے بہت قریب لے آئی تھی۔ وہ کوئی غیر نہیں میری پھوپھی کا بیٹا تھا۔ میں نے اس سے شادی کا فیصلہ کر لیا۔ عبیث بھی دل و جان سے رضامند تھا مگر ایک عجیب مسئلہ یہ تھا کہ عبیث اس شادی کو گھر والوں سے خفیہ رکھنا چاہتا تھا۔ کیوں؟ کس لیے؟ کیا وجہ تھی یہ میں نے جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ مگر میں اپنے ارمان دل میں دبائے رکھنے والی نہیں تھی۔ میں نے شادی کی شاپنگ کے ساتھ ساتھ دور دور تک اپنے دوستوں اور ممی کے رشتے داروں کو انوائٹ کیا تھا۔ عبیث نے مجھے ایک بھاری بھرکم چیک پکڑا دیا تھا اور میں دل کھول کر شاپنگ کر رہی تھی۔ ممی کے بعد بہت سے کرائسز کی وجہ سے میرے اندر دبی خواہشات کو روزن مل گیا تھا۔ میں بہت خوش تھی۔ میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی صرف چند قدم کے فاصلے پر تھی اور دوسرا عبیث کی مالی پوزیشن دیکھ کر بھی میں مطمئن تھی۔ یعنی میں نے گھاٹے کا سودا نہیں کیا تھا۔

ایک بڑے ہال میں ہماری شادی کی ارینجمنٹ تھی۔ لوگوں سے کھچا کھچ بھرے ہال میں ہنسی' قہقہوں اور میوزک کے شور میں کچھ ناگوار آوازیں بھی ابھری تھیں۔ کچھ ہی دیر بعد یہ شور میرے کانوں تک آن پہنچا۔

میں ڈریسنگ روم میں موجود تھی۔ اور آوازوں کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ جب ایک دم دھاڑ سے دروازہ کھلا۔ پھوپھی اماں کو دیکھ کر میرے حواس معطل ہو گئے تھے۔ ان کے پیچھے ایک بہت ہی حسین مگر سادہ سی اداس آنکھوں والی لڑکی میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی انگلی تھامے ایک بچہ بھی تھا۔ اور کچھ ہی دیر بعد منظر بدل گیا۔ میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفلوج ہو گئی تھیں۔ پھوپھی اماں اس لڑکی سے میرا تعارف کروا رہی تھیں اور میرے سر پر آسمان آن گرا۔

"یہ فاخرہ ہے۔ عبیث کی بیوی اور یہ میرا پوتا زبان۔" انہوں نے شعلہ بار نظروں سے میری طرف دیکھ کر کہا تھا۔

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا گویا کسی نے میرے حلق

پر چھری رکھ کر بے دردی سے چلا دی ہے۔ میری چاہتوں کا تاج محل زمین بوس ہو چکا تھا۔

"سارے خاندان والے تھو تھو کر رہے ہیں۔ کالک مل دی اپنے عزت دار باپ کے منہ پر اور گالی بنا دیا اپنی عبادت گزار ماں کو۔ اپنے ساتھ ساتھ تجھے بھی خوار کر کے رکھ دیا ہے اس بے غیرت نے۔ مگر میں تجھے بھری محفل میں رسوا نہیں ہونے دوں گی میری بچی۔ اس کمینے نے تجھے دھوکے میں رکھا ہو گا یقیناً" پتا نہیں اور کون سے پاپ دیکھنے ہیں میں نے اس کے۔ اللہ اٹھا کیوں نہیں لیتا مجھے۔" وہ بھبک بھبک کر روتے ہوئے میری پیشانی چوم کر بولی تھیں۔ میں اس وقت جس ذہنی توڑ پھوڑ کا شکار تھی۔ پھوپھی اماں جو کچھ کہہ رہی تھیں مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ عبیث نجانے کہاں چلا گیا۔ پھوپھی اماں روتی دھوتی باہر نکل گئی تھیں۔ کچھ ہی دیر بعد منظر پھر سے بدلا۔ وہ تین بزرگ اندر داخل ہوئے۔ میرے سر پر چادر ڈال دی گئی۔ مولوی صاحب مجھ سے اجازت اور مرضی معلوم کر رہے تھے۔ پھوپھی اماں مجھے خود سے چمٹائے رو رہی تھیں۔

"یہاں سائن کرو۔" کسی نے میرے ہاتھ میں قلم پکڑایا۔ میں نے ایجاب و قبول کا مرحلہ خود فراموشی کے عالم میں طے کیا۔ میرے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ وجود لرز رہا تھا اور میں بے ہوش ہو چکی تھی۔

جب میں نے ہوش کی دنیا میں قدم رکھا تب میری خوابوں کی دنیا اجڑ چکی تھی۔ ایک بدصورت شخص کو میری زندگی کا ساتھی بنا دیا گیا۔ یہ حقیقت تسلیم کرنا میرے بس میں نہیں تھا۔ میں نے چیخ چیخ کر ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ میرے اندر نفرتوں کے چشمے ابل پڑے۔

مجھے ہاشم فریدی سے اتنی نفرت تھی کہ میں نے کئی مرتبہ اسے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ میری نفرتوں کے باوجود نجانے وہ کس مٹی کا بنا تھا۔ کبھی اس کے ماتھے پر ناگواری کی ایک سلوٹ بھی نمودار نہیں ہوتی تھی۔ وہ میرا خیال رکھنے کی اپنی سی کوشش کرتا تھا جواباً" میں اسے دھتکار کر رکھ دیتی۔ مجھے ہاشم سے نفرت تھی' اپنی پھوپھی سے نفرت تھی۔ فاخرہ سے نفرت تھی۔ مجھے ہر اس شخص سے نفرت تھی جو مجھے عبیث سے دور کرنے کا سبب بنا۔ میرے دل سے عبیث کا خیال گیا ہی نہیں تھا کہ میں کسی اور طرف توجہ دیتی۔ میں نے زندگی کے سات قیمتی سال عبیث کی یاد میں جلتے گزار دیے تھے۔ اور وہ ہاشم میرے پلٹ آنے کی خوش فہمی دل میں لیے نجانے کون سے معجزے کے انتظار میں تھا۔

ان سات سالوں میں بہت سے واقعات رونما ہوئے۔ عبیث نے فاخرہ کو طلاق دے دی تھی۔ پھوپھی اماں کی زندگی میں وہ ایسا قدم اٹھانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ فاخرہ ان کی بہت ہی پسندیدہ اور نیک سیرت بہو تھی۔

ایک لوئر مڈل کلاس گھرانے کی فاخرہ سے پھوپھی اماں کو نجانے کیوں اتنی انسیت تھی۔ عموماً" مائیں بیٹوں کو اونچے گھرانوں میں بیاہنے کے خواب دیکھتی

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

☆ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔

☆ نئے بال اگاتا ہے۔

☆ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔

☆ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لیے یکساں مفید۔

☆ ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

قیمت=/70 روپے

سوہنی ہیئر آئل

www.pkdigest.com

جبکہ میری پھوپھی اماں اپنے حسین و جمیل بیٹے کے لیے گلی کا گند اٹھا لائی تھیں۔

میرے نزدیک دولت کا پیمانہ بھاری تھا اور شرافت اور نیکی کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔ اس دوران ایک اور عجیب واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ فاخرہ طلاق کے بعد اپنے بھائی کے گھر جا چکی تھی۔ ایک دن وہ نجانے کس سے ہمارے گھر کا ایڈریس لے کر چلی آئی۔ وہ ہاشم سے ملنے کے لیے آئی تھی۔ اس کی گود میں صرف ڈیڑھ ماہ کا بچہ تھا۔ اس نے ہاشم کو بتایا کہ عبدالباری اس کی طلاق کے دو ماہ بعد پیدا ہوا ہے اور یہ کہ وہ عبدالباری کو عبیث کے حوالے نہیں کرنا چاہتی۔

فاخرہ اس لمحے ایک ایسی مجبور، بے بس اور حالات کی ستائی ماں لگ رہی تھی جو اپنے دل کا دوسرا ٹکڑا دوسروں کے سپرد کرتے ہوئے خود پوری خالی ہو چکی تھی وہ اس قدر تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی کہ ہاشم جیسا نرم دل بندہ خود بھی اس کے ساتھ آنسو بہانے لگا۔

اسے اپنے بڑے بھائی کے اس انتہائی قدم نے بہت رنجیدہ کیے رکھا تھا۔ وہ کئی دن گم سم رہا۔ مگر اپنی ازلی بزدلی کی وجہ سے عبیث سے کچھ بھی باز پرس نہ کر سکا۔ حتیٰ کہ وہ عبیث سے اتنی سی بات بھی نہیں کہہ سکا تھا کہ زبان کو اس کی ماں سے کبھی کبھار ملنے دے۔

فاخرہ عبدالباری کو ہاشم کے حوالے کر کے چلی گئی تھی۔ جاتے ہوئے صرف اتنا کہا۔

"ہاشم بھائی! بہت مجبور ماں ہوں۔ اپنے دونوں بچوں کو خود سے دور کر دیا ہے۔ عبیث زبان کو لے کر ملک سے باہر چلا گیا ہے اور عبدالباری میں آپ کی گود میں ڈال کر جا رہی ہوں۔ میرے مزدور پیشہ بھائی کے پاس میرے لیے روٹی ضرور ہے مگر میرے بچے کو رکھنے کے لیے وہ تیار نہیں۔ ان کی اپنی اولاد صرف دو بیٹیاں تھیں۔ ایک کمانے والا اور اتنے کھانے والے۔ وہ باری کو یتیم خانے بھجوانے لگے تھے مگر میری التجاؤں پر نرم پڑ گئے۔ میں اسے آپ کی اور اللہ کی امان میں دے کر جا رہی ہوں۔ اس کی شخصیت اپنی جیسی بنایئے گا۔ اسے عبیث فریدی نہ بننے دیجیے گا۔ جب میں زندگی کے کسی موڑ پر اپنے بیٹے کو دیکھوں تو میرا سر فخر سے بلند ہو جائے۔ زبان اور باری کی جدائی کی کسک تاحیات ناسور بن کر چاٹتی رہے گی مگر ان حالات میں مجھے دوسرا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میرے بچے کو اپنا بچہ سمجھ کر سینے سے لگا لیجیے گا۔ یہ آپ کے سگے بھائی کی اولاد بھی ہے۔"

فاخرہ چلی گئی تھی۔ شکستہ قدموں سے۔ یہی شکست تو میں دیکھنا چاہتی تھی۔ میرا دل چاہ رہا تھا میں جھوموں، ناچوں۔۔۔ خوب اونچے اونچے قہقہے لگاؤں۔ مگر فاخرہ کے چند الفاظ میری تمام خوشی کو ملیامیٹ کر گئے تھے۔

"عبیث ملک سے باہر چلا گیا ہے زبان کو لے کر۔"

حقیقت مجھ سے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ پھر جب یقین ہو گیا کہ واقعی وہ ملک سے باہر چلا گیا ہے تو مجھ پر ایک جنونی کیفیت طاری ہو گئی۔ انہی دنوں میں نے اسموکنگ کرنا شروع کر دی تھی۔ مجھے اس دنیا سے نفرت ہو چلی تھی۔ مزید کچھ سال چپکے سے کھسک گئے۔ میں نے دل کو خوش کرنے کے بہت سے بہلاووں میں خود کو بھی بہلا ہی لیا تھا۔ میں نے کبھی بھی عبیث کو برا بھلا نہیں کہا تھا۔ اس نے میرے ساتھ فریب کیا تھا مگر میں نے اس کے تمام گناہ خود بخود معاف کر دیے تھے۔ وہ میرا محبوب تھا میں نے اس کو بے تحاشا چاہا تھا۔ اگر عبیث نہ ہوتا تو میں ہاشم کی طرف متوجہ ہو جاتی مگر پھر وہی بدصورتی کی پھانس۔

انہی دنوں عبیث کے واپس آنے کی خبر میرے لیے خوشیوں کا پیامبر بن کر آئی تھی۔ مگر اس دفعہ بھی میں تہی داماں رہی۔ وہ کسی اور کی زلفوں کا اسیر ہو چکا تھا۔ میں ایک دفعہ پھر تہی داماں رہ گئی تھی۔

آج سوچتی ہوں تو خود سے نفرت محسوس ہوتی ہے۔ اس وقت کی احمقانہ جذباتی حرکتیں۔ مگر مجھے پھر بھی ہدایت نہیں آئی تھی کیونکہ میں ہدایت پانا ہی نہیں چاہتی تھی۔

میرے ممی پاپا نے مجھے بہت ناز و نعم سے پالا تھا۔ میری ہر خواہش بن کہے پوری کی۔ پاپا اعلیٰ عہدے پر

فائز تھے۔ ہم ساری زندگی سرکاری بنگلوں میں رہے۔ پاپا نے اپنا گھر بنایا ہی نہیں تھا۔ عیش و عشرت میں بچپن اور جوانی گزری۔ کبھی دکھ اور صدمہ چھو کر نہیں گزرا تھا۔ اب جو یہ دل لگانے کی سزا نہ چاہتے ہوئے بھی روگ بنی چاٹ رہی تھی۔ میرے لیے عبیث کا رویہ بہت تکلیف دہ تھا۔ اس نے مجھے دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ اکثر پارٹیز میں وہ یوں اجنبی بن کر گزر جاتا گویا جانتا ہی نہ ہو۔ میرے لیے یہ صورت حال انتہائی اذیت ناک تھی۔

ان دنوں میں بہت رویا کرتی تھی۔ اس طرح ایک جذباتی لمحے نے مجھے ہاشم کے سامنے پسپا کر دیا اور تم اس کے لبوں کی دعا بن کر ہماری تلخ ترین زندگی کا حصہ بننے آ گئیں۔ میں آج تمہارے سامنے ہر اعتراف کر لینا چاہتی ہوں۔ مجھے تمہاری آمد کی ذرہ بھر خوشی نہیں تھی اور ہاشم کو خوش دیکھ کر میرے اندر آگ بھڑک اٹھتی تھی۔

اگر اس رات پھوپھی اماں اور ہاشم نہ آتے تو میں اس وقت عبیث کے ساتھ ہوتی۔ میرے اندر سے یہ کانٹا بھی نکلا ہی نہیں تھا۔

وہ عبدالباری اور تم میں مگن تھا۔ تم دونوں میں اس کی جان بند تھی اور میری جان ہاشم کو مسرور دیکھ کر جلتی رہتی تھی۔

پھر ایک دن میں اپنی سوسائٹی کی دیگر ایسی ہی ذہنی طور پر ٹوٹی پھوٹی عورتوں کی طرح ڈرنک کر کے گھر آئی تو ہاشم کے ضبط کے تمام پیمانے چھلک پڑے۔ اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔ مجھے خوب مارا اور میں زخمی شیرنی کی طرح بس دھاڑتی رہی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں نے خلع لینے کا فیصلہ کر لیا۔

ابھی ہماری علیحدگی نہیں ہوئی تھی۔ یہ اس سے کچھ دن پہلے کی بات تھی جب ملک قاسم کی پارٹی میں کئی پیگ پینے کے بعد۔۔۔ میں بالکل نیم بے ہوش ہو گئی اور تمام رات ادھر ہی پڑی رہی اور اپنی نسوانیت کے پندار اپنی انا کے بت کو پاش پاش کیے جب میں نے گھر میں قدم رکھا تو ہاشم میری حالت دیکھ کر حد درجہ متوحش رہ گیا اور اس وقت نجانے میری ذہنی رو کیوں اس قدر بہک گئی تھی کہ میں نے تمام تر اعتراف بے خوفی سے کر لیے۔ شاید ہاشم کو میرے اس قدر گر جانے کی توقع نہیں تھی۔ مگر اس وقت اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔

اگلی صبح خاموشی سے آنگن میں اتری تھی۔ تازہ اخبار لان میں پڑا تھا اور اس اخبار میں موجود میری اور ملک قاسم کی تصویریں دیکھ کر ہاشم گویا پاگل ہی ہو گیا۔

مجھے آج بھی اس کی وحشت سے پھٹی پھٹی آنکھیں یاد آتی ہیں تو میرا خود کو ختم کر لینے کو جی چاہتا ہے۔ مگر اپنے ہاتھوں سے خود کو مارنا بہت مشکل کام ہے۔ میری جیسی عورتیں ایسے کام نہیں کر سکتیں۔ مگر ہاشم نے یہ کام کر دکھایا تھا۔ اس نے خودکشی کر لی۔ اگر بروقت اسے ٹریٹمنٹ نہ ملتا تو اس کی زندگی بچنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد پہلا کام اس نے مجھے طلاق دینے کا کیا۔ میری دلی خواہش پوری ہو چکی تھی۔ میرے دل اور ذہن سے ایک بھاری بوجھ ہٹ گیا۔

تم سوچ رہی ہو گی کہ ہاشم سے اتنی نفرت کے باوجود میں نے اتنے سال اس کے ساتھ کیوں گزارے۔ اس میں بھی میرا ذاتی مفاد شامل تھا۔ جب اتنے خسارے اور نقصان اپنے حصے میں لے لیے تھے تو آخری فائدہ میں کیوں کر چھوڑتی۔

نکاح کے وقت پھوپھی اماں نے جو کچھ میرے تحفظ کے لیے مجھے تحریری طور پر لکھ کر دیا تھا۔ اس میں یہ بات واضح لکھی تھی کہ اگر میں خود سے طلاق لیتی یعنی کورٹ کے ذریعے تو پھر مجھے فیکٹری اور کوٹھی و دیگر بینک بیلنس میں سے کچھ نہ ملتا۔

اب میری دیرینہ خواہش بھی پوری ہو گئی تھی یعنی کہ طلاق مل چکی تھی اور فیکٹری اور کوٹھی کے ساتھ لاکھوں کا بینک بیلنس بھی۔

کورٹ کے فیصلے کے مطابق تم ہمیشہ کے لیے میری کسٹڈی میں آ چکی تھیں۔ ہاشم نے تمہیں لینے کی خاطر عدالت میں کیس دائر کیا تھا جبکہ میں نے صرف

www.pkdigest.com

اسے شکست دینے کی خاطر تمہیں پانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔

ایک رات چپکے سے ہاشم، عبدالباری کو لے کر نجانے کہاں چلا گیا تھا شاید اپنی آبائی زمینوں پر۔۔۔ میں نے پھر کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ میں نے خود کو مصنوعی بہلاووں سے بہلا لیا میری زندگی کا محور پارٹیز، سیاحت، ہنگامے اور ہلا گلا رہ گیا۔

پھر ایک دن اچانک میری فاخرہ پر نگاہ پڑ گئی۔ اس کے ساتھ دو بچیاں تھیں۔ درمکنون اور رانیہ، یہ دونوں اس کی بھتیجیاں تھیں۔ نجانے کیا سوچ کر میں نے اپنی گاڑی اس کے رکشا کے پیچھے لگا دی۔

اندرون شہر لاہور کی گلیوں کے آغاز نے مجھے حد درجہ بدمزا کیا تھا مگر پھر بھی میں اس کے پیچھے نجانے کیا دیکھنے چلی آئی تھی۔

مولوی عبدالرحمن قریبی مسجد کے امام۔۔۔ فاخرہ کے دوسرے شوہر، پانچ بچوں کے باپ اس تعارف نے مجھے اک پل کے لیے ضرور تکلیف سے دوچار کیا تھا۔

محلوں سے اٹھ کر وہ ایک مرتبہ پھر مشقت کی چکی میں پس رہی تھی مگر اتنی پرسکون، اتنی مطمئن اس قدر سرشار اسے اطمینان میں دیکھ کر میرا اطمینان رخصت ہو گیا تھا۔

فاخرہ بے قراری سے عبدالباری کا پوچھ رہی تھی۔ میں اسے کیا بتاتی کہ مجھے تو خود پتا نہیں تھا کہ عبدالباری اور ہاشم کہاں ہیں۔

وہ اتنی ذلتوں کے بعد نہ جانے کہاں روپوش ہو گیا تھا۔ ایک مرد کو جب کوئی عورت ٹھکراتی ہے تو اس کی مردانہ انا بلبلا اٹھتی ہے۔ ہاشم بھی تو ایک مرد تھا جسے میں نے اتنی مرتبہ دھتکارا اسے اتنا ذلیل کیا کہ وہ دنیا سے جی چرا کر نجانے کہاں چھپ گیا تھا۔ ایک اور بات عنوہ! میں نے ہمیشہ تمہیں ہاشم سے متنفر کرنا چاہا ہے مگر ہاشم بلاشبہ ایک نیک طبیعت، باکردار اور بہترین شخص تھا۔ جو خوش قسمتی سے بن مانگے مجھے مل گیا تھا مگر میں نے اس کی قدر نہیں کی اس کی محبت کو حسن کے ترازو میں تولتی رہی۔

جس رات وہ اپنے ہی گھر سے شکستہ قدموں کے ساتھ نکلا تھا۔ اس رات میں نے اسے یہ باور کروا کر بھیجا تھا کہ تمہاری بیٹی بھی تم جیسے بدصورت انسان کو بطور باپ متعارف کرواتے ہوئے شرمندگی محسوس کرے گی جیسی شرمندگی میں اپنے سرکل میں تمہیں متعارف کروا کر محسوس کرتی ہوں۔ اس کے بعد اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنا سب کچھ ہار کر مجھے ایک نہ ختم ہونے والی سزا کے حوالے کر کے چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد قدرت نے اس کی محبت میرے دل میں ڈال کر مجھے محبت کی ناقدری کی ایسی سزا دی کہ میں تمام عمر ایک پچھتاوے کی آگ میں جلتی رہوں۔ میں نے اس نارسائی کے غم کو بھلانے کی خاطر خود کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اندھی کھائی میں گرا دیا۔

جب پچھتاوے کے ناگ مجھے بہت ڈستے تھے تو میں بے تحاشا رشک کرتی تھی۔ تمہارے لیے اپنی ماں کا ماضی کوئی قابل فخر نہیں ہے مگر تمہارے اطمینان کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ تم ہاشم فریدی جیسے نیک، متقی اور پرہیزگار شخص کی بیٹی ہو۔

تم اس سوسائٹی کی لڑکیوں جیسی نہیں۔ تم اس ماحول میں قطعاً "ان فٹ" تھیں۔ لوگ پیٹھ پیچھے مجھے کہتے تھے کہ امبرین کی بیٹی نجانے کس پر ہے اور میرا دل فخر کے ایک احساس سے جھوم اٹھتا تھا کہ تم ہاشم فریدی کی بیٹی ہو۔ اس کی طرح دھیما بولنے والی میٹھی طبیعت اور اعلا خیالات کی مالک۔

میرے اندر ایک اور احساس زیاں بھی لمحہ لمحہ مجھے ڈستا رہتا ہے کہ میں نے تمہاری شادی تمہاری چاہ کے بغیر کر دی۔ نجانے کیوں مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ زیان تمہارے لیے بہت سوفٹ ایموشنز رکھتا ہے۔ اور شاید اس لیے بھی کہ میں تمہارا مستقبل محفوظ دیکھنا چاہتی تھی۔ شاید اس لیے بھی کہ تمہارے تایا عبیث فریدی کا وہ بہت لاڈلا بیٹا تھا۔ اس لیے بھی کہ وہ تمہیں بہت چاہتا تھا۔ اس کی چاہت کی پیمائش بھی میں نے اپنے طریقے سے کی تھی۔

تم سمجھو گی کہ میں نے تمہاری شادی ایک بزنس

ڈیلنگ کے تحت کی ہے ہرگز نہیں عنوہ! میں تو صرف زیان کے دل میں موجود تمہاری محبت کا اندازہ لگانا چاہتی تھی جو کہ سو فیصد کامیاب رہا۔

اس کا بزنس بہت سے ملکوں میں پھیلا ہوا ہے اور سب سے زیادہ پرافٹ ایبل اس کی پیرس میں موجود گلاس فیکٹری اور ہوٹل تھا۔ جسے میں نے قانونی طور پر اپنے نام کرنے کے لیے کہا تو وہ خاموشی سے اس ڈیل پر رضامند ہو گیا۔ بزنس مین کبھی خسارے کا سودا نہیں کرتا۔ اس کے دوستوں نے حشام نے سب نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر اس کا فیصلہ اٹل تھا۔ مجھے لگا یہی تمہارے لیے بہترین انتخاب ہے۔

اگرچہ شروع میں میرا ازلی لالچ اور مفاد عود آیا تھا مگر میں یہاں آتے ــــ ہی ہوٹل اور فیکٹری اور اپنا تمام تر بینک بیلنس پاکستان میں موجود ٹرسٹ کو ٹرانسفر کر چکی ہوں۔

میں نہ اچھی بیٹی تھی نہ بیوی اور نہ ماں۔۔۔ مجھے لگتا ہے کہ شاید اللہ بھی مجھے معاف نہیں کرے گا۔ مگر اس کی رحمت سے مایوسی گناہ ہے۔ اور میں ناامید ہو کر مزید گناہ گار نہیں ہونا چاہتی۔

مجھے پتا چلا تھا کہ تم کری ایشن کے مراحل سے گزر رہی ہو۔ تمہاری ماں کے لیے یہ خبر اس جلتی بجھتی زندگی میں اک پل کو ٹمٹمانے والے دیے کی مانند ہے۔ تم بہت اچھی ماں بنو گی۔ یہ مجھے یقین ہے۔ زیان اور تم دونوں ہی ایک ٹوٹے خاندان کے بچے ہو مگر میری جان اپنے آنے والے بچوں کو بہت اچھا گھریلو اور محبت بھرا ماحول دینا۔ زیان کی کچھ عادتیں تمہارے لیے ناقابل برداشت ہوں گی۔ وہ رفتہ رفتہ خود ہی اپنی بری عادتوں کو ترک کر دے گا۔ اور رہا سوال رانیہ کے متعلق تو بیٹا! اس کہانی کی گہرائی میں اتر کر کیا کرو گی۔ کوئی بھی رانیہ تمہاری حیثیت تک نہیں پہنچ سکتی۔ جو تم ہو، وہ کوئی اور نہیں ہو سکتی۔

زیان نے بھی بہت کچھ کھونے کے بعد تمہیں اور حقیقی خوشیوں کو پایا ہے۔ تم اس کے ساتھ کبھی بھی الجھنا مت۔ ایک دن وہ تمہیں تمام تر سچائی بتا دے گا

اور وہاں اس نے رانیہ کے بارے میں بھی حتمی فیصلہ کر لیا ہے۔ تم حیران ہو گی کہ میں اتنی باخبر کیسے ہوں۔ تو میری جان! یہ جو زیان ہے نا۔ بہت مشکل آدمی ہے۔ اسے سمجھنا تقریباً "ناممکن" ہے۔ مجھ سے بے زاری اور کچھ کچھ نفرت کے باوجود وہ مجھے صرف عنوہ کی ماں سمجھ کر روز فون کرتا ہے۔ روزانہ میرے چیک اپ کے لیے ایک ڈاکٹر آتا ہے۔ مس ٹینا کو تنخواہ بھی زیان دیتا ہے۔

زیان مجھ سے بہت چڑتا تھا۔ شاید اس لیے بھی کہ میں اپنی ازلی حاسدانہ فطرت کی وجہ سے اکثر فاخرہ کے متعلق طنز کرتی رہتی تھی۔ وہ صرف عبیث کو جانتا ہے۔ اپنے باپ کو۔ جس کے بارے میں زیان کی رائے کچھ اچھی نہیں۔ وہ فاخرہ کو نہیں جانتا کہ اس کی ماں کا کتنا بڑا ظرف ہے۔ اس نے پہاڑ جتنا صدمہ کیسے اپنے دل پر جھیل لیا۔ ایک ماں کے لیے اولاد سے جدائی کا فیصلہ موت کے برابر ہے۔ وہ عورت اپنی ہر آزمائش میں کامیاب رہی ہے۔ ایک بدکردار شوہر سے ہر طرح کا ظلم ستم سہہ کر وہ صرف اپنے بچوں کے لیے ہی نباہ کرنا چاہتی تھی مگر اس کی قسمت بہت اچھی تھی جو عبیث نے خود ہی اسے چھوڑ دیا۔ اسے مولوی عبدالرحمن جیسا نیک شوہر اللہ کی طرف سے تحفے میں ملا تھا۔ زیان سے کہنا اپنی دکھی، بے بس ماں کو اس کے ناکردہ گناہ کی اتنی بڑی سزا نہ دے۔

اور میری تمام گزارشیں عنوہ کے لیے۔ جو دنیا کی سب سے اچھی بیٹی ہے۔ ایسی ہی بیٹیاں آنکھوں کا نور ہوتی ہیں۔ فرمانبردار اور اللہ کی رضا میں راضی ہونے والی۔ تقدیر کے فیصلوں سے ٹکرانے والے تمام عمر میرے جیسی زندگی گزارتے ہیں۔ اور اس زندگی سے موت اچھی ہے۔ اس سے پہلے کہ ــــ

میری زندگی کے پچھتاوے تمہاری زندگی میں زہر گھولیں۔ جب میں نے اس حقیقت کو جان لیا تو خاموشی سے تم سے دور چلی آئی۔ اب کوئی تمہیں امبرین کے حوالے سے طعنہ نہیں دے گا۔

اگر تم اپنے باپ سے ملنا چاہتی ہو تو شاہ قدوس کی

www.pkdigest.com

حویلی چلی جاتا۔ وہاں فاخرہ کا عبدالباری بھی ہو گا۔ زیان کا چھوٹا بھائی ہاشم اسے فاخرہ کا پیغام دینا۔ وہ زیان نہیں ہے۔ ضرور اس کی پیاس کو سیراب کرنے آئے گا۔ یہ تاکید میں اس لیے کر رہی ہوں کہ بہرحال کچھ نہ کچھ فاخرہ کی موجودہ زندگی میں میرا بھی قصور نکلتا ہے۔ میرے حسد اور بغض نے اسے ان حالوں تک پہنچا دیا ہے۔ یا پھر میں ایک ماں کو تمہارے توسط سے اس کے بیٹے سے ملوا کر کم از کم ایک نیکی اپنے نامہ اعمال میں لکھوانا چاہتی ہوں۔ میری پیاری بیٹی! اپنی ماں کی آخری خواہش سمجھ کر اسے ضرور پورا کرنا اور ہو سکے تو زیان کے دل پر چھائی بدگمانیوں کی دھول کو بھی صاف کرنے کی کوشش کرنا۔ نجانے کب سانسوں کا یہ سلسلہ ٹوٹ جائے۔ اب ویسے بھی جینے کی خواہش نہیں رہی اور اس طرح جینے کی تو بالکل بھی نہیں۔

جب تم ہاشم سے ملنے جاؤ گی تو تمہیں کسی تعارف کی ضرورت نہیں ہو گی۔ وہ تمہاری صورت دیکھ کر تمہیں پہچان لے گا۔ یہ میرا دعوا ہے۔

میں ہاشم سے معافی مانگنے کے خود کو قابل نہیں سمجھتی۔ البتہ تم سے ضرور التجا کروں گی کہ اپنی بدبخت ماں کو معاف کر دینا۔ تمہاری بدنصیب ماں!

امبرین۔"

ضبط کی تمام ترطنابیں ایک ایک کر کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھیں۔ عنوہ اسی طرح منہ پر ہاتھ رکھے روتی ہوئی اسٹڈی روم سے باہر نکل گئی تھی۔ اگلے دن وہ حنا کو ساتھ لیے بغیر کسی کو بتائے زنوبابا کے ہمراہ ایک انجانی منزل کی طرف چل نکلی تھی۔

☼ ☼ ☼

"فاخرہ بیٹی! تم میں اور شگفتہ میں ایک چیز مشترک ہے اور وہ بھلا کیا ہے؟" قمری خالہ نے پاندان گھسیٹ کر گھٹنے کے نیچے کھسکایا اور گہری سوچوں میں گم صم فاخرہ سے بولیں۔ مقصد صرف فاخرہ کا دھیان بٹانے کا تھا۔ جو ہر وقت بھیگی آنکھوں سے نجانے کیا سوچتی رہتی تھیں۔

"کیا چیز مشترک ہے خالہ جان!" شگفتہ بیگم نے ہنستے ہوئے داخلی دروازے میں قدم رکھا۔

"یہی کہ تم رمیز کی سوتیلی ماں ہو اور فاخرہ زروہ کی۔ مگر تم دونوں میں اللہ کی قسم آج تک سوتیلا پن نہیں دیکھا۔ تمہاری قربانیاں اپنی جگہ۔ مگر فاخرہ کے بلند حوصلے اور ہمت کی مثال نہیں ملتی۔" خالہ قمری اپنے انہی منہ پھٹ انداز میں کہہ رہی تھیں۔

"مگر میرے نمبر کیسے کم ہوئے خالہ جان!" شگفتہ بیگم نے شگفتگی سے کہا۔

"بیٹے! جو غم فاخرہ نے اپنے بچوں کے متعلق جھیلے ہیں۔ پاس رہ کر قریب آ کر دوریوں کا صدمہ نہیں برداشت ہوتا۔ سمجھو کنواں پاس تھا پھر بھی فاخرہ کی ممتا پیاسی رہ گئی۔" خالہ قمری آبدیدہ سی کہہ رہی تھیں۔ شگفتہ بیگم بھی خاموش ہو گئیں۔ جبکہ فاخرہ تھکے تھکے قدم اٹھاتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں جو کہ خالہ قمری نے انہیں عنایت کیا تھا۔ اگر دنیا میں برے لوگ بھی تھے تو اچھے لوگوں کی بھی کوئی کمی نہیں تھی۔ ایک مثال تو سامنے بیٹھی بہتر سالہ یہ بوڑھی خاتون تھیں۔ جو ہمیشہ ہر کڑے وقت میں فاخرہ کے لیے ڈھال بن جاتی تھیں۔

اس وقت جب بے سروسامانی کا عالم تھا۔ مالک مکان رؤف گجر اپنا مکان خالی کروا چکا تھا۔ وہ بے یارو مددگار اک آس لیے زیان کو اپنے لخت جگر کو دیکھ رہی تھیں۔ شاید وہ آگے بڑھ کر اپنی بکھری ٹوٹی ماں کو سہارا دے۔ مگر وہ تو عبیث فریدی کا بیٹا تھا۔ ویسا ہی کٹھور اور پتھر دل۔۔۔ نجانے کیوں فاخرہ اس سے رحم کی بھیک مانگنے لگی تھیں۔ اس وقت جب سر پر چھت نہیں تھی۔ مالی پوزیشن بہت ڈاؤن تھی۔ زروہ کی شادی میں وہ مقروض تک ہو گئی تھیں۔ شاید اس بات سے رؤف گجر نے فائدہ اٹھایا تھا۔ وہ زروہ کی شادی کا سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور پھر اس بدفطرت اوباش نے سارہ کا ہاتھ مانگنے اور رشتہ طے کرنے پر اصرار شروع کر دیا۔ فاخرہ نے جب محلے کے بزرگ اور نئے امام مسجد کو بلوا کر تمام معاملہ ان کے گوش گزار کیا اور انہوں نے رؤف

گجر کو سخت سست سنانی شروع کیں تو وہ تپتے سے اکڑ کر انہیں مکان خالی کرنے کی دھمکی دیتا بلبلاتا جھکتا نکل گیا تھا۔

اس نے صرف دھمکی نہیں دی تھی بلکہ سامان اٹھا کر باہر پھینکوانا شروع کر دیا تھا۔ فاخرہ نے اس ذلت کی گھڑی میں کسی غیبی امداد کی شدت سے دعا کی تھی اور پھر پورے نو سال بعد ایک مرتبہ پھر انہی گلیوں میں زیان کو آتا دیکھ کر وہ حق دق رہ گئیں۔ مگر زیان نے ان کے ممتا بھرے جذبات کو مجروح کر دیا تھا تبھی تو انہوں نے دل کو اتنا سخت کر لیا کہ اب بھی اس کا نام ان کے لبوں پر نہیں آیا تھا۔

ابھی وہ گلی کے آخری سرے پر پہنچی تھیں جب قمری خالہ نشتم پشتم ان تک آ گئیں۔ وہ رحمت کا گویا فرشتہ بن کر آئی تھیں۔ انہوں نے نا صرف انہیں اپنے بھتیجے کی گھر میں جگہ دی بلکہ کرایہ لینے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ قمری خالہ کا بھتیجا کچھ عرصہ پہلے اپنی فیملی سمیت باہر سیٹل ہو گیا تھا۔

دنیا کا نظام اسی لیے تو چل رہا تھا کہ کچھ برے لوگوں کے درمیان ایسے اچھے لوگ بھی موجود تھے۔ ان کی آنکھوں میں بچھڑے دنوں کی کرچیاں چبھنے لگی تھیں۔

انہوں نے ایک بہت ہی غریب گھرانے میں آنکھ کھولی تھی۔ والد کی پرچون کی معمولی سی دوکان تھی مگر وہ بہت ہی نیک اور دین دار انسان تھے۔ انہوں نے اپنے دونوں بچوں کی تربیت بہت اچھی کی تھی۔

بچوں کو پڑھانے کا بہت شوق تھا انہیں۔ اسی لیے فاخرہ نے اباجی کے شوق اور جنون کی وجہ سے ماسٹرز کر لیا۔ ظہیر بھی اچھا خاصا ذہین تھا مگر لاپرواہی کی وجہ سے صرف انٹر کے بعد پڑھائی کو خیرباد کر کے اباجی کی دوکان پر بیٹھنے لگا تھا۔ انہی دنوں فاخرہ کے لیے شاہ قدوس کی حویلی سے رشتہ آیا۔ اباجی کے جاننے والوں کے توسط سے آئے رشتے کو اماں نے کسی نعمت کی طرح قبول کیا تھا۔ شاہ قدوس جیسی نیک معزز اور رحمل خاتون جن کی سخاوت کے دور دور تک چرچے تھے۔ جن کے نرم میٹھے لفظوں نے اماں کو اپنا اسیر کر لیا تھا۔ ایسے اچھے رشتے کو ٹھکرانا کہاں کی عقل مندی تھی۔ یوں معمولی سی جانچ پڑتال کے بعد ہاں کر دی گئی اور محض کچھ ہی دنوں بعد وہ ایک شاندار حویلی میں رخصت ہو کر چلی گئیں۔

پہلا دھچکا انہیں اس وقت لگا تھا جب عبیث نے گھونگھٹ اٹھانے کے بعد کہا۔

"اگر تم خوب صورت نہ ہوتیں تو میں نے تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دینا تھا۔"

عبیث فریدی اپنی ماں اور چھوٹے بھائی سے قطعاً مختلف تھا۔ ایک ایسے شخص کے ساتھ رہنا کس قدر تکلیف دہ تھا جس میں تمام اخلاقی برائیاں پائی جاتی تھیں۔ مگر صبر اور محبت کے سبق ان کی ماں نے جو گرہ میں باندھ کر دیے تھے صرف انہی کی بدولت وہ آٹھ سال عبیث کے ساتھ اس کی ہر طرح کی زیادتی برداشت کرتے ہوئے رہی تھیں۔ زیان کی پیدائش کے بعد بھی عبیث کے شغل ویسے ہی جاری تھے اور ان دنوں وہ اپنی کزن امبرین میں بہت دلچسپی لینے لگا تھا۔

اماں جان (ساس) کا گھریلو ملازم انہیں تمام رپورٹ پہنچاتا رہتا تھا۔ بقول کرم دین کے چھوٹے صاحب آج کل ایک ماڈرن لڑکی کے ساتھ بہت گھوم پھر رہے ہیں۔

یہ بے تکلفی انہیں شادی کے قریب لے آئی تھی۔ ایسا کچھ فاخرہ نے سوچا بھی نہ تھا۔ جوں ہی شہر سے اطلاع پہنچی اماں جان اسے ہمراہ لیے فوراً روانہ ہو گئی تھیں۔ عبیث تو اماں جان کو دیکھتے ہی فرار ہو گیا تھا البتہ دلہن بنی امبرین کو دیکھ کر فاخرہ کو دلی صدمہ پہنچا۔

"ایک عورت دوسری عورت کی تباہی کا سامان کر رہی تھی۔ یہ بے چاری عبیث کے ہرجائی پن کو جانتی نہیں۔ اسے یوں ہی نئے چہرے متوجہ کرتے ہیں نادان لڑکی۔" فاخرہ نے افسردگی سے سوچا۔ کچھ ہی دیر بعد اماں جان نے ہاشم بھائی کے کان میں نجانے کیا پھونکا کہ تمام منظر یک لخت بدل گیا۔ چہ مگوئیاں کرتے

www.pkdigest.com

لوگوں کی زبانیں رک گئیں اور مبارک سلامت کا شور اٹھنے لگا۔

عبیث اس واقعہ کے بعد کچھ عرصہ نادم رہا اور پھر دوبارہ سے اپنی مصروفیات میں خود کو گم کر لیا۔

لالاں جان کی وفات کے بعد عبیث کو من مانیاں کرنے کی مکمل چھوٹ مل گئی تھی۔ غیر عورتوں کو گھر لے آنا۔ فاخرہ اگر کچھ کہتیں تو انہیں زدوکوب کیا جاتا اور پھر ایک دن وہ انہیں طلاق دے کر اور گھر سے نکال کر زبان کو لے پہلے شہر اور پھر کسی دوسرے ملک چلا گیا۔

اسے آنے والی ننھی جان کی کوئی پروا نہیں تھی۔ اسے اپنا ایک وارث چاہیے تھا جسے لے کر وہ مغرور ہو چکا تھا۔

ان کی زندگی میں پہلے کون سی آسانیاں تھیں جب ایک مرتبہ پھر میکے کی دہلیز پر آکر بیٹھنا پڑا۔ اس عرصے میں اباجی اور اماں تو چل بسے تھے۔ اب میکے کا مان صرف ایک بھائی اور بھاوج تھی۔ جسے ان کا بے ضرر وجود اور معصوم سا عبدالباری کھٹکتا تھا۔ آئے دن کے طعنوں اور لڑائیوں سے گھبرا کر ظہیر نے سوچا بچے کو یتیم خانے بھجوا دیا جائے مگر فاخرہ کے دل کو کسی نے مٹھی میں لے کر مسل دیا۔ بہت سوچنے کے بعد انہوں نے دل پر پتھر رکھ کر اپنی جگر کے دوسرے ٹکڑے کو بھی کسی اور کو سونپ دیا۔ اتنا اطمینان تو بہرحال دل کو تھا کہ ہاشم بھائی غیر نہیں بلکہ باری کے سگے چچا ہیں مگر ابرین کے مزاج سے خوف آتا تھا۔

عبدالباری چلا گیا مگر ندرت کو اب نند کا وجود بھی ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ سارا دن کام کاج کرنے کے بعد بھی وہ ندرت کے مزاج کو بہتر نہیں کر پاتی تھیں۔ اسی طرح کچھ سال گزرے کہ ندرت اپنے محلے کے ایک مولوی کا رشتہ لے آئی۔ عبدالرحمن کی پہلی بیوی فوت ہو چکی تھی۔ پانچ بچے تھے۔ جنہیں فاخرہ نے ماں بن کر پالا پوسا اور محبت دی تھی۔

سادگی سے ہفتے کے اندر اندر نکاح ہوا اور وہ مولوی عبدالرحمن کے گھر چلی آئیں ان کے بچے بہت ہی باادب اور نیک تھے۔ جلد ہی گھل مل گئے۔ اسی طرح وقت کے تھال میں کچھ سال اور سکوں کی طرح گرے۔

ندرت کے ہاں تیسری بچی کی ولادت ہوئی۔ وہ گھنٹے بعد وہ بچی سمیت خود بھی چل بسی۔۔۔ ظہیر ننھی پریوں کو ان کے حوالے کر کے خود کراچی چلا گیا اور پھر اس کی کبھی خیر خبر نہیں آئی۔

درمکنون اور رانیہ دونوں میں ان کی جان تھی۔ ان کے اکلوتے بھائی کی نشانیاں۔ مولوی صاحب نے بھی بچیوں سے ہمیشہ شفقت بھرا رویہ رکھا۔۔۔ وہ انہیں ہمیشہ اچھا کھلانے اور پہنانے کی کوشش کرتے تھے مگر پھر بھی نجانے کیوں درمکنون ان کے گھر کے ماحول، رہن سہن ہر شے سے متنفر تھی۔ وہ جادو کی چھڑی سے کسی اونچے محل میں جانا چاہتی تھی اور وہ اپنی لاڈلی کو ہر لمحہ یہی باور کرواتی تھیں کہ اونچے محلوں میں سکھ نصیب سے ملتا ہے میری بیٹی! ہمیشہ اچھے مقدر کی دعا کیا کرو سید دھن دولت بس دھوکا ہے۔

اور پھر ایک دن بالکل اچانک جھٹ پٹے کی اس شام درمکنون کو اونچے محلوں میں لے کر جانے والا آگیا تھا۔ فاخرہ نے اپنے دریچے میں کھڑے قدرت کے اس شاہکار کو دیکھا اور دل تھام کر رہ گئیں۔

وہی آنکھیں، وہی سحر طراز نقوش سے سجا چہرہ، کشادہ پیشانی پر چمکتا اس کا بلند بخت۔۔۔ ان کے جگر کا ٹکڑا۔۔۔ ان کا زبان عبیث کھڑا تھا۔ آنکھیں ترس گئی تھیں اس چہرے کو دیکھنے کے لیے۔

ان کی آنکھیں بے تابی سے اس کا طواف کر رہی تھیں جبکہ وہ بڑے اشتیاق، جوش اور کچھ کچھ بے چینی سے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا اور جوں ہی اس کی نظریں سبز دریچے میں جھانکتے چہرے پر پڑیں۔ اس کے لبوں سے گویا ایک گنگناتا نغمہ ان کے وجود کو گویا ساکت کر گیا۔

"درِیہ۔" زبان نے بڑے جوش کے عالم میں اسے پکارا اور دھڑ دھڑ سیڑھیاں اترتی درمکنون دوسرے ہی پل اس کے سامنے تھی۔ سارہ، زروہ اور مہک بہت

حیرت اور کچھ کچھ ناپسندیدگی سے ایک اجنبی کو اپنے گھر میں بغیر دستک کے آتا دیکھ کر اور درمکنون سے یوں بے تکلفانہ گفتگو کرتے سن کر ناگواری سے بڑی تینوں کمرے میں جا گھسیں اور چھوٹی مہک ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ جو باتوں میں سارے جہان کو فراموش کیے یوں گم ہو چکے تھے گویا ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا وجود تھا ہی نہیں۔

✡ ✡ ✡

"عنوہ! تم پاگل ہو گئی ہو؟ اسپیڈ کم کرو۔" حنا نے چلا کر کہا تو زیتو بابا بھی پچھلی سیٹ سے سہم کر بولے۔

"جی بٹیا رانی! اب تھوڑی دور گاؤں رہ گیا ہے۔ آپ ذرا آہستہ گاڑی چلائیں۔"

"زیتو بابا! اب کس طرف جانا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے پوچھا تو زیتو بابا راستہ سمجھانے لگے۔

بڑی اور چوڑی سڑک کے دائیں طرف بڑا سا لوہے کا بورڈ لگا تھا۔ جس کے اوپر شاہ قدوس لکھا اسٹارز جگمگا رہا تھا۔ نیچے عبدالباری کا نام بھی لکھا تھا۔ عنوہ کچھ پرجوش ہو کر بڑی شان سے کھڑی پرشکوہ عمارت کو دیکھنے لگی تھی جبکہ حنا اس علاقے کی قدرتی خوب صورتی دیکھ کر جھکنے لگی۔

"واٹ آبیوٹی فل پلیس اٹ از۔ یہ کتنی خوب صورت جگہ ہے۔"

"بابا! ہم ٹھیک جگہ پر پہنچ گئے ہیں۔ یہ دیکھیے عبدالباری کا نام لکھا ہے۔" وہ گاڑی سے اتر کر پرجوش سی حویلی اور اسکول کی عمارت کو دیکھ رہی تھی۔ اس وقت رانیہ، دریہ سب کچھ ذہن سے فراموش ہو چکا تھا۔ صرف یاد تھا تو اتنا کہ وہ اپنے بابا سے ملنے کی۔ آج اسے اپنی پہچان ملنے والی تھی۔ اور وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ ممی کا دعوا کتنا سچا ہے۔

"عبدالباری کون؟" حنا نے حیرانی سے پوچھا۔

"زبان کا چھوٹا بھائی۔" لہجے میں ڈھیروں خوشی اور کھنک تھی۔ عبدالباری ایک جھٹکے سے ڈھلوانی سطح چڑھ کر ان دو اجنبی لڑکیوں تک پہنچا تھا۔ وہ پھولوں کی باڑ کے پاس ایک لائم اسٹون پر بیٹھا مسلسل درمکنون کے متعلق سوچ رہا تھا جب دو نسوانی آوازوں نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"عبدالباری زبان کا چھوٹا بھائی۔" وہ سرعت سے ان کے قریب پہنچا تھا۔ اس کے دل کی رفتار معمول سے ہٹ کر تھی۔ عنوہ جو گاڑی سے ٹیک لگائے گہرے گہرے سانس لے رہی تھی اور زیتو بابا جو کہ حویلی کے اندرونی حصے کی طرف گئے تھے ان کا انتظار بھی ہو رہا تھا۔

"آپ کون ہیں؟" عبدالباری نے چھوٹتے ہی پوچھا۔ اس کا چہرہ بہت سرخ ہو رہا تھا۔

"پہلے آپ بتائیے آپ کون ہیں؟" حنا نے گم سم سی کھڑی عنوہ کو دیکھ کر تنک کر کہا تو وہ خود بخود عنوہ کی طرف رخ پھیر کر کہنے لگا۔

"آپ نے ابھی کچھ دیر پہلے کیا کہا ہے۔"

"میں نے۔" عنوہ نے اپنی طرف اشارہ کیا اور پھر اچانک کچھ کلک ہوا تھا۔ اس نے سامنے کھڑے خوش پوش خوبرو نوجوان کو بغور دیکھا اور دل نے گویا تصدیق کی مہر لگا دی تھی۔

"آپ عبدالباری ہیں۔" عنوہ نے خوشی سے بھرپور کپکپاتی آواز میں کہا۔

"جی۔۔۔ اور آپ کون ہیں اور زبان؟" اس کی آنکھوں میں الجھن تھی جبکہ چہرے پر دبا دبا جوش۔

"میں عنوہ زبان ہوں۔ یعنی زبان کی بیوی اور زبان آپ کا بڑا بھائی ہے۔ آپ زبان کو نہیں جانتے ہوں گے کیونکہ آپ کو بابا۔۔۔"

"عنوہ بیٹا جی! اندر آئیے شاہ صاحب بلا رہے ہیں۔" اسی پل زیتو بابا نے آکر مداخلت کی تو وہ دونوں اندر کی طرف بڑھ گئی تھیں جبکہ عبدالباری سوچوں میں گم حیران پریشان سا وہیں کھڑا رہ گیا۔

"یہ لڑکی کیا کچھ کہہ رہی ہے۔ مگر ایسے کس طرح ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ جھوٹ کیوں بولے گی۔"

"چلی گئی ہیں۔ وہ دونوں اندر، اب آجایئے واپس اپنے حواسوں میں۔" قریب ہی عیشہ کی کھنک دار

www.pkdigest.com

ہنسی سنائی دی تو وہ حیرت زدہ سا پلٹا۔
"تم کب آئیں؟"
"میں تو پہلے سے ہی موجود ہوں۔ مگر آپ کو دکھائی نہیں دی۔" کچھ حنا کا کچھ سمجھا آ عیشہ کا روٹھا روٹھا مبہم سا انداز بہت سی باتیں واضح کر گیا تھا۔
"تو ہونے والی بہوؤں کی میٹنگ کی خبر اس تک بھی پہنچ گئی ہے۔" عبدالباری نے سوچا اور پھر اک شگفتہ مسکراہٹ لبوں پر سجا کر بولا۔
"نظر تو بہت آتی ہو اور کہنا بھی بہت کچھ چاہتا ہوں مگر مناسب وقت کا انتظار ہے۔" اس نے بابا جان کی خواہش پر سر جھکا دیا تھا۔ ویسے بھی خود سری اس کی شخصیت کا خاصہ نہیں تھی۔ یہی بابا جان کی تربیت کا تقاضا تھا کہ وہ اس رشتے پر راضی ہو جاتا جو اللہ نے اس کی تقدیر میں لکھ دی تھی اور وہ ناشکرے لوگوں میں سے نہیں تھا۔ اس نے بابا جان کے قول کے مطابق درمکنون کا خیال دل سے نکال دیا تھا۔
"اور وہ مناسب وقت کب آئے گا۔" عیشہ نے مسکرا کر پوچھا اور پھر گھبرا کر پلٹنے لگی جب پیچھے سے عبدالباری کی آواز سنائی دی تھی۔
"ان شاء اللہ بہت جلد۔"

☼ ☼ ☼

"یا اللہ! یہ خواب ہے یا حقیقت تم۔۔۔ میری عنوہ خود چل کر میرے پاس آگئی۔" انہوں نے آنکھیں موندیں تو دو شفاف قطرے گالوں پر بہنے لگے۔ انہوں نے اپنی دونوں بانہیں پھیلا دی تھیں اور عنوہ کو لگا وہ کڑی دھوپ سے ٹھنڈی چھاؤں میں آگئی ہے۔ صحرا میں گویا ابر رحمت پورے جلال سے برسا تھا۔ جل تھل ہو گئی تھی۔ ہر شے سیراب ہو گئی تھی۔ وہ بابا جان کے سینے میں منہ چھپا کے دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی اور حنا کو لگا کہ اس کا دل پگھل کر بہہ جائے گا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ عنوہ اسے اتنا بڑا سرپرائز دے گی اور پھر اس نے عنوہ کے بابا جان کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ اس نے یہ مہربان اور شفیق چہرہ کہاں دیکھا تھا اور پھر ایک دم ہی کچھ فلیش ہوا۔
"مکہ میں۔۔۔ جب میں اور ابو عمرہ کرنے گئے تھے ان کے ساتھ کوئی لڑکی بھی تھی 'پردے والی۔" حنا کو بہت کچھ یاد آ گیا تھا۔
"بابا جان! آپ کی بیٹی کہاں ہے؟" حنا زیادہ دیر اپنے تجسس کو برقرار نہیں رکھ سکی تھی۔ بے چینی سے پوچھ بیٹھی۔
"یہ وقت اس کی عبادت کا ہے بیٹے! تم لوگ صبح ہی اس سے مل سکو گی۔ ابھی آرام کرو کھانا کھاؤ اور سو جاؤ۔" انہوں نے بہت ہی شفقت اور حلاوت سے کہا تو حنا بخدن بی بی کی ہمراہی میں اٹھ کر چلی گئی جبکہ عنوہ نے ایک مرتبہ پھر ان کے شفیق مہربان سینے میں منہ چھپا لیا۔
"آپ نے میرے ساتھ بہت بڑا ظلم کیا ہے بابا جان! آپ نے مجھے اپنی محبت سے محروم رکھا۔ مجھے تنہائیوں کے حوالے کر آئے۔ مڑ کر میری خبر بھی نہیں لی۔"
"میں خوفزدہ تھا۔ مجھے خوف تھا کہ تم۔۔۔"
"پلیز بابا جان! کچھ مت کہیں۔۔۔ مجھے کوئی بھی ایسی وضاحت نہیں چاہیے۔ جو آپ کے لیے تکلیف کا باعث بنے۔" اس نے اپنا ہاتھ ان کے ہونٹوں پر رکھا تو انہوں نے اس کے ہاتھ پر نرم سا بوسہ دیا۔
"میں آپ کی بھی بیٹی تھی۔ آپ نے کیوں سوچا کہ میں ممی کی طرح گھٹیا سوچ رکھنے والی ہوں۔ بابا جان آپ کو کیا پتا کہ آپ میرے لیے کیا ہیں۔ ماں باپ اللہ کی طرف سے ایسا حسین تحفہ ہیں جن کا نعم البدل کوئی چیز بھی نہیں ہو سکتی۔ آج میں اتنی خوش ہوں کہ آپ کو بتا نہیں سکتی۔ میری گردن بھی تفاخر سے اونچی ہو گئی ہے۔ زیان کے سامنے میرے پلس پوائنٹ میں اضافہ ہوا ہے ورنہ ممی کے حوالے سے وہ مجھے طعنے مار مار کر بے حال کر رہا تھا۔" عنوہ خوشی سے چہک رہی تھی۔
"زیان کون؟" وہ اپنی بیٹی کا سر چومتے ہوئے دل ہی دل میں پروردگار عالم کا شکر ادا کر رہے تھے جس نے انہیں عنوہ سے ملا دیا تھا۔ ان کی پیاری اکلوتی بیٹی ان کے ناکام شکستہ زیست کی کل پونجی۔ ان کی پوری کائنات بس اس ایک چہرے میں سمٹ آئی تھی۔ جو دعا کا حصار انہوں نے عنوہ کے گرد کھینچا تھا وہ اسی حصار میں موجود تھی۔ محفوظ تھی۔ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک' دل کا سرور۔۔۔ ایسی رحمت جس سے ایک خود پرست عورت کی وجہ سے انہیں منہ موڑنا پڑا تھا۔ وہ عورت جو کبھی دل میں بستی تھی۔ عرصہ ہوا آنکھ اور دل سے اتر کر تاریک گڑھوں میں گر چکی تھی۔ جسے حسن ظاہر سے عشق تھا۔ حسن باطن کے مفہوم سے نا آشنا سیاہ قلب والی بد بخت عورت۔
وہ عورت انہیں اس لیے یاد تھی کہ اس کی بے وفائی اور ہرجائی پن نے انہیں عشق حقیقی سے ملا دیا تھا۔ انہوں نے ہمیشہ قائم رہنے والی زندگی کا راز جان لیا تھا۔
"بوجھیں نا۔۔۔ زیان بھلا کون ہو سکتا ہے؟" وہ انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔
"زیان۔۔۔" بابا جان نے سوچتے ہوئے سر ہلایا۔
"زیان میری بیٹی کی خوشی معلوم ہوتا ہے۔ جس سے میرا تعارف کروا کر میری بیٹی کی گردن فخر سے اونچی ہو جائے گی۔"
"بابا جان اس کے علاوہ پتا ہے زیان کون ہے؟" اس نے جان بوجھ کر سسپنس پھیلانا چاہا تھا۔ ان کے لبوں پر دھیمی سی مسکان نے جھلک دکھائی۔
"آپ کے بابا جان عبیث فریدی کا بیٹا میرا بھتیجا اور عنوہ کا۔"
"نصف بہتر۔" حنا نے مسکراتے ہوئے ٹکڑا لگایا اور عنوہ فس فس کر دوہری ہو رہی تھی۔
"نصف بہتر۔" اس نے گویا بہت ہی لطف لیا۔
حنا بہت خوشی کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی جسے کبھی مسکرانا آتا ہی نہ تھا اور اب خوشی اس کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔ حنا بیگ اٹھا کر واپس چلی گئی تھی سونے کے لیے۔
"بابا جان! آپ نے عبدالباری کو بتایا کہ میں کون ہوں؟"
"تم مجھے موقع دو گی تو بتاؤں گا نا۔" انہوں نے شفقت سے اس کی طرف دیکھا۔ جو امبرین کی جوانی کی تصویر تھی۔
"وہ بہت حیران ہو گا کہ آپ اس کے بابا نہیں چچا ہیں۔" عبدالباری کے قدم دروازے کے قریب ہی رک گئے تھے۔
"بابا جان! میں عبدالباری کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔ میں نے باری کو اس کی ماں سے ملوانے کا خود سے عہد کر رکھا ہے۔" اس نے پرعزم لہجے میں کہا۔
"تم جانتی ہو بیٹے! کہ فاخرہ بھابھی کہاں ہیں؟"
"نہیں۔ مگر میں انہیں ڈھونڈ لوں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔
"بابا جان! کیا آپ نے باری کو بتایا ہے کہ اس کی امی نے کس مجبوری کے تحت اسے آپ کے حوالے کیا تھا۔" کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے آہستگی سے کہا تو بابا جان نفی میں سر ہلانے لگے۔
"نہیں بیٹے! بعض آپ کی زندگی کے بہت حساس اور نازک پہلو ہوتے ہیں۔ جنہیں آپ اپنے پیاروں کے ساتھ بھی شیئر نہیں کر سکتے۔ میں نہیں چاہتا کہ باری کو پتا چلے کہ میں اسے لے کر کیوں روپوش ہو گیا تھا۔ تمہاری ماں نے جو کچھ کیا۔ میں اسے خود سے بھی شیئر نہیں کر سکتا۔ بہت عرصہ اس موضوع پر لوگوں نے چٹخارے لیے ہوں گے۔ میرے لیے یہ بہت اذیت ناک عمل ہے۔" ان کی آنکھوں میں سرخی سی اترنے لگی تھی۔ اور باہر کھڑا عبدالباری چپکے سے پلٹ گیا۔
"میں آپ کی زندگی کے ان تاریک پہلوؤں کو کبھی نہیں کریدوں گا بابا جان! میری خوشی اور فخر کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ میں بے نشان نہیں ہوں۔ میں کسی کے گناہ کا جیتا جاگتا انجام نہیں ہوں۔ میرا باپ اس دنیا میں نہیں بظاہر وہ ایک معزز انسان تھا اور میری ماں نجانے کن مجبوریوں کی زنجیر میں جکڑی ہو گی۔ میں اپنی ماں سے ملنے ضرور جاؤں گا۔

www.pkdigest.com

اس لیے کہ میں نے ماں کو اپنے ہاتھ سے چھو کر محسوس کرتا ہے اور پھر میرا بھائی۔۔۔ اور تم بہت اچھی سی لڑکی عنوہ! میری محبتوں کی شراکت دار بن گئی ہو۔ مگر میری ماں کا سندیسہ سنا کر مجھے خوشیوں کی دولت سے مالا مال کر دیا ہے۔ میری اچھی سی بھابھی! میرے کھوئے رشتے مل گئے ہیں۔ میں ایک مضبوط ستون کے سہارے کھڑا ہوں۔ میری بنیادیں مضبوط ہیں اور میرے دل سے آخری پھانس بھی چپکے سے نکل گئی ہے کہ میں کسی کے گناہ کا ثمر نہیں ہوں۔ میرے اور آپ کے رشتے مضبوط ہیں۔ حوالے مضبوط ہیں بابا جان! یہ تعلق خون کے تعلق ہیں۔ یہ محبت کے تار دلوں سے جڑے ہیں۔ یہ کشش خون کی کشش تھی۔"

☼ ☼ ☼

وہ بہت تیزی کے ساتھ لاؤنج سے گزر کر گول زینہ طے کر کے رانیہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

آج دوسری مرتبہ وہ رانیہ کے کمرے کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ رانیہ کی آنکھیں تحیر کے عالم میں پھیل سی گئیں۔

"آپ۔۔۔" وہ ہکلا کر اتنا ہی کہہ سکی تھی۔

"اندر نہیں آنے دو گی؟" زیان کا لہجہ خوشگوار تھا۔ رانیہ حیرت سے بت بنی کھڑی رہی۔

"آؤ رانیہ یہاں بیٹھو۔۔۔ میں نے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" اس نے نرمی سے کہتے ہوئے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ آہستہ روی سے چلتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی تھی مگر سر یوں جھکا ہوا تھا۔ یہ سر کبھی زیان کے سامنے اٹھنے کے قابل نہیں تھا۔ ایک ایسے ہی حوالے سے رانیہ کی ذات منسلک تھی۔

"تم مجھ سے نفرت کرتی ہو نا؟"

"نن نہیں تو۔" وہ گھبرا کر بولی تھی۔

"کیا سچ ہے۔" زیان نے خاکی لفافہ ٹیبل کے اوپر رکھتے ہوئے کہا۔

"رانیہ۔۔۔؟"

"جج۔۔۔ جی۔" اس نے سر اٹھایا اور پھر جھکا لیا۔

"میرا دل چاہتا ہے تم پھر سے مجھے وہی زبان سمجھو۔"

"کک۔۔۔ کیا۔" وہ متوحش سی آنکھیں پھاڑے دیکھنے لگی۔

"ہاں، رانیہ! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔۔۔ یہ انتقام کا سلسلہ اب ختم ہو جانا چاہیے۔ بہت اس آگ میں خود بھی جلا ہوں اور۔۔۔ چھوڑو اس قصے کو اس لفافے میں طلاق کے کاغذات ہیں۔ جسے خاموشی سے یہ نام نہاد بندھن بندھا تھا اسی خاموشی سے توڑ رہا ہوں۔ چند ایک لوگوں کے سوا کوئی اس حقیقت سے واقف نہیں اور جو جانتے ہیں وہ میرے وفادار ہیں۔ دیکھو رانیہ! یہ آنسو کیسے؟ تمہاری دلی خواہش پوری ہو رہی ہے۔ کیا تم ایسا نہیں چاہتی تھیں؟" زیان نے ڈپٹ کر پوچھا۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی بس خاموشی سے آنسو بہاتی رہی۔

"میں آپ سے نفرت نہیں کرتی۔ بس آپی نے جو کچھ کیا تھا۔ اگر اس رات میں بول پڑتی تو حالات کچھ اور ہوتے۔"

"اٹس او کے، میں کچھ فضول سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ یہ بتاؤ تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"کیا مطلب۔۔۔؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"اپنوں سے ملنا نہیں چاہو گی؟" زیان نے کہا تو وہ بے چین ہو اٹھی۔

"آپ مجھے پھوپھو کے گھر چھوڑ دیں۔"

"پھوپھو کو یہیں نہ لے آؤں۔"

"مگر کیسے کیا وہ آجائیں گی؟ آپ نے کب سے انہیں امی تسلیم کیا ہے؟" رانیہ نے حیرانی سے آنکھیں پھیلا کر کہا۔ اس کا اعتماد زیان کے رویے کی بدولت رفتہ رفتہ بحال ہو رہا تھا۔

"ایک ایسی کرپٹ عورت کی باتوں پر یقین کر لیا ہے جواب اس دنیا میں نہیں۔ میں امی کو لینے جا رہا ہوں۔"

زیان نے مسکرا کر کہا۔

"آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟" رانیہ نے چونک کر پوچھا۔

"عنوہ کی ممی کی۔"

"کیا ان کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔" اسے بے حد افسوس ہوا تھا۔

"ہاں، پھر کیا سوچا ہے تم نے اپنے بارے میں۔" زیان نے اٹھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ مجھے دارالاقامہ چھوڑ دیں۔ میں نہیں چاہتی کہ پھوپھو مجھے آپی کے یا کسی پرانے حوالے سے ملیں۔"

"سمجھدار ہو گئی ہو رانیہ! یہ لو جب نئی زندگی کی ابتدا کرو گی۔ تو اس کی ضرورت محسوس ہو گی۔" زیان نے ایک اور لفافہ اس کی طرف بڑھایا تو رانیہ حیرانی سے پوچھنے لگی۔

"اس میں کیا ہے؟"

"ایک پر لگژری فلیٹ کے کاغذات ہیں یہ گھر تمہارا ہوا۔ میری طرف سے تم دونوں کے لیے قبل از وقت تحفہ۔"

"ہم دونوں۔" وہ ایک مرتبہ پھر حیران تھی۔

"تم اور مبین۔۔۔ اب سمائی موٹی عقل میں بات۔" زیان مسکراتا ہوا نیچے چلا گیا تھا۔

اسٹڈی روم میں آ کر پہلے اس نے امبرین کی میل کو ڈیلیٹ کیا اور پھر شاہ قدوس کی حویلی کے بارے میں سوچنے لگا مگر اس سے پہلے اس نے اپنی ماں سے معافی مانگنا تھی۔ انہیں بتانا تھا کہ وہ ان سے کتنا پیار کرتا ہے اور ان کے حوالے سے ہی اسے مبین زروہ اور سارہ سے لگاؤ ہے۔ بہت دیر بعد ہی سہی اس نے حقیقت کو تسلیم کر ہی لیا تھا۔

جن لوگوں سے اس کی ماں نے محبت کی تھی وہ کیسے ان لوگوں سے نفرت کر سکتا تھا۔ وہ آج کل مبین سے ہر روز ملتا تھا۔ اس کا برابر علاج ہو رہا تھا۔ اور اب وہ زندگی کی بہاروں کی طرف متوجہ ہونے لگا تھا صرف اور صرف رانیہ کی وجہ سے۔

زیان جب پہلی مرتبہ پارک میں بینچ پر گم صم بیٹھے مبین کو دیکھ کر اس کے قریب گیا تو چونکنے سے پہلے ہی اس نے پوچھا تھا۔

"رانیہ کہاں ہے؟"

اور زیان جیسا زیرک بندہ جو مقابل کے اندر تک اتر جانے کا فن رکھتا ہے۔ بس خاموشی سے اسے دیکھے گیا تھا۔ فیصلہ تو کب کا ہو چکا تھا۔ اب عمل کرنا باقی تھا۔

آج سے سات آٹھ ماہ پہلے عنوہ کو اپنی زندگی میں شامل کرنے سے پہلے اس نے سوچا تھا کہ رانیہ کو اس کا جائز مقام دے دینا چاہیے۔ کچھ ایسی ہی سوچوں کے زیر اثر وہ اس کے کمرے کی طرف بڑھا تو اسے جائے نماز پر بیٹھا روتے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"اللہ جی، مجھے پھوپھو سے ملا دے۔۔۔ زروہ آپی، سنیہ، سارہ اور میرا مبین۔" وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی اور زیان بے آواز قدموں سے پلٹ آیا تھا۔

پچھلے ایک دو دن سے وہ مسلسل امی کے پرانے مکان کے ہزار چکر لگا چکا تھا مگر ان کا سراغ ملنا مشکل امر لگ رہا تھا۔

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
تتلیاں پھول اور خوشبو
راحت جبیں
قیمت۔۔۔ -/225 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

www.pkdigest.com

پھر کچھ سوچ کر اس نے پڑوسیوں کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک ادھیڑ عمر عورت نے اس کی تمام بات سن کر خالہ قمر النساء کا ایڈریس دیا تھا یوں اس کی تمام مشکلیں آسان ہوتی چلی گئیں۔

☼ ☼ ☼

عنوہ کے ہاتھ سے شیشے کا گلاس لڑھکتا ہوا فرش پر گر کر چکنا چور ہو گیا تھا۔ مگر وہ گلاس کی طرف متوجہ کہاں تھی۔ وہ پچھلے صحن میں بیٹھی نرم گرم دھوپ کا مزا لے رہی تھی۔ جب ایک سر سے لے کر پیروں تک چادر میں لپٹی لڑکی بیرونی دیوار سے لگی سلیپ کی طرف بڑھنے لگی۔ اب وہ ٹونٹی کھول کر وضو کرنے لگی تھی مگر اس سے پہلے اس نے اپنی ٹینٹ نما چادر کو کھونٹی پر لٹکایا اور تمکنت سے انداز میں وضو کرنے لگی۔ یہ حویلی کا پچھلا حصہ تھا یہاں آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔

اس کے لمبے بال چوٹی میں بندھے تھے۔ اس کا چہرہ وہ ٹھیک طرح سے دیکھ نہیں سکی تھی مگر پھر بھی اس لڑکی کے خوب صورت ہونے کا اسے یقین تھا۔ جوں ہی وہ چادر کھونٹی سے اتارنے کے لیے پلٹی۔ نظریں گم سم سی عنوہ سے جا ٹکرائی تھیں۔

"یقیناً" بابا صاحب کی بیٹی عنوہ ہے۔" درمکنون نے مسکان لبوں پر سجا کر سوچا۔ اک اجلی چمکیلی سی دھلی دھلائی مسکان۔۔۔ وہ دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

عنوہ کی نظریں اس کی شفاف گردن میں جھولتی موٹی سی چین پر تھیں۔ جس کا لاکٹ انسانی شکل میں ڈیزائن کیا گیا تھا اور جس میں سفید نگینے جڑے تھے اور واضح لفظوں میں لکھا تھا Zayan

اب وہ بالکل عنوہ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ لبوں کے پاس بھورا تل مسکرایا تھا۔ بہت ہی خوب صورت کتابی چہرہ۔

"دریہ۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔ درمکنون ایسے وحشت زدہ سی ہو کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی گویا کسی زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا ہو۔

"ور۔ مائی لو۔" جیسے کسی نے سرگوشی کی تھی چپکے سے کان کے قریب۔ عنوہ کو لگا اس بند کتاب کا صفحہ صفحہ بکھرنے والا ہے۔ کوئی بھید چھپا نہیں رہے گا۔ کوئی راز اب پوشیدہ نہیں رہے گا۔ اس بند کتاب کا لفظ لفظ پڑھنے کو عنوہ بے تاب ہو رہی تھی۔ حنا بھی چونک کر ان کے قریب آگئی۔

"آپ وہ ہی ہیں نا۔۔۔ مکہ میں عمرے کے دوران ہم ملے تھے۔ آپ عنوہ کے بابا جان کے ساتھ آئی تھیں۔ بہت شوق تھا مجھے آپ سے دوبارہ ملنے کا۔ دیکھیں اللہ نے پھر سے ملن کروا دیا ہے۔" حنا پرجوش سی کہہ رہی تھی پھر عنوہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ان سے ملو عنوہ! میں نے کہا تھا نا کہ میری ملاقات ایک بہت اچھی ہستی سے ہوئی تھی۔ تمہاری کچھ بے چینی کا حل ان کے پاس ضرور ہو گا۔ آپ لوگ باتیں کریں میں ابو کو اور ہشام کو ایک فون کر کے آئی۔" حنا مسکراتے ہوئے پلٹ گئی تھی جب اس نے آہستگی سے کہا۔

"میری کچھ نہیں سب بے چینیوں کا حل ان کے پاس موجود ہے۔"

"تم کون ہو عنوہ!" درمکنون نے کپکپاتی آواز میں پوچھا۔

"یہی سوال تو میں آپ سے کرنا چاہتی ہوں۔ کوئی بھی مجھے اس کا جواب نہیں دیتا۔ بہرحال میں زیان کی بیوی ہوں۔" عنوہ کے انکشاف نے اسے دم بخود کر دیا تھا۔

"تم کیا جاننا چاہتی ہو؟ اور کیوں؟" درمکنون نے گہرا طویل سانس کھینچا۔ اس نے پل صراط سے گزرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"میں زیان اور آپ کے تعلق کی نوعیت کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں اور کیوں جاننا چاہتی ہوں؟ اس لیے کہ شاید آپ کی ذات کی کچھ الجھنیں رانیہ کی زندگی کے قیمتی سالوں کو اجاڑ رہی ہیں۔ میں رانیہ کو اس کا جائز مقام دلوانا چاہتی ہوں مگر میں یہ بھی دیکھنا

www.pkdigest.com

چاہوں گی کہ رانیہ کے لیے زیان کے دل میں کتنی گنجائش ہے۔" اس نے بات کے اختتام پر درمکنون کی طرف دیکھا تھا۔ زلزلے کے بعد کے تمام تر آثار اس کے چہرے پر پائے جاتے تھے۔ جا بجا خوف کی ملال کی غم اور ندامت کے آنسوؤں کی دراڑیں تھیں۔

"ایک فیصد بھی نہیں۔" اس نے بھیگتی پلکوں کو چادر کے پلو سے صاف کیا اور بولی۔

"آؤ عنوہ! میرے ساتھ اندر آؤ۔ آج میں اپنی "کتاب زندگی" تمہارے حوالے کرتی ہوں۔ اسے نذر آتش نہ کرنا نہ ہی دریا۔۔۔ برد کرنا بلکہ اسے پڑھنے والی تمام میرے جیسی لڑکیوں کے لیے عبرت کا جیتا جاگتا نشان بننے دینا۔ ان نادان لڑکیوں کو بتانا سب لو درمکنون کی طرح بابا صاحب جیسے راہنما نہیں ملتے اور نہ ہی ہر لڑکی درمکنون کی طرح بلند بخت ہوتی ہے جس کے مقدر کی سیاہی ندامت کے اشکوں سے دھل جائے۔ نہ ہی ہر ایک پر بخشش و کرم کی عنایات کی جاتی ہیں۔ اور نہ ہی ہر ایک کو معرفت کے جام پلائے جاتے ہیں۔ یہ خاص اس باری تعالیٰ کا فضل ہے۔ یہ خاص اس کی رحمت ہے۔ جس نے درمکنون کی تاریک ذات کو اپنے لطف و کرم کی جلا بخشی۔ ورنہ آج مجھ میں اور کوڑھ کے مریض میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔

آؤ اور صفحہ صفحہ پڑھو درمکنون کی زیست کا۔۔۔

جب اس کی آنکھ میں پہلا پہلا خواب اترا تھا۔ جب درمکنون کو پہلی مرتبہ کسی نے "دریہ" کہہ کر پکارا تھا۔ جھٹ پٹے کی اس گلابی شام میں وہ ہمارے گھر یعنی میری پھوپھو امی کے گھر آیا تھا۔ مجھے کھوجتے ہوئے ڈھونڈتے ہوئے اس اجنبی کو مجھ سے محبت ہو گئی تھی۔"

☼ ☼ ☼

"یونیورسٹی آف پنجاب سے ماسٹرز کی ڈگری لینا میرا جنون تھا۔ حالانکہ میں جانتی بھی تھی کہ پھوپھو امی کے حالات اچھے نہیں ہیں۔ ان کی معمولی سی گورنمنٹ کی جاب اور لاتعداد مسائل سے نبرد آزما ان کی اکیلی ذات۔

مولوی صاحب کی وفات کے بعد گھریلو حالات بد سے بدترین ہوتے چلے گئے تھے۔ مگر میں نے کبھی ان باریکیوں کے متعلق سوچا نہیں تھا۔ مجھے صرف اپنی خواہشات اور خوابوں سے غرض تھی۔ میں اس بات سے بے نیاز رہتی تھی کہ زروہ اور پھوپھو امی نجانے کیسے رات رات بھر سلائی مشین چلا کر گھر کی گاڑی کو گھسیٹ رہی ہیں۔

مجھے نت نئے کپڑوں کے لیے پیسے چاہیے ہوتے تھے اور پھوپھو امی نے کبھی ماتھے پر بل نہیں ڈالے تھے۔ میری ہر فرمائش بن کہے پوری کر دیتی تھیں۔ کبھی کبھی رانیہ بھی مجھ سے الجھ پڑتی اور زروہ کے تو تیور ہمہ وقت بگڑے رہتے تھے۔ اکثر پھوپھو امی سے دبی دبی آواز میں جھگڑتی۔

"امی! آپ اس نواب زادی کو سمجھاتی کیوں نہیں ہیں۔ یونیورسٹی کا خرچہ ہم افورڈ نہیں کر سکتے۔ میری طرح پرائیویٹ ایم اے کا امتحان دے لے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے پیٹ کو ننگا کر کے دکھائیں۔ سو طرح کے مسائل ہوتے ہیں۔ بجلی کا بل، گیس کا بل، مکان کا کرایہ۔۔۔ میں اور باقی تینوں کی فیسیں۔ آخر رانیہ بھی تو ہے۔ اس نے کبھی بے جا فرمائش نہیں کی، کبھی آپ کو تنگ نہیں کیا۔ مگر یہ نہ جانے خود کو سمجھتی کیا ہے۔"

زروہ کے انداز مجھے آگ لگا دیتے تھے۔ اس کا جتانے والا رویہ کہ میں اس کے باپ کے گھر میں موجود انہی کے ٹکڑوں پر پلنے والی ان کی سوتیلی ماں کی یتیم بھتیجی ہوں۔ میرے اندر نفرتوں کا لاوا پکنے لگا تھا۔ جو کسی بھی وقت پھٹ سکتا تھا۔ زروہ اور میرے درمیان جو لاتعلقی اور اجنبیت کی دیوار تھی وہ دن بدن مضبوط اور بلند ہوتی جا رہی تھی۔

ہم دونوں کو ایک دوسرے کے وجود سے چڑ تھی۔ یہ چڑ روز بروز بے زاری اور پھر نفرت میں ڈھل گئی۔

زروہ کی مجھ سے بے زاری سمجھ میں آتی تھی۔ وہ میری خود سری اور پھوپھو امی کو وقتاً "فوقتاً" پیسوں کے

لیے تنگ کرنے سے چڑتی تھی جبکہ مجھے تو نا صرف زروہ بلکہ اس گھر کے ہر فرد سے ہی الجھن ہوتی تھی۔

یہ ان لوگوں میں سے تھے جو میرے نزدیک تمام عمر کنویں کا مینڈک بن کر زندگی گزارنا چاہتے تھے جنہیں ترقی' اور اچھی زندگی گزارنے کی طلب نہیں تھی۔

دراصل ان دنوں میں قانع' صابر کے مفہوم سے واقف نہیں تھی۔ ان لوگوں کو اپنی قناعت پسندی اور صابرو شاکر ہونے پر فخر تھا جو کہ میری نزدیک دقیانوسی باتیں تھیں۔

رانیہ میری چھوٹی بہن مجھ سے بہت مختلف تھی شاید اسی لیے وہ شروع سے ہی اس ماحول میں رچ بس گئی تھی۔ اس کی سب سے بہت دوستی تھی۔ وہ پھوپھو امی کی بھی بہت لاڈلی تھی اور انہوں نے رانیہ اور مبین کے حوالے سے کچھ اچھے خواب بھی دیکھ رکھے تھے جن کی چمک ان دونوں کی آنکھوں میں محبت بن کر بہت سے راز افشا کر رہی تھی۔

مجھے کچھ بھنک پڑی تو میں نے رانیہ کو خوب جھاڑا۔ وہ مجھ سے بہت ڈرتی تھی۔ بہت خوفزدہ رہتی تھی۔

"ابھی اگ تو لو۔ پھر عشق بھی کرلینا' اپنی عمر دیکھو۔ اتنی سی ہو ابھی' نجانے پھوپھو امی کے دماغ میں کیا خناس سمایا ہے۔ قبل از وقت ایسی باتیں کرنا نامناسب ہیں۔ اور پھر میں نے تمہارے لیے بڑے بلند خواب دیکھ رکھے ہیں۔ یہ مبین ان پر فٹ نظر نہیں آتا۔ میں تمہیں کسی اونچے گھر میں بیاہوں گی۔ یہ مبین تمہیں کیا دے سکتا ہے۔ دال روٹی کے چکر میں الجھا' چار بہنوں کی ذمہ داری ہے اس پر۔ انہیں بیاہتے ہی بوڑھا ہو جائے گا۔" میری سوچیں آلودہ ہو چکی تھیں اور رانیہ زرد چہرہ لیے خاموشی سے میرے سامنے سے ہٹ گئی۔

میں نے بتایا ہے ناکہ وہ مجھ سے بہت خوفزدہ رہتی تھی۔ اس میں اعتماد کی کمی تھی۔ میرا اس پر بڑی بہنوں والا رعب اور دبدبہ تھا۔

پھوپھو امی اکثر مجھے سمجھاتی تھیں کہ میں رانیہ کے ساتھ نرم لہجے میں بات کیا کروں اور مجھے تو ان کی ہر نصیحت سے گویا چڑ ہو چکی تھی۔ بلکہ مجھے ان کا وجود ہی کھٹکنے لگا تھا۔ پتا ہے کیوں؟ شاید اس لیے کہ جب وہ مجھ سے ملنے میرے گھر آیا تو پھوپھو امی نے ایک نیا ڈرامہ شروع کر دیا۔ وہ بے تحاشا روتے ہوئے اس کا منہ چوم رہی تھیں۔

"تم میرے بیٹے ہو۔ میرے زیان! میری آنکھیں ترس گئی تھیں تمہیں دیکھنے کے لیے۔" ان کے رونے دھونے سے زیان قطعاً "متاثر نہیں ہوا تھا بلکہ ایک دم گویا اسے کرنٹ لگا۔

"میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں۔" اس نے نفرت سے کہا۔

"تم میرے بیٹے ہو' میرے زیان۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک میرا دل گواہی دے رہا ہے۔" پھوپھو امی تڑپ کر بولی تھیں۔

"اگر میں آپ کا بیٹا ہوں۔ تو یہ لوگ کون ہیں؟" وہ زہر خند سا مہک' منیہ اور سارہ کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

"کیوں چھوڑا تھا آپ نے مجھے۔ آپ میری ماں نہیں ہو سکتیں۔" زیان آگ بگولا تن فن کرتا چلا گیا تھا اور پھر میں پھوپھو امی سے جھگڑنے لگی تھی۔ میری بدکلامی کو خاموشی سے برداشت کرتی وہ معمول کے کام سرانجام دینے لگی تھیں مگر زروہ سے یہ سب برداشت نہیں ہوا تھا۔ میری اور زروہ کی یہ پہلی انتہائی سخت قسم کی لڑائی ہوئی تھی پھر گویا ایک سرد جنگ کا آغاز ہو گیا۔

پھوپھو امی کو میرا زیان سے ملنا پسند نہیں تھا۔ مگر جب وہ گھر آتا تھا تو انہوں نے کبھی اسے منع نہیں کیا تھا بلکہ ان کی آنکھیں اسے دیکھ کر چمکنے لگتی تھیں۔

مجھے آج بھی زیان سے یونیورسٹی میں ملاقات کا پہلا دن روز اول کی طرح یاد ہے۔ کوریڈور میں اپنے دوستوں کے گروپ میں کھڑا وہ مجھے دور سے ہی دیکھ چکا تھا اور پھر بقول زیان کے اس کے دل نے پہلی بیٹ مس کی تھی' وہ جان بوجھ کر مجھ سے ٹکرایا تھا۔

زیان کہتا تھا اسے مجھ سے بہت محبت ہے۔ یونی ورسٹی کا چپہ چپہ ہماری محبت کا گواہ تھا۔

میں اس کے سنگ چلی تھی ایک بڑے گھر کی چاہ لے کر۔۔۔ اور اس نے میرا ہاتھ تھاما تھا اپنے اندر کی محرومیوں کو ختم کرنے کے لیے۔

وہ کہتا تھا میری زندگی بہت پھیکی سی ہے۔ وہ اس میں خوشگواری لانا چاہتا تھا۔ اسے اپنی ماں سے نفرت تھی اور یہی نفرت میں نے رفتہ رفتہ اس کے اندر مضبوط کر دی کہ وہ کبھی پلٹ کر ان راہوں کی طرف نہ دیکھے۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ماما مجھے چھوڑ دیں گی۔ کیا کوئی عورت اپنا بچہ چھوڑ سکتی ہے؟" وہ اکثر بہت ٹوٹ پھوٹ کا شکار پھوپھو امی کا ذکر چھیڑ دیتا تھا۔ یعنی اس کے دل میں ان کے لیے کچھ نرمی ضرور تھی۔

"شاید وہ مجبور ہوں۔" زیان کی دلگرفتگی اکثر مجھے غصے سے بے حال کر دیتی۔

"اونہہ مجبوری۔" میں سلگتے ہوئے اس کا دھیان بٹا دیتی تھی۔

یونیورسٹی سے فراغت کے بعد زیان نے ہائیر اسٹڈیز کے لیے ابراڈ چلے جانا تھا اور میں اپنے اور اس کے تعلق کو کوئی نام دینا چاہتی تھی جبکہ وہ تو دل و جان سے تیار تھا۔

"اچھا ہے۔ تم بھی میرے ساتھ چلنا۔" اس کے ڈیڈی نے سنا تو ہنگامہ کھڑا کر دیا۔

"ابھی تم ان میچور ہو۔ شادی کے لیے عمر پڑی ہے۔ اپنی تعلیم مکمل کرو اور اس کے بعد کاروبار کو سنبھالو۔" ان کا انداز دو ٹوک تھا۔

"مجھے ابھی دریہ سے شادی کرنا ہے۔" زیان بھی انہی کا بیٹا تھا کیسے ہار مان لیتا۔

زیان کو مجھے دُر مکنون کہنے میں دقت محسوس ہوتی تھی۔ اس نے اپنی آسانی اور خواہش پر مجھے دریہ کا نام دیا تھا۔

زیان نے مجھے اپنانے کا فیصلہ کر رکھا تھا اور اس کے فیصلے سے ٹکرانا عبیث فریدی خود بھی نہیں چاہتے تھے۔ تھوڑی سی مشکلات کے بعد زندگی میں آسانیاں آنے والی تھیں۔ یہی خوشی مجھے ہواؤں میں اڑائے رکھتی۔

زیان نے صاف لفظوں میں کہا ڈیڈی پروپوزل لے کر نہیں جائیں گے۔ انہوں نے مجھے پرمیشن دے دی ہے۔ ہم کورٹ میرج کرلیں گے۔ میں زیان کے فیصلے سے متفق تھی۔ میری آنکھیں اپنے دیرینہ خوابوں کی تعبیر پر چمک رہی تھیں۔

میرا دل ریزہ ریزہ ہو رہا ہے اور میں اس وقت کی کیفیات بتانے سے قاصر ہوں۔ میری پھوپھو کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ان کے لبوں پر التجا تھی۔ وہ مجھے منع کر رہی تھیں۔ روک رہی تھیں۔ زمانے کی اونچ نیچ۔۔۔ اپنی عزت کے واسطے مگر میں آنکھیں اور کان بند کر چکی تھی۔ ایسی بے رحمی میری سرشت میں تو نہیں تھی۔

میں نے اس وقت پھوپھو امی سے مزید کوئی بات نہیں کی تھی مگر اس رات میں نے چپکے سے گھر چھوڑ دیا۔

اسی رات ہم نے کورٹ میرج کرلی اور اگلے تین ہفتوں کے اندر اندر میں نے رانیہ کے بھی پیپرز تیار کروا لیے تھے۔ میں اپنی بہن کو ان بند گلیوں سے نکال لانا چاہتی تھی۔ ایک طویل جھڑپ کے بعد میں زبردستی رانیہ کو لے آئی تھی۔ مجھے پھوپھو امی کے آنسوؤں نے بھی موم نہیں کیا تھا بلکہ جاتے سمے میں نے انہیں جتا کر کہا۔

"آپ چاہتی ہی نہیں کہ ہم اچھی زندگی گزاریں۔ اس مولوی کی اولاد سے بڑی محبت ہے۔ سگی بھتیجیاں زہر لگتی ہیں۔ اگر آپ کو مجھ سے محبت ہوتی تو میرا نکاح خود زیان سے کرتیں مگر آپ کی خود غرضانہ سوچ سے میں واقف ہوں۔ یقیناً" زروہ کی زیان سے شادی کا سوچ رکھا ہو گا۔ ان سوتیلے رشتوں نے جب آپ کو دھتکارا تو پھر کہاں جائیں گی۔ ابھی بھی وقت ہے اور سوچ لیں۔ میں آپ کو بھی لے جانے کے لیے تیار ہوں مگر شرط یہ ہے ان لوگوں سے آپ رابطہ نہیں رکھیں گی۔"

"جاؤ دُر مکنون تمہیں اللہ کی امان میں دیا۔ میرا دل

www.pkdigest.com

اور مت دکھا کہ یہ دکھے دل بد دعاؤں کی راہ خود ہموار کر لیتے ہیں۔" انہوں نے رنجیدگی سے کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

"تیری تربیت میں ہی چوک ہو گئی تھی مجھ سے ورنہ یہ بھی تو تیرے ساتھ کے بچے ہیں۔ جو بدنامی کی کالک تو نے میرے منہ پر مل دی ہے۔ ساری زندگی کے لیے بھی کلنک کافی ہو گی۔ لوگ طعنے دیں گے کہ فاخرہ کی بھتیجی گھر سے بھاگ گئی تھی۔ دعا کرنا تیرے پیچھے جو یہ چار امانتیں مولوی صاحب نے مجھے سونپی تھیں۔ عزت کے ساتھ اس گھر سے رخصت ہوں۔" وہ چارپائی پر ڈھے گئیں اور میں رانیہ کو گھسیٹتے اس گھر ان گلیوں سے، بہت دور روشنیوں کی ایک الگ سی دنیا میں پہنچ گئی تھی۔

مجھ جیسی خوابوں میں رہنے والی لڑکی کے لیے "انڈیانا" جادو کی نگری ثابت ہوا۔ یہاں ہم لوگ زبان کے ایک دوست املاک کے گھر ٹھہرے تھے۔ بڑا ہی پرہیزگار "ملا ٹائپ" نوجوان تھا۔

انڈیانا سے بائی ایئر ہم لوگ کیلیفورنیا پہنچے تھے۔ ہماری آمد سے پہلے ہی ایک فلیٹ ڈیڈی نے رینٹ پر لے دیا تھا۔

زبان نے مجھے بھی ایڈمیشن لینے کا مشورہ دیا جسے میں نے بری طرح ریجیکٹ کر دیا۔ میں اب پڑھنا نہیں صرف انجوائے کرنا چاہتی تھی۔

سچ تو یہ ہے زبان بہت لبرل تھا۔ اس نے مجھے ہر طرح کی آزادی دی۔ وہ خود بھی آزاد خیال کھلنڈرا سا نوجوان تھا۔ وہ انسٹیٹیوٹ سے واپس آتا تو ہم دونوں کا زیادہ وقت گھومنے پھرنے میں گزرتا تھا۔ رانیہ اس دوران گھر میں کمرہ بند کیے پھوپھو امی کی یاد میں تمام دن آنسو بہاتی رہتی تھی۔

زبان نے مجھے اتنی محبت دی تھی کہ اب میرا اس محبت میں دم گھٹنے لگا تھا۔ محبت کا تھوڑا سا بخار اترا تو مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ زبان میں بہت زیادہ حاکمیت پسندی پائی جاتی ہے۔ اسے اپنی زندگی میں لفظ بے لگام سے نفرت تھی۔ وہ مجھ پر بھی حکم چلاتا تھا۔ وہ سب پر حکم چلاتا تھا۔ اس کے دوست، جاننے والے تو کر اس کے سامنے کچھ ایسا نہیں بولتے تھے جو اسے ناپسند ہو۔

میں اس وقت کی گہرائی اور اپنا شرمناک ماضی تمہارے سامنے اس لیے کھول رہی ہوں عنوہ! کہ تم زبان کی زندگی کا ایک اہم حصہ ہو۔ کبھی اس گمان میں اپنے درمیان نفرتوں کو مت جنم دینا۔ میں اس کا بھیانک ماضی ہوں، جسے وہ یقیناً بھلا کر تمہاری طرف بڑھا ہے۔ اگر وہ کچھ بھولتا نہ تو کبھی بھی کسی اور کو میرے علاوہ زندگی میں جگہ نہ دیتا۔" درمکنون شاید تھک گئی تھی۔ اس لیے خاموشی ہو گئی۔ کیونکہ اس کی سانسیں دھونکنی کی مانند چل رہی تھیں۔ پورا جسم اس برفیلی ٹھنڈ میں بھی پسینے سے شرابور تھا۔ وہ اپنا دایاں بازو دبا رہی تھی۔ اسے شاید گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ وہ اپنا سینہ بھی مسل رہی تھی۔ عنوہ کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ وہ دوڑ کر عبدالباری کو بلا لائی تھی۔ کچھ دیر بعد شہر سے ڈاکٹر بھی آ گیا۔

"آپ ان کے ٹیسٹ کروا لیجیے۔ شاید ہارٹ پرابلم ہے۔" مگر ان کی ہزار کوششوں کے بعد بھی درمکنون چیک اپ کے لیے تیار نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ اسے اب کسی "دوا" کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں ایک اور منظر دیکھ رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"عنوہ! جان، میرا جہان۔۔۔ کہاں ہو تم؟" شاہ قدوس کی حویلی اس زندگی سے بھرپور آواز سے گونج اٹھی تھی جہاں عنوہ کے ہاتھ سے پلیٹ چھوٹی وہیں درمکنون نے دل پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

"یا اللہ! آزمائش کا یہ سفر کب تمام ہو گا؟ میں کیسے، کس منہ سے زبان عبیث کا سامنا کروں گی۔ نہیں میرے مالک مجھے اپنی طرف اٹھتی ان آنکھوں میں اب اور نفرت، حقارت سہنے کا حوصلہ نہیں۔ ان آنکھوں نے مجھے صرف محبت سے ہی دیکھا تھا۔ ان سیاہ جگر جگر کرتی ہیروں کی طرح دمکتی آنکھوں میں نفرت خود میں نے اپنے ہاتھوں سے رقم کی ہے۔ مگر اور

ذلت اٹھانے کا مجھ میں حوصلہ نہیں۔ یا اللہ! سانسوں کے اس بوجھ سے رہائی دے۔ یا اللہ! ذلت کے گڑھے میں گرنے سے بچا لے۔" وہ دل پر ہاتھ رکھے ستون کے ساتھ بیٹھتی چلی گئی تھی۔ بارگاہ ایزدی میں اس کی دعا نے قبولیت کا درجہ پا لیا تھا۔ وہ دنیا کی فریب کاری، دکھوں اور ملال کے تمام بوجھ فانی دنیا میں چھوڑ کر دائمی سفر پر روانہ ہو گئی تھی۔ بختن بی بی نے درمکنون کو گرتے دیکھا اور چلا اٹھی۔

"بی بی صاحب کو دیکھو کیا ہوا ہے؟"

پل ہی پل میں ایک کہرام مچ گیا تھا۔ وہ مردوں کی دھتکاری درمکنون کی موت کی خبر نے پوری بستی کو ایک غم کی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ہر آنکھ نم تھی۔ ہر دل غمزدہ تھا۔ حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی تھی اور وہ جو سوچا کرتی تھی کہ کون روئے گا درمکنون کو جب وہ اس دنیا سے خالی ہاتھ اپنے اصل کی طرف لوٹے گی۔

اور عنوہ، زبان عبیث اس کے کان میں کہہ رہی تھی۔

"درمکنون! تم دلوں میں ہمیشہ اچھی یاد بن کر زندہ رہو گی۔ تم نے دریہ سے درمکنون کا سفر بڑے حوصلے، صبر اور استقلال سے طے کر لیا۔ تمہیں کامیابی کی نوید سنا دی گئی ہے یقیناً" جبھی تو اتنی پرسکون اور مطمئن ہو۔ تم نے بہت تھوڑا کھو کر بہت زیادہ پا لیا ہے۔ تم کامیاب ہو گئیں۔ اتنے لوگ تمہارے جانے کے غم سے نڈھال ہیں اور میری ماں دنیا سے ناکام گئی کہ اس کی میت پر ایک آنسو بھی بہانے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ ایک عیسائی عورت کے ہاتھوں میں دم توڑ کر دنیا سے نامراد چلی گئی۔

مگر درمکنون! تم بہت خوش قسمت ہو۔۔۔۔ ایک دفعہ آنکھ کھول کر تو دیکھو۔ عبدالباری رو رہا ہے۔ بابا جان رنجیدہ ہیں۔ حنا کی آنکھیں نم ہیں۔ میں درد سے پچھتاوں لیے تمہارے پاس بیٹھی ہوں۔ تم سے باتیں کر رہی ہوں اور۔۔۔ اس شاہ قدوس کی حویلی کے بیرونی دروازے کے ساتھ شان سے کھڑے بوڑھے درخت کی چھایا میں تنہا افسردہ زبان عبیث غم سے بوجھل دل لیے تمہیں ایک نظر دیکھنے کی غرض سے کھڑا ہے۔ درمکنون! کیا تم ایک دفعہ آنکھیں کھول کر زبان عبیث کو نہیں دیکھو گی؟ اگر دیکھ لو تو اپنی خوش قسمتی پر مرنے کے بعد بھی غرور آ جائے۔" عنوہ نے اس کی صبیح پیشانی پر بوسہ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☼ ☼ ☼

"پیاری عنوہ! یہ مختصر سا خط جب تمہیں ملے گا تب تک میں اس دنیا سے پردہ پوش ہو چکی ہوں گی۔ اس دن بہت سے حقائق میں نے تم سے چھپا لیے تھے۔ شاید میں تمہاری آنکھوں میں اپنے لیے نفرت نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ان آنکھوں میں میرے لیے اتنی عقیدت اتنا احترام تھا کہ میں چاہ کر بھی اس آدھے سچ کو چھپا گئی۔

میری طبیعت اس وقت بھی بوجھل ہے۔ کیونکہ موت کی آہٹیں میں سن چکی ہوں۔ میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ وجود لرز رہا ہے اور لکھنے کے لیے الفاظ گم ہو چکے ہیں۔

تمہیں دیکھ کر زبان کی قسمت پر رشک آیا تھا۔ جانتی ہو، زبان یونیورسٹی میں پہلی مرتبہ مجھ میں کس چیز کی وجہ سے انٹرسٹ لینے پر مجبور ہوا تھا۔ سادگی اور معصومیت۔

اس نے دھوکا کھا لیا۔ وہ مجھے ڈائمنڈ سمجھ کر چھو بیٹھا اور میں تو صرف انگارہ تھی۔ اسے بھی جلایا اور خود بھی جلتی رہی۔

ہاں میری محبت نے سوائے اسے نارسائیوں کے کچھ بھی نہیں دیا۔ زبان مجھ سے نفرت کرتا ہے اس کے عزیز از جان دوست بھی مجھ سے نفرت کرتے ہیں اور وہ جو املاک ہے اس نے مجھے دیکھ کر کہا تھا۔

"گندی عورت۔" ان دو لفظوں نے دریہ کو زمین بوس کر دیا۔ میں پورے قد سے ڈھے گئی اور میرے اوپر عمارت کا تمام ملبہ آن گرا۔

میں لفظ پکڑنے کی کوشش کر رہی ہوں مگر مجھ سے

www.pkdigest.com

کچھ لکھا نہیں جا رہا۔ ایک دفعہ پھر زخموں کو کھرچ کر اول روز کی طرح کی اذیت کا لطف لینا چاہتی ہوں اسی لیے بقیہ آدھا سچ بھی سن لو۔ جان لو۔

زیان عبیث اپر کلاس کا وہ نوجوان جو پہلی نظر میں میری محبت کا اس وقت شکار ہوا جب اسے محبت کے مفہوم کا علم بھی نہیں تھا۔

میری سادگی کو پاکیزگی کا لبادہ سمجھ کر فریب نظر کا شکار ہو گیا۔ درا صل اپنے اردگرد مصنوعی چہروں والی بے باک عورتوں کو دیکھ کر اس کا جی اوب گیا تھا اسی لیے وہ میری طرف متوجہ ہوا۔

وہ محبت نہیں تھی وقتی پسندیدگی تھی جو میرے رنگ ڈھنگ دیکھنے کے بعد سسک سسک کر دم توڑ گئی۔ زیان نے میرے ساتھ جو کمٹ منٹ کی تھی اسے خلوص دل سے نبھایا بھی۔

زیان کون تھا؟ کیا تھا؟ اور اس کی خواہشات کیا تھیں۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔

میں اپنی منزل کو سامنے رکھے ہوئے تھی۔ میری غرض صرف سپر گلوری لائف تھی۔ مجھے ایک سیڑھی کی ضرورت تھی جو مجھے زیان نے بخوشی مہیا کر دی۔

زیان نے بہت کم عمری میں ڈرنک کرنا شروع کر دی تھی۔ وہ اسموکنگ بھی کرتا تھا۔ اس کی گرل فرینڈز بھی تھیں۔ یہ اس کا لائف اسٹائل تھا جسے میں نے بدلنے کی کوشش نہیں کی بلکہ خود بھی اس کے رنگ میں رنگتی چلی گئی۔

اسے پہلی مرتبہ تب احساس ہوا جب میں نے بے تحاشا ڈرنک کی اور میرے حواس معطل ہو گئے تھے۔

میں اگر ہائی سوسائٹی کا حصہ بنی تھی تو اس کی خصوصیات بھی مجھ میں ہونی چاہیے تھیں۔

زیان کو ڈیڑھ سال میں پہلی مرتبہ میں نے غصے کے عالم میں دیکھا۔ اس نے چیخ چیخ کر سارا گھر سر پر اٹھا لیا تھا اور رانیہ خوفزدہ ہو کر کمرے میں گھس گئی تھی۔

"نفرت ہے مجھے ڈرنک کرنے والی عورتوں سے۔"

وہ دھاڑ رہا تھا۔

"خود سے کیوں نہیں نفرت ہوتی۔ تم بھی تو ڈرنک کرتے ہو۔ مجھے یہ اچھی لگتی ہے میں ضرور پیوں گی۔ مجھے اس کی کھنکتی آواز پسند ہے۔ لو تم بھی دیکھو۔" میں نے نازک سے بلوریں گلاس میں وہسکی کو ڈالنا شروع کیا۔

"کتنی پیاری آواز ہے رس بھری رسیلی گویا کسی پہاڑ کے دامن سے جھرنا بہہ رہا ہے۔" میں نے اسے چڑانا شروع کر دیا تھا اور پھر یہ میرا معمول بن گیا۔ پارٹیز، ہنگامے، ڈانس کی محفلیں۔

ایک دن ایسی ہی پارٹی میں میری ملاقات افلاک سے ہوئی۔ افلاک کا بڑا بھائی تھائی لینڈ کے بڑے صنعت کاروں میں شمار ہوتا تھا اس کا ہیرے کی کان کا مالک اس کا بزنس بہت سے ملکوں میں پھیلا ہوا تھا۔

میری اس کے ساتھ بے تکلفی بڑھتی چلی گئی۔ مجھے زیان کا چھوٹا سا کرائے کا فلیٹ اس کے ڈریم ورلڈ کے سامنے چوہوں کے ڈربے جتنا لگتا تھا۔ میری نئی مصروفیت بہت جلد زیان کی نظروں کی زد میں آ گئی۔

انہی دنوں مجھ پر انکشاف ہوا کہ میں ماں بننے والی ہوں۔ اور جب چیک اپ کروایا تو ٹائم کافی گزر چکا تھا۔

میرے اندر آگ بھڑک اٹھی ——— فی الحال میں بچہ ہرگز نہیں چاہتی تھی مگر مجبوری یہ تھی کہ مجھے اپنی زندگی بھی عزیز تھی۔

زیان میری بے بسی پر مجھے اور تاؤ دلاتا تھا۔ اور پھر وہ وقت بھی آ گیا جب ایک چھوٹے سے بچے نے معمولی سے کلینک میں آنکھ کھولی۔ مجھے ان دنوں اپنے اردگرد ہر شے معمولی لگنے لگی تھی۔ زیان نے بچے کے لیے ڈھیروں شاپنگ کی تھی۔ جب وہ کلینک میں آیا تو میں فون پر افلاک سے بات کر رہی تھی۔ وہ کاٹ پر جھک گیا۔ بچے کو دیوانہ وار چومتا رہا۔ اس کے پیار کا کوئی بھی انداز مجھے اب بھانے والا نہیں تھا۔ زیان نے ایک چین میرے گلے میں پہنائی اور دوسری بچے کو۔

پورے تین ہفتوں بعد میرا ننھا سا بیٹا ——— بخار کی لپیٹ میں آ کر آنکھیں موند گیا۔

زیان تو گویا پاگل ہو چکا تھا۔ اس نے بچے کی موت کا شدید صدمہ لیا۔ وہ مجھے مجرم ٹھہراتا رہا۔ میری

کوتاہیوں کے بارے میں چلا چلا کر غصے کا اظہار کرتا رہا مگر مجھے اب کسی بھی چیز کی پروا نہیں تھی۔

"تم کوئی گورس رکھ لیتے۔ بالکل ہی کنگال ہو۔ کشکول پکڑ کر گلیوں میں نکل جاؤ۔ بھیک تو مل ہی جائے گی۔"

رانیہ کانپ کانپ جا رہی تھی اور زیان غصے سے پھنکارتا باہر نکل گیا۔

مجھے اب اس زندان سے نکلنا تھا مگر کیسے۔ اس کے لیے میں نے پوری پلاننگ کی۔ رانیہ کو پاکستان بھیجنے کا لالچ دے کر آمادہ کیا۔ وہ جس قسم کی ڈرپوک لڑکی تھی میری ایک جھڑکی پر ہی سارے کس بل نکل گئے۔

میں نے اسے ذہنی ٹارچر کرنا شروع کر دیا تھا مگر وہ میرے منصوبے کو سن کر بدک گئی۔ اس نے چلا چلا کر پورا گھر سر پر اٹھا لیا۔ جواباً" میں نے اسے اتنا مارا کہ وہ نیم بے ہوش ہو گئی اور پھر پلان کے مطابق پیٹر کو گھر بلوا لیا۔

"مانو گی یا یہ آدمی تمہیں اپنے طریقے سے منائے۔" میری دھمکی کو سن کر وہ پہلے قدم پر ڈھے گئی تھی۔ سو پیٹر جیسے درندے کو دیکھ کر اس کے حواس ساتھ چھوڑ گئے۔ میرا مقصد صرف اسے ڈرانا ہی تھا۔ پیٹر کو بھیج کر میں نے ڈیڈی کو فون کیا جو آج کل ادھر ہی آئے ہوئے تھے۔

زیان کے گھر آنے میں صرف دس منٹ رہ گئے تھے جب میں فلیٹ سے نکل گئی۔ اگلا کام رانیہ کا تھا جو ایک کال گرل کی زندگی گزارنے سے خوفزدہ ہو کر میری ہر جائز ناجائز مان رہی تھی۔ تاہم ایک مرتبہ اس نے بھرائی آواز میں مجھ سے ضرور کہا تھا۔

"اللہ کرے تم مر جاؤ آپی! آپا اسی دن کے لیے مجھے میری محبتوں سے چھین کر لے آئی تھیں۔"

میرا پلان مکمل طور پر کامیاب رہا تھا۔ ڈیڈی بھی اچانک گھر میں داخل ہوئے تھے۔ رانیہ اپنے پھٹے کپڑوں اور خستہ حالت میں زیان کے کمرے سے نکلی اور صرف ایک منٹ پہلے واش روم میں گھسا زیان میری پلاننگ کو مکمل طور پر کامیاب کر گیا۔

میں نے اتنا واویلا کیا کہ اردگرد کے لوگ چونک اٹھے۔ رانیہ آنسو بہائے جا رہی تھی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

"مجھے ابھی اور اسی وقت طلاق دو۔ میری بہن کے ساتھ ——— اف ڈیڈی مجھے موت کیوں نہیں آ گئی۔" میں نے بے ہوش ہونے کی بھرپور ایکٹنگ کی تھی۔ زیان میری طرف بڑھا۔ اس کے ساکت لبوں میں حرکت ہوئی اور اس رات زیان عبیث نے پہلی مرتبہ زندگی میں اپنے باپ کے سامنے شرمندگی محسوس کی اردگرد کی مسلم کمیونٹی کے لوگ بھی اکٹھے ہو گئے تھے۔

زیان چیخ رہا تھا۔ رانیہ سے التجائیں کر رہا تھا جو ہوش و خرد سے بیگانہ بے ہوش پڑی تھی۔ اس کی بے ہوشی نے میرے پلان پر کامیابی کی مہر لگا دی۔

زیان وحشت زدہ سا سب کو دیکھ رہا تھا۔ ڈیڈی نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"کم از کم رشتوں کے تقدس کا تو خیال کر لیا ہوتا۔" ڈیڈی آگے بڑھے اور زیان کے منہ پر تھپڑ رسید کر کے صوفے پر ڈھے گئے۔ زیان شاید زندگی میں پہلی مرتبہ رویا تھا۔ کیونکہ اسے اپنے بہتے آنسوؤں پر حیرت ہو رہی تھی۔

زیان نے مجھے طلاق دے دی۔ میں فتح کا احساس لیے اس کے گھر سے نکل آئی۔ "انڈیانا" پہنچ کر میں نے افلاک کو فون کیا اور پھر اس کے "ڈریم ورلڈ" میں داخل ہو گئی۔

مگر اس کے بعد میرے خواب چکنا چور ہو گئے۔ میرے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ افلاک نے سنا تو مجھ پر لعنت بھیجنے خود چلا آیا۔ وہ زیان کا دوست تھا۔ کلاس فیلو تھا اور حقیقت تو یہ تھی کہ زیان اپنے فرینڈز کے معاملے میں بہت لکی تھا۔ اس کے دوست اس سے شدید محبت کرتے تھے۔

زیان کی دریہ اپنی نادانی، کم عقلی اور اندھی خواہشوں کی تکمیل کی خاطر انڈیانا کی سڑکوں پر رل گئی

جس کی خاطر میں نے اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا وہ میرے حسن کا سوداگر نکلا۔۔۔ اس نے میری خوب صورتی کو کیش کرانا چاہا اور جب میں نے اس کی بات نہ مانی تو وہ کسی مرد کے کی طرح مجھے دھتکار گیا۔

"تم جیسی عورتیں۔۔۔ گھر بسانے کے لیے نہیں صرف بیڈ روم سجانے کے لیے وقتی ضرورت کے تحت استعمال کی جاتی ہیں اور پھر ٹشو پیپر کی طرح ڈسٹ بن میں پھینک کر یوں اجنبی بن جاتے ہیں۔ گویا کبھی ملے ہی نہیں تھے۔"

میں پھر آکر واپس پلٹی تو راستوں کو گم پایا۔ شکاگو سے نیویارک اور پھر واپسی پاکستان کے سفر نے روم روم میں تھکن اتار دی تھی۔

میں ان بدقسمت عورتوں میں سے تھی جو اپنے ہاتھوں سے گڑھا کھودتی ہیں اور پھر خود ہی اس میں گر جاتی ہیں۔ میں نے گھاٹے کا سودا کیا تھا۔ نقصان بھی سارے میرے حصے میں آئے۔

پھر مجھے بابا صاحب ملے۔ انہوں نے میرے وجود میں چبھے ایک ایک کانٹے کو نکال دیا تھا اور کل کی شام آخری کانٹا بھی نکل گیا۔

زیان کو زندگی کی طرف پلٹتا دیکھ کر اس کی آنکھوں میں تمہارے لیے محبت اور چاہ کی چمک پا کر میں پُرسکون اور مطمئن ہو گئی ہوں۔ زیان کی تمام تر اذیتوں کے بعد اللہ کی طرف سے ملنے والا خاص تحفہ ہو تم عنوہ! تمہیں دیکھ کر فخر کرنے کو دل کرتا ہے اور زیان کا تفخر بے جا نہیں ہے۔

عنوہ! میں تم سے کچھ بھی نہیں مانگوں گی سوائے اک آخری خواہش کے کہ جب تم اپنے ہرے بھرے گلشن کو ہمیشہ آباد شاد رہنے کی دعا مانگو گی تو شاہ قدوس کی حویلی کے بائیں جانب موجود شہر خموشاں کے ایک کونے میں گہری نیند سوئی درمکنون کے لیے دعائے مغفرت ضرور کرنا۔"

☼ ☼ ☼

"میں زیان عبیث ہوں۔ عبیث فریدی کا بیٹا۔ جسے وہ میری ماں سے چھین کر ابراڈ لے گئے تھے۔

میں نے آزاد فضاؤں میں زندگی کے ابتدائی کئی سال گزارے تھے۔ حسن، اور عریانی کو دیکھ کر میرا دل عورت سے ہی اچاٹ ہو گیا تھا۔

اور پھر ڈیڈی کی فرینڈز کو گھر میں آتا جاتا دیکھ کر میرے ذہن میں عورت کا امیج بگڑ کر رہ گیا۔

ہماری سوسائٹی میں دوستیاں، محفلیں اور شراب شباب کے جشن اک عام نارمل روٹین کی بات معلوم ہوتی تھی۔

میں ڈرنک بھی کرتا تھا۔ اور جب لاس ویگاس میں ڈیڈی کے ہمراہ جتنا بھی عرصہ رہا تو خصوصاً "ٹولی کے کلب میں جوا کھیلنے کا شغل بھی کرتا رہا تھا پھر ہم دونوں پاکستان سیٹل ہو گئے۔

امی کے بارے میں ڈیڈی نے ہمیشہ مجھے متنفر کرنے کی کوشش کی تھی جس کی وجہ سے مجھے ماں کا ذکر بھی پسند نہیں رہا تھا۔ پھر ہم پاکستان شفٹ ہو گئے۔

یوں ہی بے مقصد زندگی گزارتے، ہلا گلا، پارٹیز اور ہنگاموں میں خود کو مصروف رکھتے اور کبھی کبھی یونیورسٹی کا چکر لگا کر ڈیڈی کو مطمئن کرنے کے چکر میں زیان عبیث خود بھی چکرا گیا۔ بے ارادہ سی نگاہ اٹھی تھی جو دل کے پار اتر گئی۔ درمکنون، میری پہلی محبت، پہلی کمٹ منٹ، پہلی عورت جو مجھے بہت اچھی لگی اور دل نے اس کے ساتھ کی تمنا کر لی۔ مجھے جو چیز پسند آئے میں اسے حاصل کر لیتا ہوں۔ وہ مجھے اچھی لگی میں نے اسے اپنا لیا۔ ٹوٹل غلط طریقے سے وہ گھر سے بھاگ آئی۔ اس گھر سے جہاں میری ماں رہتی تھی۔ ہم نے کورٹ میرج کر لی۔ ڈیڈی نے دریہ کو کھلے دل سے قبول کر لیا اور چند دن بعد ہم لوگ امریکہ چلے آئے۔

وہ درمکنون تھی جس کا نام مجھے مشکل لگتا تھا سو میں نے اپنی آسانی کے لیے اسے دریہ کا نام دیا۔

وہ میری پہلی کمٹ منٹ تھی جسے میں نے آخری دم تک نباہنے کا عہد کر رکھا تھا۔ میرے لاشعور میں خاندان ٹوٹنے کا خدشہ اول روز سے ہی موجود تھا۔ اسی لیے میں دریہ کو گھر تک محدود رکھ کر اسے خود سے بے زار نہیں کرنا چاہتا تھا۔

مگر وہ اتنی جلدی یہاں کے رنگ ڈھنگ اپنا لے گی یہ میرے گمان میں بھی نہیں تھا۔ اسموکنگ، ڈرنک رات گئے تک گھر سے غائب رہنا۔ اس کا مختصر سا لباس میرے لیے یہ سب ناقابل برداشت تھا اور وہ مجھے محدود ذہن کا دقیانوسی مرد کہہ رہی تھی۔ میں اس کی ڈھٹائی پر جلانے لگا۔

اس نے اپنی روش نہیں بدلی تھی جب ایک دن افلاک کا فون آیا۔

"یار! بھابھی کو سمجھاؤ۔ یہ کس سمت چل پڑی ہیں۔۔۔ فرسٹ ٹائم میں نے انہیں دیکھا تو تمہاری خوش قسمتی پر رشک سا آیا تھا اور اب۔" وہ افسوس سے کہہ رہا تھا جبکہ میرا رواں رواں سلگنے لگا۔

اس طرح ایک دو مزید افلاک کے فون آئے۔

"تم تو جانتے ہو نا۔۔۔ افلاک بھائی کی عادت کو برے گھاگ شکاری ہیں۔ تم بھابھی کو سمجھاتے کیوں نہیں۔" اور میں اسے کیا بتاتا کہ وہ مجھ سے اور کچھ سوچنے کی پوزیشن سے بہت آگے نکل گئی ہے۔

بچے کی پیدائش، ڈیتھ اور پھر دریہ کی ناقابل برداشت حرکتوں نے بنیادی طور پر مجھے توڑ ڈالا تھا اور اس صورت حال نے مجھے دیوانہ بنا دیا تھا۔

میں اپنے گھر کو بچانا چاہتا تھا اور در پردہ وہ میری پشت میں تیر گھونپنے کی مکمل پلاننگ کر چکی تھی اور اس کے لیے دریہ نے اپنی سگی بہن کا انتخاب کیا تھا۔

روتی دھوتی رانیہ، واویلا کرتی دریہ اور پھر ڈیڈی کے ساتھ ارد گرد والے فلیٹس کے لوگ جنہیں دریہ خود بلا کر لائی تھی۔

بہت عرصہ بعد تک بھی میں اس کے ڈرامے کو سمجھ نہیں پایا تھا جب تک خود رانیہ اعتراف نہ کر لیتی۔ اور پھر رانیہ کے اعتراف نے میرے اندر انتقام کی آگ بھڑکا دی۔

رانیہ ظہیر، دریہ کی چھوٹی بہن جس کا نکاح ڈیڈی نے اس وقت میرے ساتھ کیا تھا جب میرے ہوش و حواس سلامت نہیں تھے۔ دریہ کو طلاق دینے کے بعد اتنی ذلت اتنی توہین سمیٹتے ہوئے اور اس کا تمام تر ڈرامہ سمجھنے کے بعد میرا نروس بریک ڈاؤن ہوتے ہوتے بچا تھا۔ میرے دوستوں نے میرے گرد گھیرا ڈال لیا تھا۔ خصوصاً" حسام اور افلاک تو رہتے ہی میرے پاس تھے۔

اور جس دن مجھے پتا چلا تھا کہ افلاک نے دریہ کو دھتکار دیا ہے۔ اسی شام کیلیفورنیا کی سڑکوں پر دریہ کی محبت نے میرے دل سے آخری ہچکی لے کر دم توڑ دیا تھا۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی میں اتنی ذلت اٹھاؤں گا۔ میرے دل کے شہر پر بڑی بھیانک شام اتری تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا اب کوئی سحر طلوع نہیں ہو گی۔ محبت کے شہر کو کالی شام نے آن گھیرا تھا۔

اس نے مجھے ٹھکرایا اور میرے اندر ایک اور زیان عبیث نے جنم لیا۔ مجھ پر دولت اکٹھی کرنے کا جنون سوار ہو گیا تھا۔ پھر میں نے اتنا پیسہ کمایا مجھے خود اپنے اثاثوں کی مالیت کا اندازہ نہیں رہا تھا۔

دریہ نے محبت کا سودا دولت کے ساتھ کیا تھا۔

آخری وقت میں ڈیڈی نے کچھ اعتراف کیے تھے۔ مجھے عنوہ کے بارے میں بتایا اور رانیہ کو آزاد کرنے کی بھی التجا کی۔۔۔ وہ میرا رانیہ کے ساتھ رویہ دیکھ کر رنجیدہ رہتے تھے اور اپنے اس وقت کے فیصلے پر پچھتاتے تھے۔ یہ رشتہ صرف انتقام کا تھا۔ میرے دل میں ان تین عورتوں میں سے سب سے زیادہ جگہ بنانے والی عنوہ ہاشم ہے۔ جس سے میں نے زندگی گزارنے کا شعور پایا۔ سلیقہ سیکھا۔

درمکنون نے مجھے نفرت کرنا سکھایا تھا۔ رانیہ نے انتقام کے رنگوں سے آشنا کروایا تھا اور محبت کرنا میں نے عنوہ سے سیکھا ہے۔

جس نے مجھے یہ باور کروایا تھا کہ زندگی کا اصل مقصد پیسہ کمانا نہیں۔۔۔ اور جو مجھے بڑی محبت اور دلجمعی سے نماز کا طریقہ بتاتی تھی۔ جس کے ہاتھوں سے اپنے ذاتی کام کروا کر میرے دل میں سکون کی لہریں دوڑنے لگتی تھیں۔

www.pkdigest.com

حالانکہ اب وہ بچوں کی مصروفیت کی وجہ سے اس کی توجہ مجھ پر ذرا کم ہی ہوتی ہے مگر مجھے بھی اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے ہزار طریقے آتے ہیں۔ وہ اکثر چڑ کر کہتی۔

"آپ بھی بچوں کے ساتھ بچے بن جاتے ہیں۔"

ہر نئی طلوع ہونے والی سحر مجھے عنوہ کے مزید قریب کر دیتی ہے۔ اس کی چاہتوں کے بھی ہزار رنگ ہیں اور ہر رنگ پہلے سے بھی زیادہ دلکش اور حسین ہوتا ہے۔

میں اپنے ہرجائی کی اس محبت کی شام کو امریکہ کے شہر کیلیفورنیا کے سپرد کر آیا تھا۔ کیونکہ مجھے اپنے دیس کی چمکتی سنہری طلوع ہونے والی سحر اپنی طرف بلا رہی تھی۔ ڈیڈی کی آخری وصیت مجھے اپنی زندگی کے حاصل کے قریب لے آئے گی۔ یہ میں نے سوچا نہیں تھا۔

میں نے عنوہ کو ایک پارٹی میں دیکھا اور اس کا اسیر ہو گیا۔ ایک دفعہ پھر سادگی و معصومیت نے مجھے اپنی جانب مائل کیا تھا مگر اب کے نگاہوں نے گوہر نایاب کو اندر تک سے پرکھ لیا تھا۔

"زبان کے بچے!" عنوہ نے بیڈ روم کے دروازے میں جھانک کر کڑی نگاہ سے مجھے گھورا تو میری سوچوں کو بھی بریک لگ گئے تھے۔

"ہاں بچوں کی اماں۔" میں نے بڑی محبت پاش نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ میری نظر کی گرمی سے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیمرہ لینے آئے تھے آپ۔ نیچے رخصتی کے لیے رمیز اور زروہ بے تاب ہو رہے ہیں اور آپ کھڑکی کھولے چاند ستاروں سے باتیں کرنے میں مصروف ہیں۔"

"میں تقریباً" وہ دو سیڑھیاں پھلانگتا نیچے آیا تو عبدالباری کو بھی گھورتے دیکھ کر سنبھلا۔

"خیر تو ہے آج سب نظروں کے تیروں سے گھائل کرنے پر تلے ہو۔"

"آپ کے بھلکڑپن کو سلوٹ کرنے کو دل چاہ رہا ہے زبان بھائی! جلدی آیئے امی خفا ہو رہی ہیں۔"

"او ہو سوری یار! آ رہا ہوں تم چلو۔" میں نے کچن میں ہدایات دیتی عنوہ کو بازو سے گھسیٹا اور باہر لان میں چلا آیا۔

آج سنبہ اور وصی کی شادی کی تقریب تھی۔ پورا لان برقی قمقموں سے سجا عجب بہار دکھا رہا تھا۔

"مجھے سو فیصد یقین تھا کہ تم اندر رومانس بگھارنے لگے ہو گے۔" ہم دونوں کو ایک ساتھ آتا دیکھ کر میجر رمیز نے شرارت سے کہا تو میں اپنے ازلی پر اعتماد انداز میں بولا۔

"تم پر کسی نے کرفیو تو نہیں لگایا... برابر ہی تو بیٹھی ہیں 'ہو جاؤ شروع۔'" رمیز کا قہقہہ بے ساختہ تھا جبکہ زروہ جھینپ کر اسٹیج کی طرف بڑھ گئی۔

عیشہ نگلی کو گود میں اٹھائے ساڑھی سنبھالنے کے چکر میں ہلکان ہو رہی تھی۔ جوں ہی میری نظر عیشہ پر پڑی میں اپنی جگہ سے اٹھا اور دو ماہ کے باری کے علی کو گود میں اٹھاتے ہوئے بولا۔

"تمہیں کس احمق نے ساڑھی پہننے کا مشورہ دیا تھا۔"

"آپ کے بھائی نے۔" عیشہ برجستہ بولی تو سب ہی ہنس پڑے۔ فاخرہ نے اک سرشاری کے عالم میں اپنے ہرے بھرے گلشن کو دیکھا تھا۔ آنکھ سے دو تشکر کے آنسو ٹپکے تھے۔

"عبث فریدی اسی گھر سے تم نے مجھے نکال دیا تھا۔ جب میرے پیروں کے نیچے زمین رہی تھی نہ سر پر آسمان... آج دیکھو پلٹ کر میرے دائیں بائیں دو مضبوط ستون کھڑے ہیں۔" انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کی پیشانی چوم کر سوچا زبان جب قمری خالہ کے گھر ان سے معافی مانگنے اور لینے کے لیے آیا تو ان کا دل خود بخود شفاف آئینے کی مانند ہو گیا تھا۔

رانیہ اور معین دوبئی سیٹل ہو چکے تھے۔ زروہ اپنے گھر میں خوش باش تھی۔ سنبہ کے لیے زرین نے بڑی چاہ سے دست سوال دراز کیا تھا۔

مہک تو ابھی چھوٹی تھی البتہ سارہ کی انہیں بہت فکر تھی اور آج اس تقریب کے اختتام سے پہلے ہی ان

کی یہ پریشانی بھی دور ہو گئی۔

املاک نے چپکے سے زبان کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ اس نے عنوہ تک بات پہنچائی اور یوں املاک نے ہتھیلی پر سرسوں جمانے کا معاملہ کر کے عنوہ سے ادھار رنگ لی اور فاخرہ کے ساتھ بیٹھی قمر النساء خالہ کے ہاتھ میں تھما دی۔ خالہ جان اس ادا پر نہال ہو کر املاک کے سر پر دو تین بوسے لینے کے بعد شرمائی لجائی سارہ تک پہنچ چکی تھیں۔

ادھر عیشہ فاخرہ سے کہہ رہی تھی۔

"امی جان! آپ نے اور امبرین آنٹی نے روایتی دیورانی جیٹھانی والا مزا تو لیا نہیں... جو نوک جھونک ہر وقت زبان بھائی اور عبدالباری کے درمیان ہوتی ہے اس سے بھی لطف اندوز نہیں ہوتی ہوں گی آپ دونوں جیسے میں اور بھابھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔"

"بس بیٹا! ساتھ رہنے کا موقعہ نہیں مل سکا۔" وہ عیشہ کی اونگیوں بونگیوں کے جواب میں ہنستے ہوئے کچھ نہ کچھ کہہ دیتی تھیں۔

عنوہ حنا اور حشام کا فون سن کر آئی جو آج کل لندن میں ہوتے تھے کیونکہ لندن والی فیکٹری حشام بھائی کے انڈر تھی اور اس خوشی کے موقع پر وہ دونوں مصروفیت کی وجہ سے نہیں آ سکے تھے۔

عنوہ نے لان پر اک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ ہر کوئی مسرور شاد اور ہنس رہا تھا۔ بابا جان اب ان کے درمیان نہیں رہے تھے بلکہ حج کے دوران ہارٹ اٹیک ہونے کی وجہ سے اسی پاک سرزمین میں ہی دفنا دیے گئے۔ یہی ان کی وصیت تھی۔ ان کی دیرینہ آرزو پوری ہو چکی تھی۔

آج چاند کی چودہ تاریخ تھی۔ ہر شے ٹھنڈی میٹھی چاندنی میں نہائی لگ رہی تھی۔

آج سے چند دن پہلے وہ زبان کا اچھا موڈ دیکھ کر بہت عرصے بعد درمکنون کا ذکر چھیڑ بیٹھی تھی۔

"آپ نے اسے معاف کر دیا ہے نا...؟"

"کسے؟" زبان نے حیرت سے پوچھا۔ حالانکہ جان چکا تھا کہ وہ کس کے بارے میں بات کر رہی ہے۔

"درمکنون کو۔" عنوہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں..." اس نے پوری سچائی سے کہا تھا۔

"جب اللہ اسے معاف کر چکا ہے تو پھر ہم تو معمولی سے حقیر بندے ہیں اس کے اور پھر تم ہی تو کہتی ہو معاف کرنے والے اعلا ظرف ہوتے ہیں۔" اور عنوہ ہلکی پھلکی ہو گئی۔

"ارے ماریہ کو جو جھوٹے لارے لگائے تھے 'ماریہ کا کیا بنے گا۔'"

"مجھے بیوی چاہیے۔ ڈیکوریشن پیس نہیں۔" املاک نے سنجیدگی سے کہا۔

"شکر ہے تمہیں بھی عقل سلیم آ گئی ہے۔ ورنہ خوامخواہ اس پر لٹو ہو رہے تھے۔" زبان نے چڑا کر کہا۔

"بس یار! نظر کا دھوکا تھی۔" اس نے مسکراتے ہوئے سارہ کی طرف دیکھا۔ عنوہ ان کے قریب سے گزرتے ہوئے قدرے الگ تھلگ بیٹھی فاخرہ کے قریب آ گئی۔

درمکنون آج ان کے درمیان نہیں تھی۔ فاخرہ یقیناً" اس کے متعلق سوچ رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں نم نم سی تھیں۔ انہوں نے اور عنوہ نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر دودھیا چاندنی لٹاتے چاند کی طرف دیکھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے درمکنون کا چہرہ نور میں نہایا ستاروں کے جھرمٹ میں سے جھانک رہا ہے۔ اس نے فاخرہ کے کندھے پر سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں اور بولی۔

"امی جان! وہ سب سے اچھی' پرسکون جگہ پہنچ گئی ہے۔ جہاں باغ ہوں گے۔ نہریں ہوں گی۔ خوشبوئیں ہوں گی' روشنیاں ہوں گی۔ جہاں رنج نہیں ہوگا۔ دکھ نہیں ہوں گے۔ پچھتاوے نہیں ہوں گے۔ اور نہ ہی ملال کے سائے ہوں گے۔"

"ہوں..." انہوں نے گہری اطمینان بھری سانس کھینچ کر تائیدی انداز میں سر ہلایا تھا۔ انہیں یوں محسوس ہوا گویا چاند بھی مسکرا کر تائید کر رہا ہے۔

☆ ☆

www.pkdigest.com

شمیلہ شہزادی

مسیحی

"شکریہ تمہاری چائے تو بنی۔" دانیہ کو چائے لاتے دیکھ کر اریبہ نے مذاق سے کہا تو حسب توقع وہ چڑ گئی۔

"ہاں بنادی ہے نا' اس لیے باتیں سنا رہی ہیں۔ ایک لوگوں کی آپیاں ہوتی ہیں۔ اپنی چھوٹی بہنوں کا کتنا خیال رکھتی ہیں۔ یہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔" زور زور سے بولتے ہوئے اس نے چائے ٹیبل پر پٹخی اور اپنا کپ لے کر روٹھے پن سے منہ موڑ کر بیٹھ گئی۔

خواب ہوتے ہیں دیکھنے کے لیے
ان میں جاکر مگر رہانہ کرو

اپنا کپ اٹھا کر مسکراتے ہوئے شعر عرض کیا گیا تو دانیہ اس پر خفگی بھری نگاہ ڈال کر خاموش ہو رہی۔ اس وقت کچھ بولنا اپنی شامت بلوانے کے مترادف تھا۔ اریبہ پر ایسا موڈ کبھی کبھار ہی طاری ہوتا تھا اور جب بھی ہوتا وہ شعروں سے اگلے بندے کی مت مار دیتی تھی اور دانیہ کا مزید موڈ خراب کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ ابھی کیمسٹری کا ٹیسٹ بھی تیار کرنا تھا۔

"ہیلو ایوری باڈی۔" اسی وقت دانیال نے انٹری دی۔

رخ روشن دکھا دیا تونے
لیمپ گویا جلا دیا تونے

دانیال صبح کا نکلا ہوا ابھی لوٹا تھا' اسی لیے اریبہ نے ایک نظر اسے اور دوسری نظر گھڑی پر ڈال کر بے ساختہ حاجی لق لق کو یاد کیا۔

"مرگئے۔" دانیال نے بے ساختہ سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"نصیب دشمناں طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی۔" اس نے صوفے پر گرتے ہوئے پوچھا۔

حال دل آپ نے بھی پوچھ لیا
آیئے' بیٹھیے بتاتے ہیں

مسکراتا ہوا جواب آیا۔

"آپی! مجھے معاف رکھیں اس ستم سے۔ ہاں ایک کپ چائے مل جائے تو۔"

تین کے بجائے چائے بنائی ہے دو کپ
افسوس آج تو بھی فراموش ہوگیا

اس نے بھی ردیف ملاتے ہوئے شعر میں اپنی مرضی کی تبدیلی کی اور مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہیں کیا ہوا کٹ کھنی بلی بڑی خاموشی سے بیٹھی ہو۔" اسے لاعلاج سمجھ کر اس کے حال پر چھوڑتے ہوئے دانیال نے دانیہ کی طرف رخ کیا۔

دانیال انہیں نہ چھیڑو کہ پھر جوش اشک سے
بیٹھے ہیں وہ تہیہ طوفاں کیے ہوئے

جواب ایک دفعہ پھر اریبہ کی طرف سے موصول ہوا۔ دانیال اور دانیہ نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں مشورہ کیا اور خاموشی سے اٹھ کر باہر چل دیے۔

سوچا تھا انہیں حال سنائیں گے دل کا
مگر وہ محفل ہی چھوڑ کے بھاگ گئے

"واہ۔ یہ تو فی البدیہہ شعر ہو گیا۔ سنو تو' رکو۔" وہ بھی اپنا کپ اٹھائے ان کے پیچھے لپکی۔

☼ ☼ ☼

صبح اپنی تمام تر ہنگامہ خیزی کے ساتھ سبحانی ہاؤس میں اتر چکی تھی۔ دانیہ اور دانیال کی نوک جھونک' حماد کی بڑھکوں اور اریبہ کے اشعار نے ماحول میں ہلچل مچا رکھی تھی۔ سبحانی صاحب ان سب کی باتوں سے حظ اٹھاتے گاہے گاہے اخبار پر بھی نظریں دوڑا رہے تھے۔ اریبہ نے جلدی جلدی چولہے میں تیل ڈالے اور امی کا ہاتھ بٹانے لگی۔ وہ سب ناشتا' لنچ اور ڈنر اکٹھے ہی کرتے تھے اور اس بھاگتی دوڑتی مصروف زندگی میں سے چند لمحے چرا کر اکٹھے بیٹھنا بھی غنیمت لگتا۔

"حماد بھائی یونیورسٹی تو پہنچ گئے ہیں لیکن توبہ ہی ہے' ان کی تیاری تو خواتین کو مات کرتی ہے۔" دانیہ نے حماد بھائی کی بار بار پڑتی پکاروں پر تبصرہ کیا۔

آج تم کو بتادوں راز کی بات
بچہ شادی پہ زور دیتا ہے

www.pkdigest.com